ماہنامہ

حنا

مارچ 2018



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

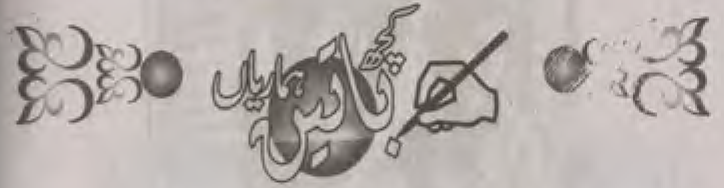
افسانے



مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com



قارئین کرام! مارچ 2018ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

ملک میں گزشتہ کافی عرصہ سے جاری سیاسی بحران نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا اور بعض ناعاقبت اندیش لوگ اس بحران میں عدلیہ کو بھی ملوث کرکے پارلیمان اور عدلیہ کو آپس میں لڑانے کی کوشش کررہے ہیں۔ عدلیہ کے خلاف سیاسی حلقوں کی جانب سے بیان بازی اب تصادم کی طرف جاتی دکھائی دے رہی ہے۔ اگر اطلاع آرہی ہے کہ حکومت پارلیمنٹ میں عدلیہ کے متعلق کوئی قرارداد پیش کرنے جارہی ہے، اگر یہ اطلاع درست ہے تو یہ ملک وقوم کے لئے انتہائی تباہ کن ہوگا اس سے ریاست کی چولیں ہل جائیں گی۔ ہمارے خیال میں ملک کی سیاسی جماعتوں میں ایسے باشعور لوگ موجود ہیں جو ایسی صورت میں اپنا کردار ادا کریں گے اور معاملات کو اس نہج تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ ابھی ان کے پاس وقت ہے کہ وہ فعال کردار ادا کریں اور حکومت کو عدلیہ کے خلاف کوئی بھی تحریک لانے سے روکیں۔ اگر انہوں نے اپنی ذمہ داری نہ نبھائی تو مورخ ان کا شمار بھی ایسے لوگوں میں کرے گا جنہوں نے تباہی کو دیکھتے ہوئے بھی اس کی روک تھام کے لئے کچھ نہ کیا۔ وہ تاریخ کے مجرم ہونگے۔ دوسری طرف ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے بھی التماس ہے کہ وہ ذمہ داری کا ثبوت دیں فاضل جج صاحبان دوران سماعت جو خیالات ظاہر کرتے ہیں وہ حتمی فیصلہ نہیں ہوتے۔ ان کو اپنی ریٹنگ کے چکر میں سیاق وسباق سے علیحدہ کرکے چھاپ کر آپ ملک وقوم کی کوئی بھلائی نہیں کر رہے۔ اس لئے حتمی فیصلہ آنے تک فاضل جج صاحبان کی آبزرویشنز کو فیصلے نہ بنایا جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی میں ملک وقوم کی بھلائی ہے۔

اس شمارے میں:۔ اُم مریم اور نایاب جیلانی کے مکمل ناول، نوال احمد، اُم ایمان اور فرحت انصاری کے مکمل ناول، تحسین اختر اور بشریٰ سیال کے ناولٹ، مبشرہ ناز، بیا نور اور ندا علی عباس کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود



نام بھی تیرا عقیدت سے لیا جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کیے جاتا ہوں

کوئی دنیا میں مرا مونس و غمخوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے پہ جیے جاتا ہوں

تیرے اوصاف میں اک وصف خطا پوشی ہے
اس بھروسے پہ خطائیں بھی کیے جاتا ہوں

آزمائش کا محل ہو کہ مسرت کا مقام
سجدہ شکر بہر حال کیے جاتا ہوں

زندگی نام ہے اللہ پہ مر مٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیے جاتا ہوں

صبر کرنا ہے تری شان کریمی کو عزیز
میں یہی سوچ کر آنسو بھی پیے جاتا ہوں

ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اقبال
شکر ہے ایک سلیقے سے جیے جاتا ہوں

اقبال عظیم



کس کا جمال ناز ہے جلوہ نما یہ سو بہ سو
گوشہ بگوشہ در بدر قریہ بہ قریہ کو بہ کو

اشک فشاں ہے کس لئے دیدہ منتظر مرا
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بہ جو

مری نگاہ شوق میں حسن ازل ہے بے حجاب
غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل لالہ بہ لالہ بو بہ بو

جلوہ عارض نبیؐ رشک جمال یوسفی
سینہ بہ سینہ سر بہ سر چہرا بہ چہرا ہو بہ ہو

زلف دراز مصطفیٰ گیسوئے لیل حق نما
طرہ بہ طرہ خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مو بہ مو

یہ میرا اضطراب شوق رشک جنون قیس ہے
جذبہ بہ جذبہ دل بہ دل شیوہ بہ شیوہ خو بہ خو

تیرا تصور جمال میرا شریک حال ہے
نالہ بہ نالہ غم بہ غم نعرہ بہ نعرہ ہو بہ ہو

رئیس امروہوی

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں

ادارہ

دائرہ حقوق اللہ اور حقوق العباد

حقوق اللہ اور حقوق العباد کوئی ایک دوسرے سے کٹے ہوئے یا علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوست ہیں، ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی بھی ادائیگی ہو جاتی ہے، حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی سے اللہ کے حکم کی ادائیگی ہوگی اور اس طرح حقوق اللہ کے زمرے میں آئے گی اور یہ عبادت شمار ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا بھی نیکی ہے۔''

راستہ میں پڑا پتھر چونکہ مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے، اس لئے اس کے ہٹانے کو بھی حقوق اللہ کی ادائیگی سے منصور کر کے نیکی مانا جائے گا۔

حقوق اللہ میں مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۱۔توحید باری تعالیٰ
۲۔قیام صلوٰۃ یا عبادت
۳۔ادائیگی زکوٰۃ
۴۔اہتمام صیام
۵۔ادائیگی مناسک حج
۶۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر یا جہاد

اللہ تعالیٰ نے اپنی ترتیب میں حقوق العباد کو اپنے حقوق کی نسبت زیادہ اہمیت دی ہے، عام لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر برتری حاصل ہے اس لئے وہ نماز، روزہ کا کچھ اہتمام کر لیتے ہیں، لیکن حقوق العباد کی نگہداشت نہیں کرتے جس کے نتیجے میں عدل و احسان کا فقدان ہو جاتا ہے اور معاشرہ نفاق، انتشار، عدم اطمینان اور تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے، حقوق اللہ میں کوتاہی تو شاید اللہ تعالیٰ کی رحیمی و کریمی کے طفیل عفو و درگزر کی وجہ سے معاف ہو جائے لیکن حقوق العباد یعنی حقوق انسانی کے سلسلے میں کیے جانے والے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ بندے کا گناہ تو بندہ ہی معاف کر سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حوالے سے فرمایا۔

''کیا جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

''جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نہیں! مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حال میں ہو جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہوگی، روزہ بھی ہوگا، زکوٰۃ بھی ادا کی ہوگی اور حج بھی کر لیا ہوگا مگر وہ گناہ جو لوگوں کو گالیاں دے کر، غیبت کر کے یا کسی فرد کا حق مار کر مفاد اٹھایا ہوگا، وہ اسے کیسے جنت میں جانے دے گا، جس کا حق مارا ہوگا وہ اس کی نیکیاں لے کر جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس پر لوگوں کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے اور وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔'' اسی وجہ سے محسن انسانیت حضور

الانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بڑھ چڑھ کر نیکیاں کیا کرو اور کبھی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھو، چاہے ایک کھجور کا صدقہ ہی کیوں نہ ہو۔

حقوق العباد پر اللہ تعالیٰ کا زور اس لئے بھی ہے کہ حقوق العباد کی روگردانی سے خود بنی نوع انسان کو نقصان ہوتا ہے، عدل و توازن برقرار نہیں رہتا، ظلم پھیلتا ہے اور عفو و احسان سکڑتا ہے، اخوت و مساوات ختم ہوتی ہے اور ظاہر ہے ایسا ماحول جہنم سے کم نہیں ہے، اس لئے انسان کی جبلت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے جن کا کام تذکیہ نفس اور حکمت کی تعلیم تھا تاکہ خلافت ارضی پر مامور حضرت انسان کو فرائض خلافت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے تیار کر سکیں، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باہمی تعلق اور نجات اخروی میں ان کی اہمیت کو بخوبی واضح کر دیتا ہے۔

جنت میں لے جانے والے اعمال

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جنت میں لے جانے والے اعمال یہ ہیں۔''

اللہ کی عبادت ایسے خلوص سے کرو کہ اللہ کے سوا نہ صرف یہ کہ کسی غیر کی عبادت نہ کرو بلکہ اللہ کی جو عبادت کرو، اس میں شرکت غیر کا شائبہ تک نہ ہو، خالصتاً اللہ کی عبادت ہو اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے میل جول اور حسن سلوک کرو۔''

رزق حلال

ایک اور ارشاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار میں اٹا ہوا آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ربی ربی کہتا ہے، دعا کرتا ہے مگر اس کا کھانا، پینا، لباس اور نشو ونما سب حرام کی کمائی سے ہے تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔''

نیکی کیا ہے

حضرت وابصہ ابن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا۔

''تم پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے؟ اور گناہ کیا؟''

میں نے عرض کیا۔

''ہاں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں کو اٹھا کر اور میرے سینہ پر مار کر فرمایا۔

''اپنے آپ سے دریافت کر، اپنے دل سے دریافت کرو۔''

پھر فرمایا۔

''نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور اس کے دل کو اطمینان ہو جائے اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا ضمیر خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے سینہ میں شک پیدا ہو جائے۔''

جب ایک شخص کسی دوسرے شخص کے حقوق پر دست درازی کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی حفاظت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اگر وہ کسی کی جان لیتا ہے تو اس کی جان لے لی جاتی ہے، اگر وہ کسی کی

تہمت لگا کر بے عزتی کرتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے غیر معتبر ٹھہر جاتا ہے، اسی طرح کوئی محفوظ مال چراتا ہے تو گویا وہ اپنے بھائی کا حق مار کر جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے، غرضیکہ یہ سارے جرائم ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے خلاف ہوتے ہیں تو اس سے بندوں کا خالق متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، چنانچہ اسی وجہ سے اس نے معاشرے میں ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے حدود کا تعین کر دیا ہے جو قرآن و حدیث میں بیان کر دی گئی ہیں۔

حقوق نفس

نفس سے مراد انسانی جان ہے جو کہ شخصیت انسانی کی تمام ظاہری و باطنی کیفیات پر محیط ہے، لہٰذا نفس کے حقوق وہی ہوں گے جو انسان کے جسم اور اس کی روح کے حقوق ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے فرمایا۔

''بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے، تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا بلکہ اس طاقت کے مطابق اس کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا اور اس پر وہی ہے جو اس نے کیا۔'' (البقرہ۔۲)

اور قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہے۔

''اپنی جانوں اور اپنے اہل خانہ کی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ شعراء کی آیت ۲۱۴ نازل فرمائی کہ ''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ'' تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا۔

''اے گروہ قریش! اپنی جانوں کو (جہنم سے) بچالو، میں تم کو عذاب الٰہی سے ذرا بھی بچا نہ سکوں گا۔'' پھر آپ نے نام لے لے کر بنی عبد مناف، حضرت عباس بن عبد المطلب اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا۔

''میں آپ کو اللہ کی گرفت سے ذرا بھی نہ بچا سکوں گا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی سے کہا۔

''اے فاطمہ میری بیٹی! تم مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو لے لو مگر میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تمہیں ذرا بھی نہ بچا سکوں گا۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نادان! ہجرت بہت مشکل کام ہے تم اگر سمندروں کے اس پار رہتے ہوئے بھی نیک عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کا اجر تم کو مل کر رہے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔

''کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں اور کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتے ہو؟'' اس نے عرض کیا۔

''ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تو پھر زکوۃ ادا کرتے رہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب تم میں سے کوئی بستر پر جانے لگے تو اسے چاہیے کہ پہلے بستر کو جھاڑ لے، اسے نہیں معلوم کہ اس کے پیچھے اس پر کیا چیز آئی پھر کہے اے میرے مالک! میں تیرے ہی نام سے اپنا

پہلو بستر پر رکھ رہا ہوں اور تیرا ہی نام لے کر اسے بستر سے اٹھاؤں گا، اگر اس دوران تو میری روح قبض کرے تو اس پر رحم فرمائیو اور اگر تو اسے آزاد رکھے تو اس کی اس طرح حفاظت فرما جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔''

مسافر کے لئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سفر ایک طرح کا عذاب ہے، جس کی وجہ سے انسان کھانے، پینے اور سونے سے محروم رہتا ہے اس لئے مسافر کو چاہیے کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچنے میں جلدی کرے۔'' (بخاری ۱۹:۳۶)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ جلتی نہ چھوڑو۔'' (بخاری ۴۹:۷۹)

سوال نہ کرنا

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ انصار میں سے چند لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ طلب کیا آپ نے انہیں دے دیا، انہوں نے پھر مانگا آپ نے پھر عطا فرمایا حتیٰ کہ جو کچھ آپ کے پاس موجود تھا سب ختم ہو گیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

''میرے ہاں جو مال ہوتا ہے، میں اس کے دینے میں دریغ نہیں کرتا اور تم سے بچا کر نہیں رکھتا لیکن جو شخص سوال کرنے سے باز رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے صبر آسان کر دیتا ہے اور کسی کو کوئی عطائے الٰہی صبر سے زیادہ بہتر اور وسعت والی نہیں ملی۔'' (بخاری ۸:۲۵)

حیاء

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حیاء صرف بھلائی لاتی ہے۔'' (بخاری ۷۷:۷۸)

دیور سے پردہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عورتوں کے پاس جانے سے خود کو بچاؤ۔''

ایک انصاری نے دریافت کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! دیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دیور تو موت ہے۔'' (بخاری ۱۱:۹۷)

صدقہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کوئی شخص اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ دیتا ہے تو اللہ اسے بڑھاتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی شکل ہو جاتا ہے۔'' (بخاری ۲۳:۹۷)

گھر والوں پر خرچ

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مسلمان جب اپنے گھر والوں پر خرچ

کرتا ہے اور خرچ کرتے وقت ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ خرچ اس کا صدقہ بن جاتا ہے۔''
(بخاری ۱:۲۹۱)

صدقہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''انسانوں کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں ان میں سے ہر ایک پر صدقہ واجب ہے ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو دو آدمیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دینا بھی صدقہ ہے اور کسی کی مدد کرنا اس طرح کہ اسے اپنی سواری پر بٹھا کر اس کا سامان لاد کر منزل تک پہنچا دے یہ بھی صدقہ ہے اور کلمہ خیر یا اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو نماز کے لئے مسجد کو جاتے ہوئے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور راستے میں ایذا رساں چیز ہٹانا صدقہ ہے۔''
(بخاری ۵۶:۱۲۸)

سوال کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''انسان کا جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا کمر پر اٹھا کر لانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرے جو اسے کچھ دے یا انکار کر دے۔'' (بخاری ۳۴:۲۳)

دھوکا دینا

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''جب تم کچھ خریدو یا بیچو تو کہہ دیا کرو لاخلابہ'' (یعنی بلا کسی دھوکے کے عیب ذکر کر دیا کرو۔) (بخاری ۳۴:۴۸)

سود

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، کسی سے حسد نہ کرو اور نہ آپس میں بول چال بند کرو اور سب اللہ کے بندو ایک دوسرے کے بھائی بن کر زندگی گزارو اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے تعلقات یا بول چال ترک کرے۔'' (بخاری ۷۸:۵۷)

مسلمانوں کے حقوق

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور بھائی نہ تو اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو ظلم یا تکلیف میں مبتلا دیکھ سکتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کا کفیل ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی ایک مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکالیف میں سے ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔'' (بخاری ۴۶:۳)



انشاء نامہ



کچھ ٹکٹ کچھ امیدوار

ابن انشاء

ہم نے اس روز ریلوے کے ریٹائرڈ میر دلدار علی سندیلوی کا ذکر کیا تھا، جن کو صوبائی اسمبلی کے لئے کسی اور پارٹی کا ٹکٹ نہ ملا تو ریلوے کے ٹکٹ پر ہی کھڑے ہو گئے ہیں، یہ غالباً ریٹرن ٹکٹ ہو گا، جس میں فائدہ یہ ہے کہ آدمی اور کچھ نہیں تو اپنے گھر تو واپس آ سکتا ہے، دوسرے ٹکٹ والوں کا تو یہ دیکھا ہے کہ بعض اوقات نہ گھر کے رہتے ہیں، نہ گھاٹ کے، پروگرام میر صاحب قبلہ کا یہ ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مخلص کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں گے، میر صاحب کے طویل تجربے کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ واقعی کریں گے، لیکن انہیں کچھ اور چوکسی اور مستعدی دکھانے کی ضرورت ہے، یہ نہ ہو کہ مخلص کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے کرتے خود اتنے لیٹ ہو جائیں کہ گاڑی نکل چکی ہو پٹری چمک رہی ہو میر صاحب مذکور کی الیکشن مہم آج کل چھکا چھک جاری ہے، تقریر میں ایسا فراٹا بھرتے ہیں کہ بڑے بڑے جنکشن منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، بیچ میں فقط ایک آدھ جگہ رکتے ہیں، وہ بھی پانی لینے، یعنی پانی پینے کے لئے، ان کی ایک آدھ تقریر ہم نے بھی سنی ہے، فرمایا آپ نے۔

''حضرات! یہ دنیا مسافر خانہ ہے، ہم سب یہاں پسنجر کے موافق ہیں، بس جتنے دن زندگی کی گاڑی چلتی ہے، محبت اور اخوت کا سگنل ڈاؤن رکھنا چاہیے اور نفرت و عناد کو ہمیشہ لال جھنڈی دکھانی چاہیے۔''

غریب اور امیر کا ذکر کرتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ ''اس وقت ہمارے معاشرے میں بڑی ابتری ہے، فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے

لوگ تو عیش کی سیٹیاں بجاتے ہیں، ہم انٹر کلاس اور تھرڈ کلاس لوگ جوتیاں چٹخاتے ہیں۔"

حاضرین میں سے کسی نے نعرہ لگایا کہ اسلام خطرہ میں ہے، میر صاحب ترنت بولے۔

''اسلام خطرے میں نہیں ہے، بار بار خطرے کی زنجیر مت کھینچو، یہ قانون کے خلاف ہے، جرمانہ دینا پڑے گا۔''

ریلوے کا سنا تو ایک صاحب پی آئی اے کے ٹکٹ پر کھڑے ہو گئے، آج کل اس قسم کی تقریریں کر رہے ہیں۔

''لیڈیز اینڈ جنٹلمین! سلاما لیکم کیپٹن فلک آپ کو ایشتی پرواز 1970ء پر خوش آمدید کہتا ہے، اپنے حفاظتی بند باندھ لیجیے اور سگریٹ نوشی سے پرہیز کیجیے، ہم پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے اور خیالی پلاؤ کھاتے ہوئے انشاء اللہ مہینہ بھر میں اسمبلی چیمبر میں جا اتریں گے، راستے میں دائی طرف اچھرہ کا موڑ آئے گا اور بائیں ہاتھ لاڑکانہ کے چیلوں کے جھنڈ پڑیں گے، ہم ان کو بے نیازانہ دیکھتے ہوئے گزریں گے، امید ہے کہ آپ کا سفر خوش گوار گزرے گا، دھنیہ باد، شکریہ، تھینک یو۔''

ہوائی جہاز کا ٹکٹ حاصل کرنا ایسا آسان نہیں ریلوے کی کھڑکی پر بھی رش ہو جاتا ہے، لہٰذا ہمارے کرمافرما خان بنارس خان نے لانڈھی سے اومنی بس کے ٹکٹ پر کھڑے ہونا پسند کیا ہے، انہوں نے الیکشن کی مہم کا آغاز کرتے ہوئے اپنے کارکنوں کو اشارہ کیا ہے کہ جانے دو استاد، اپنی تقریر کا آغاز وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شعر سے کرتے ہیں۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

ان کا نعرہ ہے کہ ''ہارن دے کر پاس کریں'' اور تقریر کا انداز یہ ہے۔

''بائیو...... اوپر جاؤ، پائیدانوں پر مت کھڑے ہو، پاکٹ سے ہوشیار، آج کل ووٹ کترے بہت ہو گئے ہیں، ہاں تو بائیو، تم ام کو سیٹ پر بٹھاؤ، ام تم کو سیٹ پر بٹھائے گا، کسی کو کھڑا نہیں رکھے گا، ہمارے ہاں پارٹیاں بہت ہیں، لیکن سب دھواں چھوڑ رہی ہیں، سب کے نالی راڈ کھلنے والے ہیں، امیدواروں میں کسی کا بریک فیل ہے، جوں شروع کرتا ہے تو رکتے رکتے بھی آدھ گھنٹہ اور لگا دیتا ہے، کسی کی باڈی پرانی ہے، بعضوں کے تو سائلنسر بھی کام نہیں کرتے، جیسے ہمارے اوکاڑے والے مولوی صاحب کے، پس ام کو ووٹ دو، ارے! اٹھ کر کدھر جاتا ہے، ابھی ہمارا تقریر کہاں ختم ہوا ہے۔''

ہر بشر کو ہے یہ لازم صبر کرنا چاہیے
جب کھڑی ہو جائے گاڑی تب اترنا چاہیے

اتفاق سے ایک ٹکٹ ڈاک کا بھی ہوتا ہے، بابو محمد دین سابق پوسٹ ماسٹر کو اسی پر کھڑے ہونے میں سہولت نظر آئی، ان کی تقریر بھی ہم نے سنی ہے۔

''محترم حضرات! السلام علیکم، مزاج شرف، آپ سب کو ہمارا درجہ بدرجہ سلام پہنچے، ہمارے تھیلے میں باتیں تو بہت ہیں، لیکن شارٹ کر کے فقط چند ایک آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، یہ جتنے امیدوار ہیں سب کے دلوں میں مہریں لگی ہوئی ہیں، ان کی باتیں محض لفافہ ہیں، اندر کچھ بھی نہیں، کسی کا پتا نہیں کہ کب بیرنگ ہو جائے یا پوری قوم کو ڈیڈ لیٹر آفس میں دھکیل دے، ووٹر حضرات سے التماس ہے کہ میرے خط کو تار سمجھیں، یعنی میری...... گزارشات پر توجہ فرمائیں اور پولنگ کے روز اپنے ووٹ قریب ترین لیٹر بکس میں ڈال دیں، باقی سب خیریت ہے، والسلام۔''

متوالا کا نام آپ نے سنا ہوگا، فلمی دنیا کی مشہور شخصیت ہیں، یہ الیکشن میں کھڑے ہیں اور ان کے پاس سینما کا ٹکٹ ہے، یہ اپنی تقریر کا مکھڑا عموماً کسی فلمی گیت سے باندھتے ہیں، مثلاً۔

دل توڑنے والے دیکھ کے چل
ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

''حضرات! قوم کی خدمت کرنا آسان کام نہیں، لیکن میں یہ سوچ کر کھڑا ہو گیا ہوں کہ جب پیار کیا تو ڈرنا کیا اور چھپ چھپ آہیں بھرنا کیا، کھڑا ہونا میرا کام تھا، اب مجھے ممبر بنانا آپ کا کام ہے، یعنی اب تہاڈی عزت دا سوال اے۔''

''صاحبان! آپ کے پاس طرح طرح کا امیدوار آئے گا، طرح طرح کی ایکٹنگ کرے گا اور ڈائیلاگ بولے گا، ان سے ہوشیار، ان کے رونے گانے پر نہ جائیے، سب پہلے بیک ہے، خاکسار کی پوری عمر قوم کی خدمت میں ریہرسل کرتے گزری ہے، اب تو اسے قومی ہیرو بننے کا موقع ملنا چاہیے، آپ اس شیراں دے پتر شیر کو ووٹ نہ دیں گے تو اور کسے دیں گے؟''

ایک روز ان کے جلسے میں ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کوئی اعتراض کرنا چاہا، آپ نے فوراً آواز لگائی ''کٹ'' وہ وہیں بیٹھ گیا۔

خان شیر خان گاندھی گارڈن کے علاقے سے کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے پاس چڑیا گھر کا ٹکٹ ہے، ان کی تقریر بھی سننے کی ہوتی ہے۔

''صاحبان! آج کل ہر کوئی اپنی بولی بول رہا ہے، دھاڑ رہا ہے، چنگھاڑ رہا ہے، لیکن ہاتھی کی طرح ان کے لیے قربانی دینے کا وقت آئے تو سب کو سانپ سونگھ جائے گا، طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں گے، دم دبا کر بھاگ جائیں گے، یاد رکھیے! ان لوگوں کا آگا شیر کا ہے اور پیچھا بھیڑ کا ہے، بگلا بھگتوں کو ووٹ مت دیجیے، خاکسار کو دیجیے کہ شاہین را بلند است آشیانہ۔''

سب سے مختصر تقریر مرزا برکت اللہ بیگ کی ہوتی ہے، یہ لاٹری کے ٹکٹ پر کھڑے ہیں۔

''بھائی صاحبان! میں تو صرف اتنا کہوں گا مجھے ووٹ دیجیے اور اسمبلی میں پہنچا دیجیے، اس کے بعد میں آپ کی خدمت کرتا ہوں یا آپ کو دغا دیتا ہوں یہ آپ کی قسمت کی بات ہے۔''

(یہ کالم 1970ء میں لکھا گیا)

☆☆☆

دل گزیدہ

اُم مریم

ستائیسویں قسط کا خلاصہ

منیب چوہدری کے پاس حمدان کے نکاح کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا، مگر یہ قبولیت مجبوری کی ہے، وہ بہن سے خاص کر بھابھی سے بہت شرمندہ ہیں جو اس انکشاف اور شادی سے انکار کا سنتے ہی خفا ہو کر جا چکی ہیں۔

عباس حرم کو کھو کر حواس باختہ سا ہو رہا ہے، مگر اویس کی خوشخبری کہ کنیز اور شاہ زرے ان کے ساتھ آملی ہیں ان کے کھیل میں آسانی ہوگی اس کی پھر سے تقویت کا باعث بن جاتی ہے۔

قدر علی شیر کی ہدایت کے مطابق حمدان سے خود رابطہ کر کے ملنے کا کہتی ہے اس کے انکار پہ توہین وخجالت میں مبتلا اس سے الجھتی ہے تو حمدان کا جواب اسے سلگا کر رکھ دیتا ہے۔

آٹھائیسویں قسط	اب آپ آگے پڑھیئے



وہ گھبرا گیا، چکرا سا گیا، بہنوں کے سامنے شرمندگی کا انت حساب نہ رہا، جو اسے سوالیہ متفکر و متحیر نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔

''حجاب اور حرم...... میری چھوٹی بہنیں...... اور ڈیئر سسٹرز یہ قدر ہیں، قدر سلیمان خان۔''

وہ جتنا بھی خائف ہوا مگر اعتماد بحال کرنے میں بھی زیادہ وقت نہیں لگایا، ایسے انداز میں مسکرا کر شائستگی سے تعارف کا مرحلہ نبٹایا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سہی مگر قدر کو اپنی بدمزاجی بداخلاقی اور کھردرے پن کو چھوڑنا پڑا۔

''اوہو...... یوں کہیے نا...... ہماری بے حد سویٹ کیوٹ اینڈ سویٹ سی بھابھی، قدر سلیمان اب یہ کہاں رہیں، یہ تو قدر حمدان منصف کہلانا پسند کریں گی، کیوں بھابھی؟'' حجاب نے اللہ جانے وہ سب سنا نہیں تھا جو وہ بک چکی تھی یا پھر سن کر بھی خوب صورتی سے نظر انداز کرتے ایسے اخلاق نبھایا، ایسے والہانہ پن کا مظاہرہ کیا کہ وہ جواباً اگر تائید نہ کر سکی تو تردید سے بھی گریز برتا، اب اس کے تاثرات ایسے تھے گویا جان چھڑانا چاہ رہی ہو، الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں تو پھر جان چھڑانا ہی عقل مندی ہوا کرتی ہے، اس کے چہرے پہ بھی خفت کا تاثر تمتماہٹ پیدا کر رہا تھا، یہ احساس بھی کبرا تھا کہ اپنا امیج وہ اس شائستہ اطوار لڑکیوں کے سامنے خراب کر چکی ہے۔

''آئی تھینک آپ بھائی سے بہت محبت کرتی ہیں، جبھی انہیں کسی اور کے ساتھ دیکھنا آپ کو اتنا برا لگا، محبت میں انسان یونہی شدت پسند ہو جایا کرتا ہے۔''

حرم پہلی بار بولی تھی اور جو بولی تھی وہ قدر کو کیسے بھا سکتا تھا، چاہے جتنی بھی محبت سے اپنائیت وخلوص سے کہا گیا ہو، پیشانی شکنوں سے اٹ گئی، سرد مہری بہت واضح تھی، بہت گہری، حمدان بہت خاموش تھا اور اپنے فون پہ ایک دم ہی بہت مصروف نظر آنے لگا تھا، سب کو نظر انداز کیے بالخصوص قدر کو، اسے عجیب سی توہین محسوس ہوئی، لاشعوری طور پہ وہ اس کی خصوصیت سے توجہ کی توقع کر رہی تھی، اس سے زیادہ توجہ تو وہ تب دیتا تھا، جب کوئی تعلق واسطہ نہ تھا، اب تو...... قدر سلیمان جیسی نازک اندام بے حد حسین لڑکی اور یہ نظر اندازی، کوئی تال میل نہیں تھا، اس کی حیرانی وخفت کی وجہ بھی یہی تھی، کس مقصد سے آئی تھی، دھیان ادھر ہی جانب لگ گیا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔'' وہ ایکدم اکتا گئی، حمدان پہ پھر بھی فرق نہ پڑا، البتہ دونوں لڑکیاں ضرور بے چین ہوئیں۔

''ارے ایسے کیسے...... ہم تو بھائی کی جیب خالی کرانے نکلے ہیں، پہلے گفٹ بٹوریں گے پھر کھانا کھانا ہے، اچھا ہوا آپ ادھر مل گئیں، ورنہ ہم تو بھائی کو کہہ رہے تھے آپ کو بھی جوائن کریں، آپ کے بھی تو گفٹ لینے تھے۔'' حجاب نے بے حد محبت سے کہتے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، قدر کو یہ اپنائیت یہ محبت وخلوص کے مظاہرے ذرا پسند نہ آئے، فی الفور ہاتھ چھڑا لیا۔

''نو تھینکس...... بن بلائے مہمان بھی نہیں بنی میں۔'' یہ فقرہ خود بخود پھسل گیا اور ایسا کہتے نگاہ بھی حمدان کی سمت اٹھی تھی، وہ فون واپس کرتے کی جیب میں رکھ رہا تھا یوں تاثر دیا کچھ سنا نہیں ہے گویا۔

''ارے...... تو بھائی آپ کو کہہ دیتے ہیں، بھائی کہیں نا، ویسے بھابھی ایسے رشتوں میں ایسے تکلفات کی گنجائش تو بالکل نہیں نکلتی۔'' حجاب نے پہلے اسے تسلی دی پھر حمدان کو احساس دلایا ساتھ ہی اسے بھی کچھ سمجھانا چاہا تھا، قدر کی تیوری چڑھی۔

''بھابھی! مجھے آپ قدر کہہ سکتی ہیں، ڈونٹ کال می بھابھی۔'' اس کے نخوت سے کہنے پہ حجاب کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا، اس نے ایک نظر حمدان کی جانب دیکھا، جو ہونٹ بھینچے دانستہ دوسری سمت متوجہ تھا، ان سے لاتعلق نظر آتا ہوا، حجاب نے گہرا سانس بھرا، کاندھے اچکا دیئے۔

''او کے فائن...... ایز یو وش...... بہرحال آپ سے مل کر خوشی ہوئی قدر۔'' معاً خود کو سنبھال کر وہ نرمی سے مسکرانے لگی، قدر کا چہرا اب بھی سپاٹ رہا تھا۔

''اب چلیں...... میرا خیال ہے یوں سرراہ کھڑے ہونا مناسب بات نہیں۔'' بالآخر حمدان نے مداخلت کر دی تھی، وہ تائید طلب نظروں سے بھی دونوں بہنوں کو دیکھتا وہ قدر کو ایک بار پھر ایک احساس نے چھوا، یہ نظر اندازی کا توہین کا احساس تھا، ڈھلتی شام کے اس سے وہ مرجانے کی حد تک بےزاری واکتاہٹ کا شکار ہو چکی تھی، حجاب اور حرم نے فی الفور آمادگی ظاہر کر دی۔

''او کے قدر...... ٹیک کیئر...... آئی ہوپ آپ سے اب بہت خوب صورت موقع پہ جلد ملاقات ہوگی۔'' حجاب نے مصافحہ کرتے الوداعی انداز اپنایا، جواباً وہ مسکرائی تک نہیں اور ان سے پہلے آگے بڑھ گئی، حرم نے اسے تب تک دیکھا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی، اس کی نظروں سے عجیب سی فکرمندی چھلکتی تھی۔

''سلیمان خان کی بیٹی ہے، مغرور تو ہو گی، آخر کو اتنا بڑا نام ہے باپ کا، خان زادی کا طنطنہ کمال ہے، خان زادی واقعی خان زادی ہے، جب جی چاہا جس کو چاہا کرنٹ لگا دیا، چاہے کسی کا کرنٹ لگوانے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔''

حجاب نے اگر محسوس بھی کیا تھا وہ یہ سب ہلکا پھلکا لے رہی تھی، حمدان تب بھی خاموش تھا۔

''مگر خان صاحب تو بالکل مغرور نہیں، بھلے ان کی لک ایسی ہے، یعنی پراؤڈی نظر آتے ہیں مگر ہیں تو بہت سادہ اور عام لوگوں سے گھل مل جانے والے، یہ کس پہ چلی گئی، اتنی متکبر۔'' حرم کا تبصرہ مکمل تھا، حجاب ہنسنے لگی۔

''اس کی ماں کو مت بھولو، بہت بڑی ہستی تھی وہ اپنے دور کی، انگلستان کی شہزادی ہی سمجھو...... تو یہ پاکستان میں اس غرور کے ساتھ نہیں رہ سکتی، ہمیں تو اس سے دب کے ہی رہنا پڑے گا، بات تو بھائی کی ہے، خاصی ٹیڑھی کھیر ثابت ہو گی غالباً۔'' حجاب کن آنکھوں سے حمدان کو دیکھ رہی تھی، جو ہنوز لب بستہ تھا۔

''ان کے نصیب میں شاید ایسی ہی اکھڑ اور خر دماغ لڑکیاں لکھی ہیں۔'' حرم کا لہجہ متاسفانہ ہوا، وہ واقعی خوش نہ ہو پائی تھی، قدر سے مل کر۔

''خیر خیر...... اب تم اتنی پیاری لڑکی کو جس پر غرور بھی بجتا ہے کو اس واہیات شانزے سے کمپیئر نہ کرو پلیز۔''

حجاب تو بلبلا ہی اٹھی، شدید احتجاج کچھ ایسے انداز میں کیا کہ حرم بھی مسکرائے بغیر نہ رہی۔

''او کے ڈیئر بیسٹ سسٹر، نہیں کمپیئر کرتی، بس بھائی کے لئے اللہ سے خیریت کی دعا ضرور

مانگا کروں گی اب باقاعدہ۔'' اس کا انداز شرارت سمیٹ لایا، وہ حمدان کو چھیڑ رہی تھی گویا، جو بالکل چپ تھا۔

''کچھ آپ بھی تو بولیں بھائی، کیسے شوہر ثابت ہوں گے آپ؟۔'' وہ چلتے ہوئے ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے، فیملی کیبن میں چیئرز سنبھالتے ہوئے حجاب کو ہی شرارت سوجھی۔

''تھپلے لگ جائیں گے، اتنی سونی کڑی کے ہو کی، اوپر سے ہے بھی پسند کی۔'' آج تو حرم بھی فارم میں تھی، حمدان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، کچھ توقف کیا کہ ویٹر آرڈر لینے آ گیا تھا، باقاعدہ اصلاح اور رضامندی سے آرڈر دے کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں، میں کوئی دعویٰ نہیں کرنا چاہتا، جو ہوگا وہ وقت آنے پر ہر کوئی دیکھ لے گا۔''

جواب ایسا تھا کہ دونوں تائید میں مسکرائی تھیں، جبکہ وہ خود کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔

☆☆☆

محبت چار حرفوں کا صحیفہ ہے
محبت م سے ہے مرگ
ح سے حادثہ بھی ہے
ب سے بے کلی بھی ہے
اور ت سے تاج کانٹوں کا
اگر یہ مرگ ہے تو مرگ سے کسی کو مفر سوچو
جو اس کو حادثہ جانو تو اس سے کون بچ پایا
ب سے بے کلی تو بے کلی سانسوں پہ حاوی ہے
اگر یہ تاج کانٹوں کا
تو جس پہ بھی یہ سجتا ہے
وہ سر تن پر نہیں رہتا
محبت خون میں ڈوبا ہوا اک دشت ہے
یہ گہری رداسی ہے
محبت ہے دعا جیسی
محبت کربلا جیسی

مٹھیاں بھینچے ہونٹ چباتی وہ پورے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی، غصہ ایسا کہ فشار خون بڑھا رہا تھا، ابال اٹھ رہے تھے، پورے وجود میں وحشت کے۔

علی شیر سے جب بھی بات ہوتی وہ سیدھے منہ بات نہ کرتا، الٹے سیدھے مشورے دیتا، جن پہ ایک بار عمل کر کے ہی وہ پچھتا رہی تھی۔

''کیا سوچ رہا ہوگا وہ کہ میں اس پہ مرتی ہوں، اس سے ملنے کو مری جاتی ہوں، فون پہ بھی صلواتیں سنائی اور بہنوں کے ساتھ بھی کیسا اکڑا اکڑا تھا، جیسے میری پرواہ نہ ہو، اسے تو میں بتاؤں

گی پرواہ مجھے اس کی نہیں ہے، بلکہ...... بلکہ وہ میرے جوتے کی نوک پہ ہے۔''

''کیا کروں ایسا کہ اس کی یہ خود ساختہ بے حسی پاش پاش ہو جائے؟ کیا واقعی مجھے علی شیر کے کہنے کے مطابق اس سے طلاق کا مطالبہ کر دینا چاہیے۔''

اپنے فیصلوں کا ریشم اسے الجھائے پھرتا تھا، کم فہم تھی، نادان تھی، جذبات میں عقل استعمال کرنے کی عادت تو کبھی بھی نہ تھی، اب تو بالکل عقل سے پیدل ہو چکی تھی، پہلا غصہ ہی تمام نہ ہوا تھا، نفرت، وحشت، غصہ، انتقام، کیا کچھ نہ تھا اس کے دل و دماغ میں کہ ذہن کہیں ٹھہر نہ پا رہا تھا، معاً وہ کسی فیصلے پہ پہنچی تھی جیسے اور اپنا سیل فون ڈھونڈنے لگی، دوسری سمت اپنے کمرے میں سلیمان خان بھی کچھ ڈھونڈ رہے تھے، آیا ماں مدد کروا رہی تھیں۔

وارڈ روب کا نچلا خانہ بند کرتے وہ پیشانی مسلتے تھکے ہوئے انداز میں کچھ گویا ہوئے، آیا ماں سے سر ہلایا تھا اور پلٹ کر چلی گئیں، انہوں نے رخ پھیر کر وہیں کھڑے کھڑے لا کر سے برآمد ہونے والے اس جیولری باکس پہ نگاہ کی، بلیک مخملیں کیس جس کے اطراف سنہری سونے کی باریک نفیس مینا کاری کی گئی تھی، انہوں نے جانے کس جذبے کے تحت بڑھ کر کھولا، ڈھکن اٹھتے ہی گویا آنکھیں چندھیا گئیں، جواہرات سے مزین بھاری زیورات تھے اتنے نفیس کہ سالہا سال گزر جانے کے باوجود اپنی آب و تاب جگمگاہٹ اور دلکشی میں معمولی سا بھی فرق نہیں لائے۔

''بیٹے کی بجائے میری خواہش تھی بیٹی ہوتی صاحب!'' ابھی ماں بنی بھی نہ تھی کہ بیٹی کے حوالے سے ارمان دل میں جاگ اٹھے۔

''میرا برائیڈل ڈریس اور جیولری، پپا نے کروڑوں کی مالیت سے تیار کروائے تھے، ان پہ میرے بعد میری بیٹی کا ہی حق ہے، ہے نا۔''

سلیمان اس کی باتیں سن کر اکثر حیران رہ جاتے، انہیں یقین نہ آتا یہ وہی لڑکی ہے جو ہرگز عام نہ تھی، جس کی سوچیں، جس کا رہن سہن جس کا ہر انداز شاہانہ تھا، وہ ان سے بندھی تو کچھ کی کچھ ہو گئی، محبت اتنے غیر محسوس انداز میں اس کے اندر اتری تھی کہ صرف محبت باقی رہ گئی، باقی سب ختم ہوا، تمام ہوا۔

طنطنہ
نخوت
نازک اندامی
تمکنت
آن بان شان
بے نیازی

سب ختم ہو گئے تھے، رہ گئی تھی تو محبت کی اجارہ داری، محبت کی شہنشاہیت، بلکہ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو اس محبت نے اسے باندی بنا دیا تھا، غلامی پہ اکسایا تھا، کنیزوں کا روپ دیا تھا۔

''مجھ سے وعدہ کریں صاحب، ہماری بیٹی ہو تو اس کی شادی پہ آپ اسے یہی جیولری یہی

لباس پہنوائیں گے وعدہ کریں۔" وہ پتہ نہیں کیوں منت سماجت پہ اتر آئی تھی، کچھ ایسے کہ سلیمان جھنجھلا گئے۔

"یہ خواتین کے کام اور معاملات ہوتے ہیں خولہ، آپ خود سنبھالنا، مجھ پہ اور ذمہ داریاں کم ہیں، پلیز انہیں خود رکھوا گر ایسی جذباتی وابستگی ہے تو۔" جواب میں وہ کیسے یاس زدہ ہو گئی تھی، آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔

"دل کو عجیب دھڑکے لگے رہتے ہیں صاحب، کیا بتائیں کیسی گھبراہٹ ہے، خدشات نے نیندیں بھی چرا لیں، آپ کو کھو دینے کا احساس اتنا قوی ہے کہ بھوک پیاس کا بھی احساس نہیں ہونے دیتا، کبھی رہتی ہوں، ڈری رہتی ہوں، پتہ نہیں کیوں...... مگر لگتا ہے جدائی سہوں گی، عجیب واہمہ ہے سلیمان، میں اگر مر بھی گئی تو مر کے بھی آپ کے بغیر چین نہ پا سکوں گی۔" وہ اشک شوئی میں مصروف ہوئی، سلیمان کو کوفت ہونے لگی، اس کی ایسی باتیں انہیں ڈسٹرب کر دیا کرتی تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا بھئی، خواہ مخواہ وہم میں نہ پڑھو، تم بہت لمبی عمر جیو گی۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا، جواب میں وہ سینے سے لگ گئی، سسکنے لگی۔

"سلیمان! وعدہ کرنے میں کوئی حرج ہے؟ مجھے لمبی عمر نہیں چاہیے، بس ساری زندگی آپ کا ساتھ درکار ہے۔" سلیمان نے گہرا سانس بھرا، وعدہ کر لیا، اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

"یہ لیں صاحب بیٹے، صد شکر مل گیا، اس سے پہلے کہ آپا کو فون کرتے ان سے پوچھتے۔" تب ہی آیا ماں چلی آئیں، سانس چڑھی ہوئی، ہاتھ میں بڑا سا ڈبہ، یہ بھی سرمئی تھا، دیکھنے میں بہت خوبصورت، سلیمان چونک گئے، کسی نگری سے واپس لوٹے تو آنکھیں سرخ رو تھیں۔

"جزاک اللہ آیا ماں، آپ اب آرام کریں۔" سنبھل کر مسکراتے ہوئے انہوں نے ڈبہ ان کے ہاتھ سے لیا اور جیولری باکس کے ساتھ رکھ دیا، ان کی پھولی سانسیں دیکھ کر انہوں نے مزید کام ان سے کروانے کا ارادہ بدل دیا تھا، خود قدر کے کمرے کی جانب آ گئے۔

"تم اتنے ضدی کیوں ہو آخر؟ میری بات کیوں نہیں سنتے، جب کہا ہے کہ تم نہیں یہاں آؤ گے تو بات سمجھو، پپا اگر نہ بھی ہوں تو آیا ماں تو ہر وقت موجود ہوتی ہیں، ان سے کیسے چھپا سکتی ہوں میں خود آؤں گی جگہ بھی بتا دوں گی۔" دستک کو اٹھا ان کا ہاتھ واپس پہلو میں آ گرا، چہرے پہ عجیب تاثر ابھر آیا۔

"معاملہ بچی کا ہو تو پھر پتا کھڑکنے کی آواز بھی مشکوک کر دیا کرتی ہے۔" یہاں تو ساری بات چیت ہی مشکوک تھی، اندر جانے کی بجائے وہ وہیں سے پلٹے تو ماتھا شکنوں سے اٹا ہوا تھا، اضطراب اور خدشے دل میں جگہ بنانے کو مچلے جاتے۔

موسم بے حد خوشگوار ہو رہا تھا، سرمئی بادلوں کی ٹولیاں ادھر سے ادھر اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں، مگر ان کے اندر عجیب سے خدشے عجیب سے وہم سر اٹھانے لگے۔

قدر کس سے بات کر رہی تھی، وہ سمجھنے سے قاصر تھے، ایسی کون سی ملاقات تھی جسے وہ سب کی نظروں سے مخفی رکھنا چاہ رہی تھی، ان کے اندر سر اٹھاتا اضطراب گہرا ہونے لگا، ہوا تیز اور خنک ہو چلی تھی، پھریاں سی بھر رہی تھی، لان کی باؤنڈری وال کے ساتھ لگے انار اور خوبانی کے درختوں کی

شاخیں عجیب سرمستی کے عالم میں جھول رہی تھیں اور نیچے کیاریوں میں لگے خوش رنگ اور خوشبودار پھول سر اٹھائے کبھی جھولتی شاخوں کو دیکھتے کبھی آگے پیچھے جھومتے بادلوں کی طرف، انہوں نے نظریں اٹھا کر فون تلاشا، امانت امین تک پہنچانا جلدی اور پہنچانا ضروری ہو گیا تھا، اب اس کام میں معمولی سی بھی تاخیر نہیں چاہتے تھے، حالانکہ قدر کی ذہنی حالت کے پیش نظر انہوں نے اسے کچھ وقت دینے کا سوچا تھا، مگر اب اپنا ارادہ بدل دیا، ان کی انگلیاں منصف حمدان کا نمبر ملا رہی تھیں، رابطہ بحال ہونے پہ وہ رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے سلیقے سے تمہید باندھی۔

"ینگ مین میں ویٹ کر رہا تھا آپ اپنی فیملی کے ہمراہ آئیں گے، اس بہانے ملاقات ہو جائے گی، کیا بہت زیادہ مصروف ہیں آپ؟" بھلے ان کے انداز میں لہجے میں کسی قسم کا شکوہ یا پھر احساس کوتاہی نہیں تھا، اس کے باوجود دوسری جانب منصف حمدان ضرور شرمندگی وخفت سے بھر گیا، معذرت اور وضاحت کرتا جلد آنے کا وعدہ کر رہا تھا، سلیمان خان مطمئن ہوئے مگر یہ اطمینان حمدان کی جانب سے تھا، قدر کی طرف سے ہنوز متفکر اور مضطرب تھے۔

☆☆☆

سو قصے ہیں ملتے جلتے اک مجبوری ٹھیک نہیں
جو کہنا ہے کھل کے کہہ دو بات ادھوری ٹھیک نہیں
ہم محفل میں آئے ہیں وہ پیچھے جا کر بیٹھ گئے
ہم سے دوری اچھی ہے پر اتنی دوری ٹھیک نہیں
کوئی حیلہ کوئی بہانہ کوئی مناسب راہ نکال
مجھ سے ایسے ملتے رہنا غیر ضروری ٹھیک نہیں

وہ غیر حاضر ذہن کے ساتھ بیٹھا تھا، پہلے قدر پھر سر سلیمان کا فون آیا ہرگز معمولی بات نہ تھی، دونوں کے مطالبات بھی کچھ آسان نہ تھے، قدر پھر باہر ملنے پہ بضد تھی تو سر سلیمان نے فیملی سمیت دعوت دے ڈالی تھی، اسے اپنی کوتاہی کا احساس تھا بھی، نکاح کے بعد وہ کسی قسم کا بھی رابطہ ان سے بحال نہ کر پایا تھا، کیا سوچتے ہوں گے وہ بھی، اسے ندامت نے آن گھیرا، ذہن پھر قدر میں اٹکا۔

"آخر وہ کیا چاہتی ہے؟" اس پہ طرہ کہ وہ جگہ کا تعین بھی وہ خود کرے گی جہاں ملنا ہے، جو اس کا رویہ تھا اس سے کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہونا تو حماقت ہی تھی، ہاں پریشان ہوا جا سکتا تھا، فکر مند ضرور ہو سکتا تھا اور وہ ہو رہا تھا، جی بھر کے ہو رہا تھا، اپنے آفس میں موجود وہ لاشعوری طور پہ اس کے اگلے فون کا منتظر تھا کہ فون کی بجائے وہ خود آ گئی، کرنے کو تو وہ کچھ بھی کر سکتی تھی مگر اس حد تک بھی کر سکتی تھی یہ اس کے گمان تک بھی نہ تھا، کانسٹیبل نے جس وقت آ کر یہ اطلاع دی کہ کوئی لڑکی اس سے ملنے کی خواہاں ہے تو حمدان منصف کے ذہن کے کسی حصے میں بھی اس کے متعلق گمان نہ تھا، مگر جب وہ اس کے سامنے آئی تو مضبوط اعصاب کا مالک ہونے کے باوجود وہ اس اچانک سامنے کے جھٹکے سے خود کو نکال نہ سکا اور ٹھکا رہ گیا، بنا پلکیں جھپکے بغیر اس حد سے زیادہ پُراعتماد مگر غصیلی لڑکی کو دیکھتا وہ حرکت کرنے کے بھی قابل نہ رہا تھا، قدر نے اس کی نظروں کے اس ارتکاز کو شدت سے ناگواری سے محسوس کیا اور ٹیبل اپنی انگشت شہادت سے بجا کر گویا اسے ہوش

میں لانا چاہا۔

”سنا تھا سول سروسز میں موجود لوگ حرام کھاتے ہیں سارا دن ویلے رہ کر، آج آنکھوں سے دیکھ بھی لیا، کوئی کام نہیں ہے آپ کو تو آنے والوں کو ایسے احمقوں کی طرح گھورنے کا کام بھی ترک کر دو۔“ نخوت سے ناک چڑھا کر کہتی وہ اپنی برہمی ظاہر کر رہی تھی، حمدان نہ صرف سنبھلا بلکہ آفس میں موجود دونوں سپاہیوں اور سب انسپکٹر کو بھی وہاں سے جانے کا اشارہ کرتا کسی طرح بھی اپنی تئی پہ قابو نہ رکھ سکا۔

”آپ کو کس نے کہا تھا یہاں آنے کو؟“ اس کا لہجہ انتہا سے زیادہ خشک اور سرد تھا مگر قدر خاطر میں لانے والی ہی کب تھی۔

”میں اپنی مرضی کی مالک ہوں ہمیشہ سے، تم کون ہوتے ہو مجھے یہ بات کہنے والے؟“ جواباً اس کے چتون تیکھے ہوئے، حمدان نے ہونٹ بھینچ لئے، اس کے اندر بگولے اٹھنے لگے تھے۔

”سر کو معلوم ہے کہ آپ یہ سب کرتی پھرتی ہیں، یقیناً نہیں۔“ خود پہ ضبط کر کے سوال کرتا ہوا وہ طنز بھرے انداز میں اسے دیکھنے لگا، قدر دل جلانے والے انداز میں مسکرائی، حقارت سے اسے دیکھا۔

”جو کچھ انہوں نے بگاڑا ہے اس کے سدھارنے کو سرگرم ہوں گی تو انہیں کیونکر علم ہونے دوں گی، یہ تو سراسر حماقت ہو گی، تم جیسے احمق ہی مجھ سے ایسی توقع رکھ سکتے ہیں۔“ حمدان کو ایک بار پھر خود پہ ضبط کرنا پڑا، اسے سمجھ میں آئی یہ لڑکی کسی بھی وقت اس جیسے بندے کو بھی کنٹرول سے باہر بہت آسانی سے کر سکتی ہے۔

”طنز پہ وقت ضائع کرنے کی بجائے بہتر ہو گا آپ اپنی آمد کی زحمت کے متعلق آگاہ کریں خاتون...... تو زیادہ بہتر نہ ہو گا۔“ حمدان کا لہجہ جواباً نخوت سمیٹ لایا، خاتون لفظ نے اسے آگ تو بہت لگائی مگر اس وقت وہ جلنے نہیں جلانے آئی تھی، جبھی بے ساختہ ہنسی بڑی کاٹ دار تھی یہ ہنسی۔

”دیکھا...... آ گئے نا خود ہی لائن پہ۔“ وہ گویا حظ لے رہی تھی، حمدان اسے خاموش نظروں سے ایسے دیکھتا رہا گویا اس کی حماقتوں کے سلسلے کو دراز ہوتا محسوس کرتا اس پہ ترس کھا رہا ہو۔

”تمہیں کیسا لگے منصف حمدان اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ جس لڑکی کو تمہارے نکاح میں زبردستی دیا گیا، وہ تمہیں پسند کرنا تو دور کی بات تم سے نفرت بھی کرتی ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ وہ کسی اور سے شدید محبت میں مبتلا ہے، بتاؤ کیسا لگے؟“ اس کے لہجے میں اس کے چہرے پہ کیا کچھ نہ تھا، تضحیک، طنز اور تمسخر، حمدان بالکل نارمل رہا، البتہ آنکھوں سے تپش پھوٹنے لگی تھی۔

”یہ بات ہرگز اتنی اہم اور خاص نہیں کہ اس کا جواب ضروری سمجھوں، اگلی اور مقصد کی بات کرو، وہ جو کہنے آئی ہو۔“ خشک سپاٹ لہجہ سرد آواز، قدر کو اس سے ایسے جواب ایسے ریپانس کی توقع کہاں تھی جبھی خفت سے بھر گئی، جھنجھلا گئی، موسم بے حد خوشگوار تھا، بے حد خنک ہوا چل رہی تھی، آسمان پہ بادل نہیں تھے مگر ان کے ہونے کا احساس موجود تھا۔

”میری نسبت طے ہو چکی تھی، میرے کزن سے، میں اس سے محبت......“

”میں نے کہا مقصد کی بات کرو۔“ اب کے وہ اسے جھڑک کر ڈپٹ کر بولا، قدر کا چہرا سرخ

پڑ گیا، دل غصیلے جذبات سے بھر گیا، وہ تو سچ مچ ہی اس کا شوہر بن بیٹھا تھا، ایسے ہی حکم چلا رہا تھا، ایسے ہی رعب جما رہا تھا، اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، ہر طرف جو نیالی روشنی پھیلی تھی، اس میں اچانک مشرق کی طرف سے آندھی کے بگولے اٹھنے لگے، یہ بگولے اتنی تیزی سے پھیلے کہ ہوا اور روشنی اس کے دامن میں گم ہونے لگے۔

”مجھے تم سے طلاق چاہیے منصف حمدان۔“ اچانک بجلی کا زور دار کڑاکا ہوا اور ہر طرف گھنگھور اندھیرا چھا گیا، اس نے ایک ایک لفظ چبایا، حمدان کا چہرہ سپاٹ رہا، ایسے گویا پہلے ہی اس مطالبے سے آگاہ ہو، اس فرمائش یا حکم جو بھی تھا ماننے کے لئے تیار ہو، اب تڑ تڑ بارش برسنے کی آواز بھی آنے لگی، منصف حمدان نے سامنے کرسی پہ بیٹھی اس ضدی اکھڑ اور سرکش لڑکی کو دیکھا، دوپٹہ جس کے شانے سے ڈھلکا ہوا تھا بال پونی سے نکل کر بکھر رہے تھے، کچی عمر کی معصومیت چہرے پہ بکھری ہوئی تھی مگر انداز و اطوار مختلف تھے ظاہر سے میل نہ کھاتے تھے۔

”تمہیں یہ اسٹائل سوٹ کرتا ہے قدر سلیمان خان، حسن میں نخرہ نہ ہو جو عاشق میں تڑپ پیدا نہ کر سکے بالکل مزا نہیں دیتا مگر خان زادی، میں چونکہ عاشق نہیں ہوں تو میری انسپائریشن بھی یہ سب نہیں ہو سکتی، میں محبت سے زیادہ عزت کا خواہاں ہوں، عزت کو ترجیح دینے والا بندہ ہوں، اگر تم محبت سے پیش نہ بھی آتیں مگر عزت کا برتاؤ جانتی ہوتیں تو میں ضرور کچھ اور سوچتا، محبت تو پانی کا بلبلہ، جو ایک وقت کے بعد ناپید ہو جاتا ہے، بس رسم اور ضرورت رہ جاتی ہے، محبت قیمتی ہے مگر عزت انمول ہوتی ہے، میں سمجھتا ہوں اگر عزت نہیں تو کچھ بھی نہیں، سو آپ کا مطالبہ پورا کرنے میں مجھے بالکل عار نہیں ہے، بے فکر ہو کر تشریف لے جائیے، آپ کو حسب خواہش شے مل جائے گی۔“

جواب طویل تھا، تسلی بخش بھی ہو سکتا تھا اگر وہ اس سے ایسے جواب اتنی سہولت سے مان جانے کی توقع رکھتی تو پھر...... وہ تو ہونق ہو گئی تھی بالکل، جبکہ وہ کتنا نارمل تھا جیسے معمول کا کوئی کیس نپٹا کر فائل بند کی ہو، اب اگلا مرحلہ درپیش ہو پوری جانفشانی سے اس میں جت جائے، وہ اپنے سپاہی کو پکار رہا تھا، معاً اچانک اس کی سمت متوجہ ہوا، جو گم صم کیفیت میں اسی زاویے پہ ساکن بیٹھی تھی، وہ طنطنہ وہ غرور غائب تھا۔

”اپنے پردے کا خیال کریں، تھانہ کچہری اور عدالت ایسی جگہیں ہیں جہاں عزت دار لوگ آنا پسند نہیں کرتے کہ ماحول ہی ایسا بنا دیا گیا ہے، خواتین باعث مجبوری تشریف لائیں تو پردے کا خصوصی اہتمام کرتی ہیں، آپ کا تعلق تو بہت باعزت اور معزز گھرانے سے ہے سو پلیز۔“

ایک بار پھر بات طویل تھی مگر اس بیگانے اجنبی اور سرد انداز میں کہ اسے جتنا بھی چبھی مگر خفت سے بھی بھر گئی، وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، دوپٹہ سنبھال کر زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

”تم خود کو کیا سمجھتے ہو، بہت اونچی شے؟ مگر میں بتاؤں کہ تم میری جوتی کی نوک پہ ہو، سمجھے؟“ وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکی، ہذیانی انداز میں چلا اٹھی، ایسی ہتک کا تو تصور بھی آس پاس نہ تھا، وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا، یاد کروانا ضروری تھی، حمدان نے اسے دھیان سے دیکھا، سرخ رنگت پہ نگاہ کی، دھیما سا مسکرایا۔

”کیوں مشقت میں ڈالتی ہیں اپنی ننھی سی جان کو خان زادی، میرا مقصد ہرگز بھی کسی لحاظ سے آپ پہ اپنی برتری ثابت کرنا نہیں ہے، سو بالکل ریلیکس رہیں، سرمد خان بی بی کو عزت و احترام کے ساتھ ان کی منزل تک پہنچا آؤ باہر ویٹ کرو ان کے باہر آنے تک۔“ اس کا جواب دے کر وہ اندر آنے والے سپاہی کی سمت متوجہ ہو گیا، قدر کا چہرہ سرخ ہو گیا، سپاہی سیلوٹ کر کے پھر نکل گیا، وہ اسے گھورتی رہی، جو اسے ہاتھ کے اشارے سے تشریف لے جانے کا کہہ رہا تھا، بجلی کا کڑاکا ایک بار پھر گونجا، بارش کی رفتار میں بھی شدت آ گئی۔

”تم کتنے غیرت مند ہو، اس کا اندازہ میں ابھی کر پائی ہوں اچھی طرح، تمہیں نہ ہو ٹرسٹ کسی غیر محرم پہ مگر میں ایسے تربیت نہیں رکھتی، اپنے ساتھی سے کہو زحمت نہ کرے، میں اکیلی جا سکتی ہوں، ہاں البتہ تمہارے آزادی کے پروانے کی شدت سے منتظر رہوں گی۔“ وہ ایک جھٹکے سے پلٹی اور باہر نکل گئی، حمدان چند ثانیے ساکن کھڑا رہا، گویا اس کے الفاظ پہ غور کر رہا ہو، پھر سر جھٹک دیا تھا، باہر ہنوز بارش برس رہی تھی، بجلیاں چمکتی تھیں۔

☆☆☆

کتنا شریف شخص ہے
بیوی پہ فدا ہے
اس پہ کمال یہ کہ
اپنی پہ فدا ہے

اسے بھی کا پڑھا شعر یاد آیا اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ مچل گئی، یہ صبح خنک سی پھوٹ رہی تھی، اس کی سرکاری رہائش گاہ کے سبزہ زار کی گھاس دن بھر ہونے والی بارش کے باعث بھیگ کر مزید سرسبز ہو گئی تھی، رات جب وہ گھر لوٹا تو بارش بھلے رک چکی تھی مگر منظر ابھی بھی گیلے تھے، رات گہری اور تاریک اور چپ تھی، ہر طرف خاموش سناٹا اور اندھیرا تھا، جو طعنہ وہ جاتے جاتے دے کر گئی تھی وقتی طور پر سر جھٹک کر وہ لاتعلق نہ رہ سکا، جبھی اس کے پیچھے خود آیا تھا تو وہ کانسٹیبل سرمد خان کو جھاڑنے میں مصروف تھی۔

”اپنے صاحب سے کہہ دینا، میں کسی کا احسان نہیں لیا کرتی، اس کا تو بالکل گوارا نہ کروں گی اب جاؤ۔“ بھیگتی بارش میں بھاگتی وہ تھانے کی عمارت سے نکل کر پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف جا رہی تھی، حمدان نے سرمد کو اشارے سے وہاں سے ہٹایا اور خود اس کے پیچھے لپکا۔

”اس طرح بیٹھو تم، گاڑی میں خود ڈرائیو کروں گا۔“ وہ تو اس کی آمد سے لاعلم تھی، کہاں اس کا کلائی پکڑ کر ڈرائیونگ سیٹ سے فرنٹ ڈور کی جانب کرنا اسے چونکانے کے بعد تپانے کا باعث بن گیا۔

”محترم! تمہیں کس نے یہ خوش فہمی دلائی کہ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ وہ اتنا چڑی تھی کہ اس پہ چڑھ دوڑی، حمدان نے مطلق پرواہ نہ کی اور یونہی کلائی جکڑے فرنٹ ڈور کی جانب کھینچ لایا تو وہ سخت احتجاج پہ اتر آئی۔

”چھوڑو..... یہ کیا بدتمیزی ہے آخر۔“

”جب کوئی تعلق نہیں تھا اگر اس وقت اس عارضی سہارے کو قبول کر لیا تھا تو اب عارضی سہی مگر تعلق مضبوط ضرور ہے، اس سہارے کا حق رکھتا ہوں، مزاحمت فضول ہے، آرام سے بیٹھیں، گھر تک چھوڑوں گا بس اور کوئی خاص ارادہ یا منصوبہ نہیں بنایا۔“ الفاظ کا چناؤ اور چٹانی لہجہ قدر کو آگ لگانے کا باعث بنا، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”تم میں اتنی ہمت اتنی جرأت ہے بھی نہیں کہ کوئی اور منصوبہ بنا سکو، مگر سن لو مجھے پھر بھی تمہارے ساتھ نہیں جانا۔“ وہ حلق پھاڑ کر غرائی، حمدان نے اب کی بار اسے زبردستی ایک قسم کا اٹھا کر گاڑی میں پھینکا اور دروازہ بھی لاکڈ کر دیا، خود دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی، اس دوران اچھا خاصا بارش میں بھیگ گیا تھا، گہرا سانس بھرتے سر کے گیلے بال جھاڑے۔

”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، چیلنج نہ کریں ایسا نہ ہو جذبات میں الٹا سیدھا قدم اٹھا لوں اور آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں، کیونکہ رسم موقع بھی ہے دنیا بھی ہے، دستور بھی ہے، یعنی آپ سے جائز تعلق بھی ہے، حق بھی رکھتا ہوں اور آپ کا حسن اس وقت جذبوں میں آگ بھڑکا رہا ہے اور موسم بھی بے ایمانی پہ اکسا سکتا ہے۔“ اس کی جانب متوجہ ہوا تو اس کے بھیگے بھیگے لاپرواہ حسن کو دیکھتا از خود بہکتا چلا گیا، چاہے یہ بہکنا نظروں اور الفاظوں تک ہی محدود رہا تھا مگر قدر کو ضرور حجاب اور سنسنی کے احساس سے لبریز کر گیا، اس نے خود پہ اس لاپرواہی پہ نظریں بھیجی اور گھبرا کر کانپتے ہاتھوں سے دوپٹہ درست کرنے لگی، حمدان گاڑی اسٹارٹ ضرور کر رہا تھا، مگر توجہ جیسے اسی پہ تھی، اس کی اس گھبراہٹ سے محظوظ ضرور ہوا، اس کا سرخ و سفید اجلا چہرا خون کی حدت سے جیسے دہک اٹھا تھا، صبیح دودھیا چہرے پہ بارش کے ننھے ننھے قطرے ہوتیوں کی طرح جگمگا رہے تھے، سانسوں کا زیروبم اس کی اندورنی اضطرابی کیفیت کا پتا دیتا تھا۔

”اپنی بکواس بند رکھو سمجھے۔“ اس کی پلکوں کی طرح اس کی آواز بھی کانپنے لگی، حمدان دھیمے سروں میں ہنس دیا۔

کتنا شریف شخص ہے بیوی پہ فدا ہے
اس پہ کمال یہ کہ اپنی پہ فدا ہے

”اگر یہ کہوں تو آپ یقین کیا خاک کریں گی۔“ گاڑی کو بارش کے کھڑے پانی سے احتیاط سے نکالتا ہوا، وہ عجیب سے انداز میں گویا ہوا، قدر کچھ نہ بولی، ہونٹ بھینچے باہر بھیگتے منظر دیکھتی رہی، حمدان کے اندر عجیب سا احساس زیاں امڈ آیا، اس کے خیرہ کر دینے والے حسن کو حسرت بھری نگاہ سے تکتے اس نے سرد آہ بھری۔

”مگر آپ تو فیصلہ کر بیٹھی ہیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“ اس نے پھر سرد آہ بھری اور زیر لب گنگنانے لگا۔

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزر پاتی تو شاداب بھی ہو سکتی تھی

اس کی آواز اتنی بھی مدھم نہ تھی کہ چند انچ کے فاصلے پہ موجود قدر تک نہ پہنچتی، اس نے چونک

کر پلٹ کر دیکھا، حمدان متوجہ بھی تھا، ایک لمحے کو نگاہ چار ہوئی اور جیسے کوئی جھما کا ہوا، وہ جیسے اندر تک ہل گیا، قدر بھی خائف انداز میں رخ پھیر گئی۔

یہ تیرگی جو میری زیست کا مقدر ہے
تیری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی
عجیب نہ تھا کہ میں بیگانہ عالم ہو کر
تیرے جمال کی رعنائیوں میں کھو جاتا
تیرا گداز بدن تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسن فسانوں میں محو ہو جاتا
پکارتیں جب جب بھی مجھے تلخیاں اس دنیا کی
تیری نظر سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
گھنیری زلفوں کے سائے میں چھپ کے جی لیتا
مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں تیرا غم تیری جستجو بھی نہیں
گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو ہی نہیں
زمانے بھر کے دکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی راہ گزاروں سے
مہیب سائے میری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات دعوت کے پرہول خار زاروں سے
نہ کوئی منزل نہ جادو نہ جستجو کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں اے میری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے

وہ خاموش ہوا تو بارش اور طوفان کی آواز پہ غلبہ پاتی اس کی آواز کا جادو بھی ٹوٹ کر بکھر گیا، بارش کی سرتال پھر سر چڑھ کر بولنے لگی، گاڑی اسی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی، قدر عجیب سے احساسات کے ہمراہ ہنوز کھڑکی سے باہر سڑکوں کو بھیگتا دیکھتی اور روشنی تلاشتی تھی، شاید لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے اتنا اندھیرا ہو گیا تھا، کہیں کہیں کوئی ٹمٹماتی روشنی ایک لمحے کو دکھائی پڑتی اور پلک جھپکنے میں اندھیرے کی چادر میں جا سمائی، جس کی وجہ سے اندھیرا کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا، گاڑی کے اندر جلتی لائٹ بھی کسی قبر پہ جلتے دیے کی مانند تھی، پیلی...... زردی سی، بدقوق سی...... معاً بجلی کا کڑاکا ہوا، اتنی شدت سے اتنی زور سے کہ کمزور دل قدر بھلا کیسے خود پہ قابو رکھتی، نتیجہ بہت برا تھا، وہ قریب ترین سہارے میں پناہ لے چکی تھی اور وہ جیتا جاگتا جذبات رکھنے والا حمدان منصف تھا،

اس اچانک حملے کو تیار نہ تھا، نم لو دیتا گداز کم سن سراپا، جوانی کی ہر دلکشی سے لبریز، اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پہ بہک گئے گاڑی بری طرح ڈگمگا گئی، بجلی کی کڑک پہ چیخنے والی قدر اب گاڑی کے توازن کھو دینے پہ پھر چلائی۔

''سبحان اللہ...... میم اگر ایسے حسین اتفاق کا ارادہ تھا تو کم از کم ہلکا پھلکا سگنل ہی پہلے دے دیا ہوتا، تاکہ میں نہ صرف تیار رہتا بلکہ انجوائے بھی کر سکتا۔'' بظاہر وہ نروٹھے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا، منہ بنا رہا تھا مگر تاثرات گواہ تھے اندر تک گل و گلزار ہو چکا ہے، قدر اس بے اختیاری پہ کیا خفت زدہ تھی جو ان الفاظ پہ توہین کے گہرے احساس سے اس کا چہرا سرخ ہوا، تمتمایا، گویا بھک سے اڑ گئی۔

''شٹ اپ! تم جیسے گھٹیا سوچ رکھنے والے انسان سے ایسی بات کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔'' اس کا انداز ملامتی تھا، حمدان عجب انداز میں ہنسا تھا، بارش ابھی بھی ہو رہی تھی، بادل گرج رہے تھے، دور کہیں بجلی بھی چمک رہی تھی۔

''قدر بی بی یہ گھٹیا سوچ ایک مرد کی نہیں ایک شوہر کی ہے اور بالکل فطری ہے...... ہاہ...... چند لمحوں کی قربت نے برسوں کی دوری مٹا دی ہے، جس دل میں کوئی احساس نہ تھا اس میں محبت جگا دی ہے اور اس میں سارا آپ کا قصور ہے خان زادی، ورنہ میں بیچارا تو آپ گواہ ہیں طلاق دینے پہ بھی کتنی آسانی سے آمادہ ہو گیا تھا، جبکہ اب چاہتا ہوں کاش پہلے سے زیادہ زور سے بادل گرجیں بجلی کڑکے اور آپ پھر سے میرے قریب آ جائیں، کیا لطف ہے لطف آ جائے زندگی میں۔'' وہ پتا نہیں کیا کچھ بک رہا تھا اور جن وارفتہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا قدر کا دل کیا اس کی آنکھیں نوچ لے۔

''یہ...... کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ اندر سے جتنی بھی خائف ہوئی ہو مگر بظاہر تنک کر بولی، جواباً حمدان نے عاشقانہ سی سرد آہ بھری تھی، مخمور نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ وہ بدتمیزی ہے، میری جان جو ہر شوہر اپنی بیوی سے کرتا ہے، اب مجھے بتاؤ، اگر مجھ تم سے محبت ہو گئی تو میں کیسے رہوں گا تمہارے بغیر، جبکہ تم طلاق کا مطالبہ بھی کرتی ہو۔'' وہ ہرگز سنجیدہ نہیں تھا، مگر ہر ہر لحظہ لطف اندوز ہو رہا تھا، اس کی آواز میں انوکھی سی چہکار تھی، قدر نے بے حد خفگی سمیت چہرے کا رخ پھیر لیا۔

''اس کا بہترین حل یہ ہو گا کہ تم خودکشی کر لینا۔'' وہ پھنکاری، حمدان جانے کیوں ہنسنے لگا۔

''اب تو ایسا نہیں کروں گا، کروں گا تو کچھ اور کروں گا، پتا ہے کیا؟'' وہ اس پہ جھکا، سرگوشی میں رازدارنہ انداز میں سوال کیا، قدر دھک سے رہ گئی، پیچھے کی جانب سرکی، نگاہوں سے خوف چھلکنے لگا۔

جس دن میں بغاوت پہ اترا
اٹھا لاؤں گا اپنی شہزادی

''یعنی تمہیں۔'' اس کی آنکھوں میں گھس کر وضاحت ضروری سمجھی، قدر خائف سی اور پیچھے ہوئی۔

''تمہیں ڈر نہیں لگ رہا ہے مجھ سے؟'' اس نے کچھ توقف کیا اس کی خاموشی اس کی گھبراہٹ

سے حظ لیا اور بولا تھا۔
''کہ میں تمہیں کہیں اور لے جاؤں، تمہارے گھر کے سوا، کہیں بھی جہاں بس ہم دونوں، پیار کا رقص ہو اور......''
''میں پہلے کہہ چکی ہوں تم ایسی جرأت نہیں رکھتے۔'' وہ دبے بغیر پھنکاری، حمدان کا موڈ آف ہوا۔
''تمہاری ایسی باتیں مجھے کچھ بھی غلط کرنے پہ اکسا رہی ہیں، میرے رحم و کرم پہ ہی ہو تم بہر حال۔'' وہ موڈ بدل کر سرد انداز میں غرایا تو قدر کا چہرا متغیر ہو گیا، تیزی سے پلکیں جھپکتی وہ خود کو با اعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کرتی آنکھوں میں آئی نمی کو پلکوں سے اندر رکھنے میں ادھر اُدھر دیکھتے یونہی کھانسنے لگی۔
''تمہارا کیا خیال ہے کہ تم جیسی حسین ترین لڑکی اتنی آسانی و سہولت سے میسر ہو اور اسے ایسے ہی لاپروائی میں چھوڑ بھی دیا جائے، کوئی با ہوش ایسی حماقت کر سکتا ہے؟'' بارش اچانک اور تیز ہو گئی، گھنیرے بادل اور گرج گرج کر برسنے لگے، اب کے وہ بالکل گھبرا گئی، رنگ اڑ گیا، بادلوں کی گرج سے الگ دل دہل رہا تھا۔
''ڈرو نہیں، بالکل مت ڈرو، میں ابھی کی بات نہیں کر رہا، ابھی کچھ نہیں کر رہا، مگر میں تمہیں اتنی سہولت سے چھوڑوں گا بھی نہیں، یہ بندھن سر نے باندھا تھا، ان کے اعتماد کو ٹھیس کیسے پہنچا دوں بھلا؟'' قدر کا منہ کھل گیا، طیش سے مٹھیاں بھنچ گئیں۔
''گھٹیا کمینے انسان، تم اپنے وعدے سے مکر گئے ہو؟'' وہ چیخ پڑی، طیش ایسا کہ اس کا سر پھاڑنے سے گریز نہ کرتی۔
''کون سا وعدہ؟'' وہ معصوم سا بن کر سوال داغ رہا تھا۔
''وہی...... جو طلاق کا کچھ دیر قبل کیا۔'' قدر روہانسی ہو کر یاد دلانے لگی، حمدان بے ساختہ ہنسا۔
''قصور تمہارا ہے، تم نے ابھی کچھ دیر قبل اپنی نسوانیت اپنی دلکشی کا احساس دلا کر مجھے مکرنے پہ مجبور کر دیا ہے۔'' اس کی بیچارگی بھی کمال کی تھی، قدر دانت بھینچے اسے گھورتی رہی تھی، چہرے سے بے بسی کا گہرا احساس ٹپکنے لگا جس میں اس کی بے حجابی اور معنی خیزی نے سرخی بھی چھلکا دی۔
''ویسے میں اس امر پہ دوبارہ غور و غوض کر سکتا ہوں اگر تم......'' اس نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑا، اس کی بے تابی کو ہوا دی۔
''کیا...... بولو؟'' وہ بے صبری سے سوال کر گئی، حمدان شرارت سے مسکایا، اسے آنکھ ماری۔
''اگر تم ایک بار پھر مجھے وہ شرف بخشو، یعنی خود سے میرے سینے سے لگو تو......'' اور وہ کتنی سیخ پا ہو گئی تھی، بس نہ چلتا تھا، اسے قتل کر ڈالے، گالیاں کوسنے جتنے دے سکتی تھی دیئے۔
''اللہ کرے تم مر جاؤ، میری جان چھوٹ جائے تم سے۔'' وہ کیسے کرلائی تھی، حمدان نے بے اختیار گہرا سانس بھرا۔
''ہاں یہ بالکل صحیح سوچ ہے، ورنہ تو کوئی تمہاری کوشش تمہیں مجھ سے نجات نہیں دلا سکتی،

شادی تو تمہاری میرے ساتھ ہی ہو گی، میرے ساتھ ہی رہو گی اب ساری عمر۔'' وہ اسے اور جلا رہا تھا اور چڑا اور تپا رہا تھا۔
''مزار ہی بنے گا ہر خواہش کا انشاء اللہ، جیتے جی اپنا آپ تو تمہیں کبھی نہ سونپوں گی سن لو تم بھی۔'' وہ اتنے غصے میں آئی کہ بنا سوچے سمجھے کیا بولنا ہے کیا نہیں جو منہ میں آیا کہتی رہی، حمدان ہنستے ہوئے دوہرا ہونے لگا۔
''غلط فہمی ہے بہت بڑی، حسن اور عشق کا مقابلہ ہو تو فتح حسن کو ہو سکتی ہے، مگر میں یہ جنگ ایسے نہیں لڑوں گا، ایک مرد بن جاؤں گا بس، ایک جلالی شوہر، جیت نہیں سکو گی تم بھی سن لو۔'' قدر کو یکدم اس کی بے باکی کا احساس جاگا، خود پہ نفرین بھیجی، منہ پھیرا، خاموشی اوڑھ لی، حمدان اس خاموشی پہ حیران ہوا تھا۔
''کیا ابھی سے شکست تسلیم کر لی؟ ویسے اچھی تبدیلی ہے، مجھے پسند آئی، ابھی سے ایسی بنو گی تو بہت اچھی بیوی اور میرے بچوں کی ماں ثابت ہو گی۔'' اب کے وہ اسے سراسر چھیڑ رہا تھا، گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا۔
''بھونکتے رہو، میں تمہارے منہ ہی نہیں لگوں گی۔'' اس نے پھنکار کر کہتے اپنے تئیں بات ختم کی۔
''مگر میں تو ضرور لگنا چاہوں گا، لگوں گا بھی، بے فکر رہو۔'' اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا، قدر پھر تلملا اٹھی۔
''تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو۔''
''نہیں، بلکہ حد میں واپس آ رہا ہوں، اسی حد میں جہاں سے تم مجھے نکالنا چاہ رہی تھیں۔'' حمدان کا انداز طنزیہ ہوا، قدر کو یکدم احساس ہوا کہ وہ بڑی پھنسی ہے تو آنکھیں نمی سمیٹ لائیں۔
''بہت بے غیرت ہو، کہ اتنی بڑی بڑی باتیں تمہیں کہہ دیں، بتا دیں تم پھر بھی مجھے اپنے ساتھ جوڑے رکھنا چاہتے ہو۔'' معاً خود کو سنبھال کر اس نے پینترا بدلا، حمدان نے اس کی جانب مسکراہٹ اچھالی۔
''نہیں، بلکہ بہت باغیرت ہوں، اپنی بیوی کے معاملات اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہوں، بس اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے، تم اسے جو مرضی رنگ دے لو۔'' گاڑی رک گئی، قدر نے چونک کر دیکھا، وہ اپنے گھر کے آگے موجود تھی۔
''لڑائی جھگڑا ختم کر دو قدر! اور میرے ساتھ ایک نئی اور پرسکون زندگی کی شروعات کے لئے خود کو تیار کرو، اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ۔'' اس کا گال تھپک کر کہتا اگلے لمحے وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور برستی بارش میں بھیگتا دور ہوتا چلا گیا، قدر ہونٹ بھینچے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

یہ آنکھ رونے کی شدت سے لال تھوڑی ہے
ملال ہے مگر اتنا ملال تھوڑی ہے

بس اپنے واسطے ہی فکر مند ہیں سب لوگ
یہاں کسی کو کسی کا خیال تھوڑی ہے
مزا تو یہ ہے کہ ہار کر بھی ہنستے رہو
ہمیشہ جیت ہی جانا کمال تھوڑی ہے
لگانا پڑتی ہے ڈبکی ابھرنے سے پہلے
غروب ہونے کا مطلب زوال تھوڑی ہے

جس وقت وہ دروازہ کھول کر اندر آیا، دونوں ہاتھوں میں دو کچے امرود تھے، ایک کو کھا رہا تھا دوسرے کو گیند کی طرح اچھالنے میں مصروف، مگر یہ دونوں مصروفیات صحن سے اوپری حصے میں جاتی سیڑھیوں کے آغاز پہ بال بکھرائے بیٹھی شانزے کو دیکھ کر ترک ہو گئیں۔

لگانا پڑتی ہے ڈبکی ابھرنے سے پہلے
غروب ہونے کا مطلب زوال تھوڑی ہے

اس کے برابر سیڑھی پہ بیٹھتے وہ اس پہ جھک کر بالخصوص اسے سنانے کو بولا، شانزے نے چونکے بناتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا، گہرا سانس ابھرا۔

"تم مجھے ایسی ہمتیں نہ دلایا کرو، کچھ نہیں کر سکے اتنے دنوں میں تم۔" وہ غرا اٹھی تھی، اویس اسے بھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سب سے آسان کام دنیا میں تم سے شادی کرنا ہی ہے اور وہ میں کرنا نہیں چاہتا۔" سر کھجاتا ہوا وہ سراسر اس کا مذاق اڑا رہا تھا، شانزے کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

"کبھی شکل دیکھی ہے آئینے میں تم نے اپنی؟ مت بھولو کہ تم حمدان نہیں ہو، یاد رکھا کرو کہ تم اویس ہو، جو اس کے پاسنگ بھی نہیں۔" ہونٹ سکوڑ سکوڑ کر نتھنے پھلا پھلا کر وہ اسے اس کی اوقات جتلانے لگی، اویس نے مجال ہے پھر بھی برا منایا ہو، بلکہ اس کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ انجوائے ہی کر رہا ہے۔

"مجھے یاد رہتا ہے کہ میں حمدان نہیں ہوں، مجھے کبھی نہیں بھولتا کہ میں اویس ہوں، اویس چوہدری، جو حمدان منصف کے پاسنگ بھی نہیں ہے مگر میں پھر بھی تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں، کرنا چاہتا ہوں تو حمدان منصف کی بہن سے ہی کرنا چاہتا ہوں، جس پہ تم ڈورے ڈال کر تھک گئیں اور وہ قابو میں نہ آیا مگر میں تمہاری طرح ناکام نہیں ہوں گا دیکھ لینا، یہ بھی ضرور سوچو کہ اگر میں اویس ہو کر بھی حمدان کے پاسنگ ہو کر بھی تم سے شادی کا خواہاں نہیں تو تم اپنا درجہ اپنی اوقات تو دیکھو محسوس کرو اور شرم سے ڈوب مرو، کوششیں ہی ترک کر دو۔"

وہ اویس تھا، اویس چوہدری، بدزبان بداخلاق، بدمعاش اور شرپسند، بے لحاظ شانزے تو اس کے حساب سے پیدا ہی نہ ہوئی تھی، وہ اپنے ساتھ پنگا لینے والوں کو الٹا لٹکا کر سزا دینے کا قائل تھا، معاف کرنے کو پسند نہیں کرتا تھا، شانزے نے اس کی شان میں گستاخی کر کے کیسے سوچا کہ وہ آگے سے اسے بخش دے گا۔

"تم...... میری توہین کر رہے ہو؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، منہ لال بھبوکا ہو گیا تھا، اشتعال

سے لرزنے لگی۔

"نہیں...... کوشش کر رہا ہوں، شرمندہ کرنے کی، سنا ہے بڑی ڈھیٹ ہڈی ہو تم۔" وہ دانت نکوس کر بولا، شانزے ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی، ایسا ماحول اس کے لئے نیا تھا، اس کے منہ کو آتا ہی کون تھا، منیب چوہدری کی بے جا حمایت نے ہی تو اسے اندھوں میں کانا راجا بنا دیا تھا، منیب چوہدری جن کی پورے گھر پہ اجارہ داری تھی، یہاں ایسا ماحول تھا نہ ہی منیب چوہدری کی حکمرانی، اس کی حیثیت دو کوڑی کی بھی نہ تھی، سیڑھیوں پہ دیوار کا سایہ اتر آیا تھا، صحن میں ابھی بھی دھوپ لشکتی تھی، باہر تو ہر سو آسمان دھوپ برساتا تھا، ہر کوئی اپنے کمرے کی ٹھنڈک میں پرسکون تھا، اس وقت گرد آلود حبس زدہ فضا تھی، دھوپ لشکتی تھی مگر ماحول گرد و غبار سے بھی اٹ جاتا، کسی طرف سے تیز ہوائیں اٹھتیں تو آندھی کا روپ دھار لیتیں، اور اندر باہر دھول ہی دھول اڑنے لگتی، اس وقت بھی آندھی کے آثار لگتے تھے، آسمان کے ماتھے پہ دھول ہی دھول جمی تھی، ابھی ہواؤں میں تیزی نہ آئی تھی پھر بھی درختوں سے پتے تھے کہ گرتے چلے جاتے تھے، اویس اسے کھری کھری سنا کر باہر نکل گیا تھا، درختوں سے ٹوٹ کر گرتے پتے، اس کے بالوں کو چھو کر قدموں میں لپٹنے لگے، وہ کچھ دیر کو ہی رہی، پھر اٹھ کر اندر آ گئی، کنیز بے دم سی بستر پہ لیٹی تھیں، لائٹ بند تھی، ہاتھ کی پنکھی جھلتی ہوئیں بھی پسینے پسینے ہو رہی تھیں، شانزے کو منیب چوہدری کے گھر کا شاہانہ ٹھاٹ یاد آیا۔

"چھوٹے ماموں کا فون آیا پھر......؟" کنیز چونک گئیں، بے زاری سے سر ہلایا۔

"آیا بھی ہو تو ہمیں کیا، بھاڑ میں جائیں۔"

"اب کے آئے تو میری بات کرانا ممی، میں ان کے ساتھ جاؤں گی، مجھے یہاں نہیں رہنا بلکہ میں خود انہیں کال کر کے کہتی ہوں آ کر ہمیں لے جائیں۔" ایکا ایکی فیصلے اور اتنے اچانک، کنیز تو چکرا گئیں، بھونچکی سی اسے ٹکر ٹکر ایسے دیکھنے لگیں گویا اس کا دماغ ہل گیا ہو۔

کنیز اسے ایسے ہی دیکھتی تھیں گویا اس کی ذہنی حالت پہ شبہ کا یقین کامل ہو، شانزے کو ان کی نظروں سے صرف اختلاف نہیں ہوا، چڑ بھی ہوئی، غصہ بھی آیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" اس نے از حد بے زاری سے سوال کیا، ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"جو تمہاری حرکتیں ہیں اور کیسے دیکھوں؟" کنیز بھی برابر کی بے زاری کا مظاہرہ کیا، صحیح معنوں میں وہ اس لڑکی کی وجہ سے ذلیل ہو رہی تھیں۔

"ماما، یہاں میرے ٹکے کی عزت نہیں، بڑے ماموں کی ساری اولاد ہی جاہل اور بدتمیز ہے۔" کنیز کا دل کیا کہہ دیں بلکہ پوچھیں۔

"تم سے بھی زیادہ۔" مگر خاموش رہیں، وہ نیا سیاپا نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔

"ادھر کم از کم یہ تو تھا کہ میں اپنی مرضی کی زندگی جیتی تھی، بلکہ صحیح معنوں میں راج کرتی تھی، یہاں رہ کر میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتی اتنا مجھے بھی یقین ہو چلا ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں کہتی گویا ان کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی، کنیز کے چہرے کی اکتاہٹ و بے زاری میں ذرا برابر جو فرق آیا ہو اس انکشاف سے۔

"بس...... اس کا پھر بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ اتنا ذلیل ہونے کے بعد بھی تم منہ اٹھا کر پھر

وہاں چل دو۔'' کنیز کا انداز سر پیٹ لینے والا تھا، شانزے مسکرائی۔

''ذلیل ہم نہیں ہوتے، ذلیل تو ہم نے انہیں کیا ہے، قدم قدم پہ، اور بھی کرنا چاہتی ہوں، بس آپ چلنے کی تیاری پکڑیں۔'' وہ فیصلہ کر چکی تھی اور مطمئن بھی تھی، کنیز کو یہ فیصلہ اور اطمینان دونوں پسند نہ آسکے۔

''کیا کہا کہ ہم ذلیل نہیں ہوئے، عین شادی کے موقع پہ شادی سے انکار کر دیا، ان چند دنوں میں پورا خاندان میں نے بھگتایا ہے، ہر کسی کی زبان پہ الگ سوال اور داستانیں تھیں، تم تو وہاں بھی بے ہوش ہو گئیں اور یہاں بھی منہ سر لپیٹے پڑی رہیں۔'' وہ پھٹ پڑی تھیں، گلا دکھ سے بھر گیا تھا، جبھی آواز بھاری ہوئی، شانزے نے گہرا سانس کھینچا۔

''میں وہاں کوئی بے ہوش وے ہوش نہیں ہوئی تھی، ماموں کا دل نرم کرنے کو ڈرامہ کیا تھا۔'' وہ انہیں دیکھ کر ایک آنکھ میچ کر خباثت سے بولی تو کنیز دنگ رہ گئیں، کچھ بول ہی نہ سکیں، ایک بار پھر بہت دکھ سے حیرت سے یہ سوچنے پہ مجبور ہوئیں، یہ لڑکی آخر چلی کس پہ گئی، ان کے خاندان میں تو دور تک ایسا مکار کوئی نہ تھا۔

''تم جو مرضی کہو، میں تمہارے باپ کو واپسی کے ٹکٹس کنفرم کروانے کی ہدایت کر چکی ہوں، تم ساتھ چل رہی ہو ہمارے..... سن لو۔'' انہوں نے فیصلہ سنایا جو شانزے نے جوتے کی نوک پہ رکھا تھا۔

''آپ کون ہوتی ہیں مجھے اپنی مرضی پہ چلانے والی ممی؟'' وہ تیور بدلتی آنکھیں نکال کر اس طرح بولی، کنیز تو بھونچکی رہ گئیں۔

''مجھے چھوٹے ماموں کے گھر جانا ہے وہیں رہنا ہے، آپ جائیں جہاں جانا ہے۔'' سابقہ انداز میں بات کرتی وہ انہیں بے حد خود سر لگی، انداز ایسا تھا گویا کہہ رہی ہو آپ جائیں بھاڑ میں مجھے کیا غرض، کنیز صدمے سے شل بیٹھی اسے ٹکر ٹکر دیکھتی تھیں، یہاں تک کہ اس نے ان کے سامنے منیب چوہدری سے رابطہ کیا، روئی بسوری شکوے کیے، ان سے منتیں کروائیں اور بڑی مظلوم بنتے انہیں معاف کرتے ہوئے ان کے ساتھ چلنے پہ آمادہ ہو گئی۔

''کیا حمدان کی وجہ سے ہی میرا آپ سے تعلق تھا ماموں، آپ نے تو اپنی بیٹی بنایا تھا مجھے بیٹیوں کو ایسے کوئی گھر سے نہیں نکالتا۔'' وہ آنسو بہا رہی تھی، دوسری جانب منیب چوہدری اسے پچکارتے دلاسہ دیتے سمجھاتے منت کرتے نہ تھکتے تھے، شرمندگی کا احساس الگ تھا، اس کی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ الگ انہیں خفت سے مارے ڈالتا تھا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو بیٹے، وہ سب سے زیادہ تمہارا گھر ہے، بلکہ گھر ہی تمہارا ہے، تمہیں نکالا نہیں تھا، میں تو آخر دم تک منت کرتا رہا، تمہاری ماں نے سنی ہی نہیں، میں بہت مجبور ہو گیا تھا بیٹے، سامنے جو ہستی ہے اسے انکار نہیں کر سکتا، اتنا بڑا نام اتنا اونچا مقام، مجبور سا مجبور ہوں، مجھے معاف کر دو بیٹے۔'' وہ بار بار معافی مانگتے تھے، جو اس نے احسان جتلاتے دے بھی دی، مزید کچھ دیر بات کرتے رہنے کے بعد اس نے فاتحانہ نظروں سے ماں کو دیکھتے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

''دیکھا میرا کمال، جو حال تھا ماموں کا، اگر سامنے ہوتی تو پیروں کو ہاتھ لگانے سے بھی نہ چوکتے۔'' وہ کمینگی و کم ظرفی کی انتہا پہ تھی، یا پھر یہ قدرت کا انتقام تھا، انسان جب راہ سے بھٹکتا ہے حق حق داروں کے سوا کسی اور کی جھولی میں ڈالتا ہے تو لینے والا غیرت مند ہو سکتا ہے نہ عزت دار، وہ غاصب ہوتا ہے اور حق مارنے والے کے لئے ایک سزا، منیب چوہدری نے اولاد اور بیوی کا حق مار کر اگر بھانجی کو بے جا لاڈ بے جا پیار اور مراعات دی تھیں تو اک دن اسی بھانجی نے انہیں ناگن بن کے ڈس بھی لینا تھا، حالات و واقعات اس بات کے گواہ تھے جس رخ پہ جا رہے تھے، یہ اب زیادہ دور کی بات بھی نہ لگتی تھی۔

''تمہیں اپنی عزت کی ذرا پرواہ نہیں ہے؟'' کنیز کا انداز ملامتی ہی نہیں متاسفانہ بھی تھا، وہ اب ناخن فائل کر رہی تھی، بے شرمی سے مسکرائی۔

''عزت میری ترجیح سب سے آخیر میں ہے، پہلے محبت پھر پیسہ۔'' وہ کتنے اعتماد یا پھر ڈھٹائی سے بات کر رہی تھی، شرم کنیز کو آئی، وہ اب کے کچھ نہ بولیں، بس اس کے سامنے سے اٹھ کر چلی گئیں، ان کا دل اتنا خراب اتنا کھٹا ہوا تھا اس کی جانب سے کہ اسے دیکھنے کو بھی جی آمادہ نہ تھا، جبکہ شانزے کے چہرے پہ اُمڈنے والی مسکراہٹ گہری اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔

مجھے صرف تم سے انتقام ہی تو نہیں لینا منصف حمدان، مجھے تمہیں حاصل بھی کرنا ہے اور اس کوشش میں، میں ہر حد تک جاؤں گی ہر حد تک۔

(باقی اگلے ماہ)

یہ دیوانے مستانے

نوال احمد

مکمل ناول

''یار کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں نا بغیر محنت کے انہیں سب مل جاتا ہے، وہ سب جس کے لئے ہم جیسوں کو ساری عمر خرچ کرنی پڑتی ہے اور آخری عمر جا کر وہ سب حاصل ہوتا ہے جس کی بہت پہلے آرزو ہوتی ہے۔'' حسرت زدہ لہجے میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی وہ جانے کس خیال میں گم بول رہی تھی، اسماء نے اسے دیکھا اور پھر اک لمبی سانس ہوا میں خارج کر کے بولنے لگی جیسے مقابل کی باتیں اسے سو فیصد اپنے خیالات اور سوچ کے مطابق لگے ہوں اور ایسا ہی تھا ان دونوں دوستوں کی سوچ بہت حد تک ایک دوسرے سے ملتی تھی۔

''یار حرا! تم بالکل ٹھیک کہتی ہو، اب ہمارے ماں باپ کو دیکھ لو ہمارے لئے ہماری آسائشوں کے لئے دن رات محنت کرتے ہیں تا کہ ہم سکھ سے جی سکیں کسی چیز کی کمی نہ رہے اور کل کو ہمیں بھی ایسے ہی جینا ہوگا اپنے بچوں کے لئے، یونہی محنت کر کے، دن رات ایک کر کے، یار ایسا کیوں نہیں ہوتا۔'' اسماء نے بیٹھے بیٹھے نشست میں ہلکی سی تبدیلی لا کر ایک طرح سے حرا کو متوجہ کرنا چاہا تھا۔

''یار ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ سب کچھ جلد ملے، زندگی زیرو سے شروع نہ کرنی پڑے۔''

''اسماء ہوتے ہیں ایسے کچھ لوگ جنہیں سب پرفیکٹ اور مکمل ملتا ہے یار تمہیں میری وہ دوست یاد ہے۔''

''ہانی یار تم سوچ نہیں سکتی کتنی لکی ہے وہ...... اچھی خاصی امیر فیملی کی تھی اور اب جہاں اس کی شادی ہوئی ہے پوچھو مت کتنی زبردست فیملی ہے، لڑکا ماشاء اللہ سے نا صرف پیارا ہے بلکہ ہانی کا اتنا خیال کرتا ہے کہ بس، آج کل فرانس کی سیر کو گئے ہوئے ہیں، دیکھو ایسے بھی



لوگ ہوتے ہیں نا۔"

"بس اب کوئی امیر آسامی ڈھونڈتے ہیں۔" اسماء نے ازراہ مذاق کیا تو حرا بھی مسکرا دی۔

"ہاں ہمارے کہاں ایسے نصیب، ہمارے نصیب تو خاندان کے لڑکوں سے بھی پھوٹے ہیں۔" حرا کا انداز ایسا برجستہ تھا کہ اسماء قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"اللہ!" دونوں ہنستے ہنستے چپ ہوئیں تو اسماء نے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور کہنے لگی۔

"صحیح کہہ رہی یار، میری اماں جان کے ارادے بھی خطرناک لگ رہے، اٹھتے بیٹھتے اپنے بھانجے کی تعریفوں میں زمین آسمان ایک کیے رکھتی ہیں، میں بھی کون سا کم ہوں ایسے شو کرواتی جیسے وہ مجھ سے نہیں بلکہ کسی اور سے کہہ رہی ہوں اور تو اور باتوں باتوں میں ان کو بتاتی دیتی کہ خاندان میں شادیوں کے بڑے نقصانات ہیں۔"

"ہاہاہا تم تو صرف نقصانات گنواتی جبکہ میں تو اپنے دور پرے کی ہر دوست جس کی آؤٹ آف فیملی شادی یا منگنی وغیرہ ہو رہی ماما کو ساتھ ساتھ دکھاتی ساتھ تفصیلاً بتاتی کہ ماما دیکھیں فلاں کا منگیتر انگلینڈ ہے، شزا تو انلی چلی گئی وغیرہ وغیرہ اور بچارے ماما کیا پوچھتی ہیں، خاندان میں ہوا؟ بس فوراً سے کہتی ہوں۔"

"ہاں خاندان میں ہوتا تو اتنی اچھی جگہ ہوتا۔" چہرے کے زاویوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خاندان میں شادی کے کتنے خلاف ہے، پھر ایسی ہی باتوں کے دوران وقت گزرنے کا اندازہ نہ ہو پاتا، بات بات پر قہقہے لگاتیں تو بھی افسردہ ہو جاتیں۔

"یہ سوچ صرف ان دو لڑکیوں کی نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے کی بیشتر نئی نسل ایسی ہی یا اس سے ملتی جلتی سوچ رکھتی ہے، لڑکے چاہتے ہیں کہ ایسا گھر مل جائے جو خوبصورت اور کمائی لڑکی کے علاوہ اتنا کچھ دیں کہ کچھ کرنے کی ضرورت نہ پڑے، لڑکیاں چاہتی ہیں کہ کہیں سے کوئی شہزادہ گلفام آ جائے جو زندگی میں رنگ بھر دے، اسی سوچ نے ہماری نئی نسل کو ایسا زنگ لگا دیا ہے، کہ وہ محنت سے نظر چرا کر قسمت کا ڈھنڈورا پیٹتے کسی انہونی کا انتظار کر رہے ہیں کچھ کرنے کا جذبہ بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے۔"

"آخر ہم اپنے سے کم تر کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے گزارہ کر رہے ہیں، خدا کی کتنی ہی نعمتیں ہوتے ہوئے ہم ناشکرے پن کا ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔"

☆☆☆

اسماء اور حرا نا صرف کالج میں ایک ساتھ پڑھتی تھیں بلکہ ہاسٹل میں روم میٹس بھی تھیں، دونوں کا تعلق ایک ہی شہر سے تھا، گھر پاس پاس ہونے کی وجہ سے ان میں جان پہچان تو پہلے ہی تھی، مگر اصل پکی والی سہیلیاں تو ہاسٹل آ کر بنی تھیں۔

"حرا یار بھوک لگی بہت زوروں کی کچھ بنائیں۔"

"ہاں یار پلیز چپس فرائی کر لو، مجھے بھی کب سے بھوک لگی ہوئی تھی، تمہیں پتا تو ہے پڑھتے ہوئے بھوک معمول سے کہیں زیادہ لگتی ہے۔" شزا نے اسائنمنٹ لکھتے لکھتے اپنی رائے دی جبکہ اسماء نے پوچھا حرا سے تھا، ان دونوں نے گھور کے ایک دفعہ شزا کو دیکھا جو پھر سے ہینڈ فری کان میں گھسائے لکھنے میں مصروف ہو چکی تھی اور پھر ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا تھا دل چاہا اس کا

سر پھاڑ دیں مگر دونوں ضبط کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

شزا ایک نمبر کی کام چور بندی تھی جہاں کوئی کام نظر آتا فوراً سے یا تو ادھر اُدھر ہو جاتی یا کالج کا کام لے کر بیٹھ جاتی، اسماء ہاتھ دھونے گئی تو حرا چیزیں سمیٹنے لگی تھی اسی دوران اسے ایسے لگا جیسے کوئی سرگوشی میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہا ہو، اس نے تعجب سے اردگرد نظر دوڑائی مگر کچن کے دوسرے کونے میں سنک کے پاس کھڑی اسماء کی جگہ کوئی نہ تھا، رات کے دو بجے جب پورا ہاسٹل پڑا سو رہا تھا اس پہر یہ آوازیں آخر کہاں سے آ رہی تھیں، عام دنوں میں تو لڑکیاں اکثر لیٹ نائٹ تک جاگتی تھیں مگر اب تو تھا بھی ویک اینڈ، زیادہ تر لڑکیاں گھر جا چکی تھیں، حرا کے پیرنٹس کسی رشتہ دار کے ہاں گئے تھے پھر وہ اکیلی گھر جا کر کیا کرتی سو ان دونوں نے گھر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"حرا کیا ہوا کیا دیکھ رہی ہو؟" حرا کو کچن کے دروازے سے باہر جھانکتے پا کر اسماء نے پیچھے سے آ کر کہا تو وہ جو پورے دھیان سے آوازوں کا تعاقب کر رہی تھی بری طرح ڈری تھی اس کے یوں ڈرنے پر ہمیشہ سے تھوڑے دل کی اسماء بھی بے ساختہ چیخنے لگی تھی، اسماء کو یوں اچھلتا دیکھ کر حرا کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

"ڈرانا تو تم نے مجھے تھا اور الٹا چیخنے تم لگی۔"

"میں نے کب ڈرایا تمہیں، میں نے صرف یہ پوچھا تھا کہ باہر کیا دیکھ رہی ہو۔" اسماء نے گھور کر اسے کہا تھا اور اسی پل حرا کو پھر سے وہ آوازیں یاد آ گئی تھیں، حرا نے اس کا ہاتھ تھاما اور کوریڈور کے دائیں کونے کی طرف جانے لگی جہاں ٹوٹی کرسیاں، میز اور کاٹھ کباڑ موجود ہوتا تھا اس طرف لڑکیاں کم ہی جاتی تھیں، آوازیں یقیناً اسی طرف سے آ رہی تھیں۔

"حرا کی بچی! ادھر کدھر جا رہی ہو وہاں جن بھوت ہیں۔" اسماء کا سانس سوکھنے لگا تھا، مگر حرا نڈر بنی ہوئی تھی یا شاید تجسس کے ہاتھوں مجبور تھی، اسی پل حرا کو نیم اندھیرے میں کونے میں ایک ٹوٹی کرسی پر کوئی سایہ نظر آیا تھا اور اسی پل اسماء کی بھی اس ہلتے سائے پر نظر پڑی تھی اور پھر کیا تھا گرلز ہاسٹل کے در و دیوار لرز اٹھے تھے ان دو محترماؤں کی چیخوں سے۔

☆☆☆

شزا کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا، جیسے ہی بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کرتی اسی پل ان دونوں کی غصے سے لال پیلی ہوتی شکلیں دیکھ کر پھر ہنسی پھوٹ پڑتی۔

ان دونوں کی شکلوں پر موجود آثار دیکھ کر بڑی مشکل سے اس نے خود پر کنٹرول کیا تھا ورنہ بعید نہیں کہ وہ دونوں اس پر چڑھ دوڑتیں۔

"مجھے تو سوچ سوچ کر مزا آ رہا ہے کہ جسے تم لوگ سایہ سمجھ رہے تھے وہ تو فوجن نکلی۔"

اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی راشدہ پورے ہاسٹل میں فوجن مشہور تھی، مردوں کی طرح بھاری ڈیل ڈول اور جسامت والی فوجن ہاسٹل میں مقبول تھی اور اس کی مقبولیت کی وجہ اس کا آرمی کے ٹراؤزر اور شرٹ وغیرہ پہن کر گھومنا تھا، آرمی میں جانے کا اسے بے حد شوق تھا مگر اس کے گاؤں کے رہنے والے سیدھے سادھے ماں باپ نے اسے اجازت نہ دی تھی، اپنی دیہاتی بولی اور طرز کے ساتھ فوجی لباس میں گھومتی پھرتی وہ جلد ہی بہت مشہور ہو گئی تھی۔

جسے وہ دونوں سایہ سمجھ کر ڈر کر بھاگی تھیں تو وہ سایہ مطلب فوجن جی بھی بیچاری حواس باختہ

سی کال بند کر کے ان کے پیچھے لگی تھیں اور بس پھر کیا تھا اک طوفان بدتمیزی، اپنی پرائیویسی میں دخل دینے پر فوجن نے ان دونوں کی وہ کی کہ وہ بیچاری تو بولنے کے قابل نہ رہیں۔

حرا نیند میں جانے والی تھی جب اسماء کی آواز پر اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اپنے برابر والے بستر پر لیٹی اسماء کو حیرانی سے دیکھا تھا، جو کہہ رہی تھی۔

''حرا!'' عجیب مغموم اور حسرت زدہ سا لہجہ تھا اس سے پہلے کہ حرا استفسار کرتی وہ اپنے بستر پر کروٹ لے کر اسماء کی طرف براہ راست چہرے کر کے لیٹ گئی اور پھر خود ہی کہنے لگی۔

''یار اس فوجن کا بھی کوئی ہے۔''

''استغفراللہ! خبیث یہ بتانے کے لئے تم نے مجھے نیند سے جگایا ہے۔'' حرا کا بس نہیں چل رہا تھا کچھ کر دیے کتنی مشکلوں سے وہ گہری نیند میں جانے والی تھی اور یہ اسماء کی بچی ایک نمبر کی گھامڑ ہے۔

''تو اور کیا یہی سوچ سوچ کر مجھے نیند نہیں آ رہی، لگتا ہے دنیا میں صرف ہم دونوں ہی سنگل بچے ہیں باقی سب تو......'' اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی جبکہ حرا جواد کے قہقہے ابل پڑے، اسماء حسن کی باتوں سے زیادہ تاثرات مزے کے تھے۔

''ڈیئر اسماء حسن! جبکہ رات کے اختتام میں چند گھنٹے ہی باقی ہیں، تو کیوں نہ ابھی سو لیا جائے ورنہ کلاس میں جمائیاں لے لے کر میرے تو جبڑے دکھنے لگ جاتے اور جہاں تک بات سنگل ہونے کی ہے تو میرا نہیں خیال کہ اس عہدے میں کوئی فکر پریشانی ہے، ہم جیسی بندیاں اگلے بندے کو دو دن برداشت نہیں کر سکتی تاکہ رات رات فون پر کالز کریں گی سو آرام سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو، کیا پتا خواب میں خوابوں کا شہزادہ نظر آ جائے۔'' آخر میں شرارت سے کہہ کر اس نے اسماء کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا اور ہمیشہ کی طرح وہ دانت نکالنے لگی۔

''صحیح کہتی ہو تم، ہماری جیسی اپنی مرضی سے جینے والی بندیاں کسی کی روک ٹوک اور غلامی ہرگز برداشت نہیں کر سکتیں، دور کے ڈھول ہمیشہ سہانے لگتے ہیں پتا تو تب لگتا ہے جب گلے میں ڈال کر بجانے پڑ جائیں، لیکن یار......'' ایک بار پھر وہ کسی سوچ میں پڑ کر بولی تو حرا جواد نے گھور کر اسے دیکھا۔

''اب کیا ہوا ہے؟''

''ہوا تو کچھ نہیں لیکن بس ایک بات سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی فوجن کا بھی کوئی ہے آخر وہ کوئی جو بھی ہے کیا وہ آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا......'' اسماء کی لن ترانیوں پر نیند سے سرخ ہوتی بمشکل کھولتی آنکھوں والی حرا جواد نے سرہانے پڑی کتاب اٹھا کر اسے دے ماری تھی جس پر اسماء بات روک کر بلبلا اٹھی تھی ساتھ ہائے ہائے بھی لگا دی تھی۔

''وہ کوئی بھی بھینگا دماغ سے خالی کیوں نہ ہو، اس قابل ہرگز نہیں کہ نیند قربان کر کے اس کا ذکر کیا جائے۔'' چڑ کر غصے سے کہہ کر سرہانے کو سر پر رکھ کر کروٹ بدل کر حرا لیٹ چکی تھی، جبکہ اسماء اس عزت افزائی پر ہونق بنی دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

پیپرز سے فارغ ہو کر ان دونوں کی چھٹیاں ہو گئی تھیں، گرمیوں کی طویل چھٹیوں پر گھر جانے کو تیار وہ ڈھیروں سامان کے ساتھ گیٹ پر کھڑی کب سے اسماء کے بھائی میاں کا انتظار کر رہی تھیں، اللہ اللہ کر کے ان کا جاں گسل انتظار اختتام کو پہنچا تھا، بھائی میاں نے اسماء کو ساتھ لگا کر

حال احوال دریافت کیا اور پھر پاس کھڑی حرا سے حال احوال دریافت کیا تھا، حرا نے نہایت شرافت سے آنکھیں جھکا کر مختصر سے جواب دیے تھے اسے ہمیشہ سے اسماء حسن کے بھائی میاں سے بات کرتے خوف آتا تھا، شاید بھائی میاں کی بارعب پرسنالٹی اور سنجیدگی کا اثر تھا۔

''اوئے تم کیوں چپ کا روزہ رکھے ہوئے ہو؟'' بھائی میاں نے ہی ان دونوں کا قابل اعتراض حد تک زیادہ سامان کو محض گھورنے کے بعد اندر رکھا تھا اور اب وہ لوگ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے، حرا جواد اور چپ کر جائے، ناممکنات میں سے ایک تھا، اسماء کے سوال پر بھائی میاں نے ایک نظر بیک اسکرین سے اپنی بہن کے ساتھ بیٹھی محترمہ کو دیکھا جس نے اسماء کے بازو پر ایسی زور کی چٹکی کاٹی تھی کہ وہ بے ساختہ چیخ پڑی تھی، بھائی میاں نے مسکراہٹ کو کنٹرول کر کے اپنی توجہ ان دونوں سے ہٹائی اور ساری توجہ سے ڈرائیونگ کرنے لگے تھے، ادھر وہ دونوں کھسر پھسر کرنے میں پوری طرح مگن تھیں۔

''یار تمہارے بھائی اتنے سڑے کیوں رہتے ہیں سچی ان کو دیکھتے ہی میری ٹانگوں سے جان نکلنے لگتی ہے۔''

''ارے ایسے تو نہ کہو اتنے ہینڈسم ہیں میرے بھائی ماشاءاللہ سے۔'' اسماء حسن نے بے ساختہ فطری محبت کے تحت کہا تو وہ دونوں ہی ہنس پڑیں، بھائی میاں جن کو با آسانی گاڑی کی خاموش فضا کی وجہ سے ان کی گفتگو سنائی دے رہی تھی ان کی گھنی مونچھوں تلے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی تھی، آگے بڑھ کر میوزک پلیئر آن کر کے انہوں نے دانستہ خود کو ان کی ذاتی باتیں سننے سے روکا تھا۔

مغنیہ کی خوبصورت آواز نے گاڑی کے خاموش ماحول کو بڑا ہی خوشگوار بنا ڈالا تھا، مغنیہ کی آواز کو سنتے بھائی میاں کی سوچوں پر نا صرف ایک نازک سی شبیہ لہرائی تھی بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی رینگنے لگی تھی، حرا جواد نے اسماء حسن کو کہنی مار کر متوجہ کیا تھا۔

''مانو دل کا معاملہ لگتا ہے۔'' حرا کے کہنے پر اسماء نے بھائی میاں کو دیکھا جو ان دونوں سے یکسر انجان جانے کیا سوچ سوچ کر مسکرا رہے تھے، اسماء حسن کو تو بہن ہونے کے ناطے فطری تجسس نے آڑے ہاتھوں لیا کہ آخر معاملہ ہے کیا؟ دال میں کچھ کالا تو ضرور ہے یہ ان دونوں کی مشترکہ رائے تھی اور اسماء حسن اب جلد از جلد بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتی تھی اور اسے کے لئے وہ دونوں کافی جوش و خروش سے پلان سوچنے لگی تھیں، گھر پہنچتے ہی اسے اپنے ٹارگٹ کو Achcive کرنا تھا اور اس مقصد کے لئے اس نے حرا کو بھی منا لیا تھا، کہ وہ بوقت ضرورت اس کی مدد کے لئے اس کے گھر آ جایا کرے گی، ایسی ہی باتوں میں ان دونوں کو ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ختم ہونے کا پتا ہی نہ لگا تھا۔

☆☆☆

چھٹیوں میں تو وہ روزانہ ساڑھے گیارہ بارہ بجے آرام سے اٹھتی اور پھر موڈ کے مطابق پسند کا ناشتہ بنا کر ٹی وی کے پاس قالین پر التی پالتی مار کر بیٹھ کر کھاتی، اماں حضور کی گھوریوں کو یکسر انداز کر کے وہ مسلسل ان کا صبر آزمانے پر تلی ہوئی تھی، جیسے ہی ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے فون پکڑا اماں حضور کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''اگلے گھر یہی کرتوت رہے تو دوسرے دن اسی گھر میں واپس آ جاؤ گی، اس عمر میں ہم نے گھر سنبھال لئے تھے اور آج کل کی نسل کو فون

سے فرصت ملے تو گھر نظر آئے، اللہ کی پناہ کیسی اولاد ہو گئی ہے ماں پاگل ہے نا جو بولے جا رہی ہے یہاں کوئی اثر ہی نہیں مجال ہے جو کان پر جوں بھی رینگی ہو۔“

”ایک تو اماں کی تقریر شروع ہو جائے تو بند نہیں ہوتی۔“ حرا کے ڈھیروں میسج آئے ہوئے تھے، بھائی میاں کی آج کل وہ مکمل جاسوسی کر رہی تھی ضرور اسی متعلق خبر لینے کو وہ بے چین ہو رہی ہو گی، اسے خود اپنا پیٹ ہلکا کرنا تھا، مگر ایک منٹ بھی اور بیٹھی رہتی تو اماں حضور نے اپنے کچھ سیکنڈ پہلے جاری کردہ فرمان کے مطابق اس کے موبائل کو آگ لگانے میں دیر نہیں کرنی تھی، اس لئے بھلائی اسی میں تھی کہ موبائل کو رکھ کر کچن کا رخ کیا جاتا اور اس نے ایسے ہی کیا تھا، مگر سیڑھیاں اتر کے نیچے آتے شخص کو دیکھ کر خفت اور بے عزتی کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا کچھ سرخی اچانک آنے والے غصے کی بھی تھی کہ یقیناً محترم اس کی اماں سے ہوئی دھلائی نا صرف سن چکے تھے بلکہ یقیناً ملاحظہ بھی کر چکے ہوں گے جبھی اسے دیکھتے ہی تیزی سے اپنے چہرے کے تاثرات کو سنجیدہ بنا کر دو چار سٹیپ اتر کر لاؤنج میں داخل ہو گئے تھے۔

”گھنا میسنا، کھڑا مزے لے رہا تھا ایک تو اماں بھی ذرا آگے پیچھے نہیں دیکھتیں، اللہ۔“ اس نے سب سنا ہو گا پہلے تو اسے یکدم فکر اور شرمندگی نے گھیرا پھر جلد ہی وہ اپنی اصل فارم میں واپس آ گئی تھی۔

”سنتا ہے تو سنتا رہے میری بلا سے، ڈرتی ہوں میں اس لمبو سے۔“ دل کو تسلی دیتی وہ کچن میں داخل ہوئی ہی تھی کہ اماں حضور کی پکار پر اس کا دل چاہا اپنا سر پھوڑ لے کہیں۔

”دیکھتی کہ میں اسماء حسن اب اس لمبو کے لئے ناشتہ تیار کروں اتنی ویلی ہوں میں۔“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی جواب میں، دوسرا فرمان جاری ہوا تھا۔

”موحد کو ہلکی چینی والی چائے بنا کر دینا اور اسماء آنکھیں کھول کر آملیٹ بنانا، جیسا کل ڈھیروں نمک والا جلا ہوا آملیٹ بنایا تھا ناویسا ہوا تو پھر دیکھنا۔“ کچن کی کھڑکی سے لاؤنج میں بیٹھی اماں حضور کے فرمانوں پر سر ہلانے کے علاوہ وہ کچھ نہ کر سکتی تھی، کیونکہ شام میں اسے حرا کی طرف بھی جانا تھا اور اگر اب ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی تو اماں نے اجازت ہرگز نہ دینی تھی، اماں حضور کے ساتھ صوفے پر بیٹھے موحد وقار نے اک نظر کچن کی کھڑکی سے نظر آتے وجود کو دیکھا تھا اور دوسرے پل نظریں واپس ٹی وی پر مرکوز کر لیں، چہرے پر یک دم چھا جانے والا تبسم تو معدوم ہو چکا تھا مگر آنکھوں کی چمک ہنوز برقرار تھی جیسے کوئی سوچ اسے لطف دے رہی ہو۔

☆☆☆

لان میں ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے حرا جواد بری طرح تھک چکی تھی، آدھے گھنٹے پہلے اسماء کا میسج ملا تھا کہ وہ نکلنے والی گھر سے اور اس کے گھر کا رستہ بمشکل سات سے دس منٹ کا تھا اگر پیدل آیا جاتا مگر وہ محترمہ تو اب تک نہ ہی پہنچی تھیں اور تو اور نہ ہی کال ریسیو کر رہی تھی اور نا ہی ریپلائے دے رہی تھی۔

”حرا خیریت تو ہے کب سے پریڈ کر رہی ہو میں کافی دیر سے تمہیں اپنے روم کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔“ گھر کے بائیں طرف سے اوپر والے پورشن سے نیچے آتی والی سیڑھیوں پر کھڑی حورین کے پوچھنے پر حرا پھٹ پڑی۔

”پتا نہیں کہاں مر گئی ہے یہ اسماء کی بچی۔“ وہ جانے اور کیا کیا کہنے والی تھی کہ گیٹ پر ہارن کی آواز پر وہ تیزی سے گیٹ کی طرف بھاگی تھی۔

”مجھے لگتا تمہاری فرینڈ ہی ہے میں چلتی ہوں۔“

”رکیں حورین آپی، اسماء ہوئی تو اس سے مل لیجئے گا وہ جب بھی آتی ہے آپ گھر پر نہیں ملتیں۔“ بولنے کے دوران وہ گیٹ کھول چکی تھی، آگے اسماء رہی تھی اور اس کے ساتھ شاید اس کا بھائی تھا، بھائی میاں جو اسماء سے واپسی سے متعلق دریافت کر رہے تھے بے دھیانی میں ہی ان کی نظر گیٹ سے سامنے نظر آتی سیڑھیوں پر پڑی تھی، حورین بھی ادھر ہی متوجہ تھی سوان کی نظر پڑتے پر تیزی سے اتر کر لان میں چلی گئی۔

انہیں اپنی پوزیشن خاصی آکورڈ لگی تھی کیسے وہ ریلنگ سے لگی باہر ان لوگوں پر نظریں گاڑھے ہوئے تھیں، ایسی سوچوں سے وہ حرا کے پکارنے پر متوجہ ہوئی تھیں، جواب ان کا تعارف کروا رہی تھی اپنی دوست سے، حورین کچھ دیر ان دونوں کے ساتھ بیٹھی پھر اوپر چلی گئی، اسماء حرا کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی، دونوں کو آخر اپنی باتوں کے لئے پرائیویسی درکار تھی جو لاؤنج میں حرا کی امی کے ساتھ ہرگز میسر نہ تھی۔

”یار یہ مہمان داریاں بعد میں کرنا پہلے ادھر آ کر بیٹھو اتنی باتیں ہیں کہ پیٹ پھٹنے والا......“ انداز ایک دم خوشگوار اور شوخ تھا، حرا نے گھور کے اسے دیکھا تھا وہ ابھی تک دیر سے آنے پر منہ پھلائے ہوئے تھی۔

”یار میسج میں نے تمہیں کرتے ہی ابا جان سے کہا کہ مجھے تمہارے گھر چھوڑ آئیں تو اماں نے صاف منع کر دیا کہ کوئی ضرورت نہیں روز روز دوسروں کے گھر جانے کی، سارا سارا دن تنگ تنگ کرتی رہتی اس موئے فون پر پھر بھی اداسی ختم نہیں ہوتی اس لڑکی کی، کوئی کام کہہ دو تو فوراً جان تھوڑی ہو جاتی مگر اب دیکھو کیسے تیار کھڑی ہے پہلے تو جا کر یہ لپ اسٹک اتار کر آؤ پھر میرے سامنے آنا اک ہمارا زمانہ تھا کنواری لڑکیاں ذرا سنگھار نہیں کرتی تھیں اور آج کل لڑکیاں تو لڑکیاں تو چھوٹی چھوٹی بچیاں گوڑے سرخ رنگ کی سرخی لگا کر پھرتی ہیں۔“

”اماں یہ لائٹ پنک کلر ہیں آپ کو گوڑا سرخ لگ رہا۔“ وہ تو رو دینے والی تھی، اس موقع پر ابا کو اس پر ترس آیا تھا، ہمیشہ کی طرح جبکہ لاؤنج میں داخل ہوتے بھائی میاں اور موحد وقار مسکرا رہے تھے، یقیناً وہ اماں حضور کے فرمودات سے فیض یاب ہو چکے تھے، اسماء کو اور تپ چڑھی تھی موحد کو مسکراتے دیکھ کر، ابا نے اس کی سائیڈ لینی چاہی تو اماں فوراً بول پڑیں۔

”حسن صاحب آپ تو خاموش ہی رہیں، یہ دوستیاں آگے تھوڑی کام آنی ہیں نہ کوئی ڈھنگ ہے نا ہی سلیقہ اگلے گھر جا کر ناک کٹوائے گی آپ کی صاحبزادی۔“ اماں کو اصل غصہ تو اس کے صبح کے اس کے بنائے گئے آملیٹ میں تھا جس میں اس نے غصے سے ڈھیر ساری سرخ مرچیں ڈال دی تھیں، اماں نے ایسے ہی چیک کر لیا اور پھر جو اس کی اس لمبو کے سامنے کلاس لگی وہ الگ تھی، ایک تو اماں کو میرے اگلے گھر جانے کی اتنی ہی فکر ہے تو میری جگہ خود چلی جائیں، اس نے جل کر سوچا تھا اور پھر خود ہی اپنی سوچ پر لاحول پڑھا تھا، وہ تو شکر بھائی میاں درمیان میں کود پڑے اور اماں کو لاڈلے سپوت کی ماننے ہی بنی اور تو اور بھائی میاں نے نا صرف اسے حرا کی طرف چھوڑنے کی آفر کی بلکہ واپسی پر لینے کا بھی کہہ دیا، وہ تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی یہ کایا پلٹ آخر ہوئی کیسے کچھ عرصے پہلے تک تو بھائی

میاں بھی اماں حضور کے سپورٹر تھے خیر اس کی بلا سے، اسے تو اجازت مل گئی یہی بہت تھا، اسماء حسن کے تفصیلاً بتانے پر حرا ہنس پڑی۔

''تمہارے کیوں دانت نکل رہے ہیں؟'' انداز مشکوک تھا حرا کھل کر ہنس دی۔

''یہ سوچ کر ہنس رہی کہ تمہاری اس کھلی عزت افزائی اپنی اماں حضور کے ہاتھوں ہونے پر وہ تو ہنستا ہوگا یار، کہتا ہوگا میرے سامنے ہٹلر بننے والی کسی گھر میں یہ دیکھو......''

''سوچتا ہے تو سوچتا رہے میری بلا سے مجھے اس سے کیا لینا دینا۔''

''اُئے ہئے ایسے تو نہ کہو تمہارے ہونے والے مجازی خدا ہیں۔'' ہونٹ دانتوں تلے دبا کر حرا نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا تو اسماء نے کشن اٹھا کر زور سے اسے مارا۔

''شکل نہ اچھی ہو تو انسان بول ہی اچھا لے، اگر میرا یہاں ہو تو اللہ کرے تمہاری شادی بھی اپنے کسی گھسے پٹے کزن سے ہو۔'' تپ کر وہ بولی تو حرا نے کانوں کو ہاتھ لگا لئے۔

''اللہ نہ کرے۔'' اس کے انداز پر اسماء قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

''دعا کرو اللہ سے کہ ہمارا باہر سے ایسا اچھا بر آئے کہ یہ خاندان والوں کو دیکھنا نہ پڑے۔'' حرا نے فوراً سے آمین کہا تو وہ دونوں ہنس دیں۔

''ویسے تمہارا وہ لمبو آیا کس خوشی میں یہاں۔'' حرا نے پرسوچ انداز میں کہا تو اسماء بولی۔

''یار اس کی بطور لیکچرار گورنمنٹ جاب ہو گئی ہے نا تو اسی لئے یہاں آیا ہوا فوراً سے ٹرانسفر نہیں ہو سکتا اور خالہ یہاں شفٹ ہونے کو تیار ہی نہیں۔''

''ارے واہ! یہ تو بڑی خوشی کی خبر، یار اسماء سوچ لو اچھا خاصا بندہ ہے۔''

''میرے سوچنے کا ایسے کہہ رہی جیسے وہ لوگ رشتہ لئے میرے دروازے پہ کھڑے ہیں ویسے بھی گھر کی مرغی دال برابر لگتی سو میرا نہیں خیال موصوف کے ایسے کوئی خیالات ہیں، یہ تو بس خالہ کی خواہش، ایک آدھ بار اماں سے ذکر کیا تھا شاید اور ہماری اماں دل و جان سے مان گئیں۔''

''ہوں لیکن اگر کوئی ایسا ویسا سلسلہ شروع ہوا تو تم انکار مت کرنا۔''

''یار بے شک اس کی اچھی جاب ہے لیکن پے جتنی ہے اس کے مقابلے میں اس کی ذمہ داریاں بھی بہت ہیں، میں زندگی زیرو سے شروع نہیں کرنا چاہتی، اپنے پیرنٹس کو دیکھا ہے نا کیسے دونوں کماتے ہیں پھر جا کر ہم عیش کرتے۔''

اسماء اور حرا دونوں کے والدین گورنمنٹ ٹیچرز تھے ساری عمر کی ان کی محنت اور بھاگ دوڑ دیکھ کر وہ دونوں جاب نہ کرنے کے حق میں تھیں اسی لئے ان کی خواہش تھی کہ ایسا گھر ملے جو اتنا خوشحال ضرور ہو کہ صرف ایک شخص کی کمائی سے چلے، بچپن سے اب تک ان کے ماں باپ نے ہر سہولت انہیں فراہم کی تھی مگر اس کے پیچھے دونوں کی محنت کی حق حلال کی کمائی تھی۔

''خیر چھوڑو یہ سب، یہ بتاؤ بھائی میاں والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟'' حرا کو تجسس نے ادھ موا کیا ہوا تھا۔

''یار یہ کنفرم ہو گیا کہ بھائی میاں کو کسی سے ٹوٹ کر پیار ہو گیا ہے۔''

''مگر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو۔'' حرا نے سوال اٹھایا۔

''یار عجیب بیٹھے بیٹھے کھو جاتے ہیں اور گانے تو ایسے افسردہ سن رہے آج کل جیسے محبوبہ

کہیں بچھڑ گئی ہے، کل میں نے ایسے ہی باتوں باتوں میں ان کی شادی کا ذکر کیا تو مسکرا دیے اور پھر کسی سوچ میں گم ہو گئے پھر پتا کیا بولے کہتے۔''

''اتنی جلدی ہے تو خود ہی ڈھونڈ لاؤ اپنی بھابھی۔''

''لو آپ بتائیں اگر کوئی پسند ہے تو۔'' وہ کہتے کہتے ہچکچا گئی تھی، وہ ہولے سے مسکرا دیے۔

''جب کوئی پسند آ گئی تو پتا لگ جائے گا تمہیں بھی۔'' انداز صاف ٹالنے والا تھا، پھر اچانک بولا۔

''یہ بتاؤ پڑھنے والا کچھ نہیں جو سارا سارا دن ضائع ہو رہا ہے۔''

''بھائی میاں وہ آپ کو پتا تو ہے پیپرز دے کر آئے ہیں اب جا کر نیا سمسٹر شروع ہوگا۔''

''ہوں...... ویسے کوئی شارٹ کورس وغیرہ کر لو فارغ رہنے سے بہتر ہے۔''

''جی اچھا...... اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا سو اچھا کہہ دیا۔''

''اور ہاں اپنی دوست حرا سے بھی پوچھ لینا، دونوں اکٹھے کر لو تو اچھا رہے گا۔''

''حرا سے پوچھے بغیر ہی میں اس کا جواب جانتی ہوں صاف انکار، وہ کسی صورت چھٹیاں ضائع نہ کرے گا۔'' بھائی میاں اس کے انداز پر ہنس دیے۔

''دوست بھی اپنے جیسی چنی ہے خاصی دلچسپ بندی ہے، ویسے اس کے پیرنٹس بھی ٹیچر ہیں نا شاید۔'' سرسری سے انداز میں دریافت کرنے پر اسماء نے پرجوش ہو کر وہ تفصیل سنائی کہ الامان، ان کے گھر کے ملازم سے لے کر کرایہ داروں تک کی تفصیل کہہ ڈالی بلکہ کرایہ داروں کے متعلق بھی تفصیل سنانے لگ گئی۔

''ہائے بھائی میاں کیا بتاؤں حرا کی کرایہ دار آنٹی اتنی پیاری ہیں کہ نہ پوچھیں ویسے ان کی بیٹی دیکھی تو نہیں لیکن میں دیکھے بغیر کہہ سکتی وہ بھی ماں کی طرح حسین ہوگی۔''

''چندا مجھے حرا جواد کے گھر کے متعلق ماسٹرز تھوڑا کرنا ہے جو......'' وہ جو نان اسٹاپ بول رہی تھی ان کے ادھورے جملے پر خفت زدہ ہو گئی تھی۔

''یار بھائی میاں بھی بڑے گھنے ہیں مجھے باتوں میں لگا کر اصل موضوع سے ہٹا دیا، لیکن میں بھی ان کی بہن ہوں ڈھونڈ نکالوں گی۔'' اسماء چیلنجنگ انداز میں بولی تو حرا ہنس دی۔

''بھائی میاں کے ہاتھوں آرام سے بیوقوف بن گئی اور چیلنج چیک کروا رہی۔''

''فضول مت بولو اور مجھے مشورہ دو بلکہ ایسا کرتے پلان کرتے کہ کیسے بات کی تہہ تک پہنچ سکتے۔'' وہ دونوں پھر جو کھسر پھسر کرنے لگیں کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ لگا۔

☆☆☆

دروازے کا ہولے سے ہینڈل گھما کر اس نے سر اندر کر کے ارد گرد دیکھا، کمرے میں کسی کو موجود نہ پا کر وہ جلدی سے اندر آ گئی اور پیچھے دروازہ بند کر لیا، واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، یعنی بھائی میاں اب دس منٹ سے پہلے نکلنے والے نہیں وہ کافی دنوں سے موقع تلاش میں تھی وہ آج آرام سے اپنا کام انجام دے سکتی تھی، اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا بھائی میاں کا فون اٹھایا اور کھول کر پہلے کانٹیکٹس چیک کیے کہ کہیں کوئی مہ جبین یا کوئی اور مشکوک نام سے تو کوئی نمبر سیو تو نہیں مگر مایوس ہو کر پھر گیلری اور پھر وہاں سے کال لوگ، میسجز اور وٹس ایپ کو اچھے سے کھنگال لیا مگر وہاں پر اسے کوئی مشکوک مواد دستیاب نہ ہوا جس کی بنا پر وہ بات کی تہہ تک

پہنچ سکتی، وہ اپنے کام میں مگن تھی کہ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی کھٹکا ہوا ہو تیزی سے اٹھنے پر اس کے ہاتھ میں پکڑا موبائل گرتے گرتے بچا تھا اس نے اردگرد دیکھا واش روم کا دروازہ ہنوز بند تھا البتہ پانی گرنے کی آواز بند ہو چکی تھی، فون اس نے جگہ پر رکھا اور دبے قدموں باہر نکل آئی، مسئلہ تھا کہ الجھتا جا رہا تھا کہتی تو کس سے کہتی حرا تو ایسے بوگس آئیڈیاز دیتی تھی کہ اسماء سر پکڑ کر بیٹھ جاتی۔

کتنے ہی دن اسی کشمکش و پیچ میں گزر گئے تھے، یہ اس واقعے سے کچھ دن بعد کی بات تھی سب لان میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، جب وہ چپس فرائی کر کے لائی تو اماں اور ابا چائے پینے کے ساتھ کسی خاندانی مسئلے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے جبکہ بھائی میاں موحد کے فون پر جانے کیا دیکھ رہے تھے۔

"بھائی میاں آ بھی چپس اب ٹھنڈی ہو رہی۔"

"ارے چندا بس دو منٹ۔" اور اسی پل اس سے بات کرتے فون لاکڈ ہو گیا تھا۔

"یار موحد تمہارا فون پھر بند ہو گیا لاک کھول کر میں تنگ آ چکا ہوں آخر ایسی کون سی پرائیویسی کی بندہ نا صرف فون کو لاک کر دے بلکہ اندر موجود ہر ایپ پر اضافی لاک لگائے۔" موحد نے ان کی بات پر آگے ہو کر انہیں کوڈ بتایا اور ساتھ ہی پلیٹ سے چپس اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے بولا تھا۔

"بھائی میاں آج کل زمانہ ہی ایسا ہے کہ انسان کو سیکیورٹی پرووائیڈ (مقصد) کے لئے لاک کرنا پڑتا ہے ورنہ کھلا چھوڑ دو تو لوگ کہاں چھوڑتے ہیں چھپ چھپ کر سارا فون کھنگال ڈالتے ہیں جیسے اندر کوئی خزانہ ہو۔" اس کی بات پر دھڑا دھڑ چپس کھاتی اسماء کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا اس نے بمشکل نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تو موحد، بھائی میاں کے ساتھ کسی بات پر ہنسنے میں مگن تھا۔

"کیا اس نے مجھے سنایا ہے یا، یا عام ایک بات کی ہے؟" وہ مشکوک نظروں سے موحد وقار کو گھورنے لگی جس کا ہر انداز لاپرواہ اور بے نیازی لئے ہوئے تھا۔

"کہیں اس دن اس نے دیکھ تو نہیں لیا لیکن کمرے میں تو کوئی موجود نہیں تھا، اور وہ کھٹکا ہائے اللہ کیا واقعی یہ وہاں تھا۔" یکدم ڈھیروں فکر اور شرمندگی نے اسے آگھیرا مگر پھر جلد ہی اس نے خود کو وہم کی تسلی دے کر پرسکون کیا، اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے دلی کیفیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا اور وہ زیرک نگاہوں نے لگایا تھا اور پھر زیرلب مسکان بکھر گئی۔

☆☆☆

گیٹ کھولنے پر سامنے موجود چہرے کو دیکھ کر حرا کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا مگر جلد ہی خوشی کا عنصر اس پر غالب آ گیا۔

"پیچھے تو ہٹو دروازے میں کھڑی ہو۔" اسماء نے حرا کو پرے دھکیلا اور اندر آ گئی پھر مڑ کر اس نے گیٹ سے ذرا فاصلے پر کھڑے موحد کو جانے کو کہا اور دروازہ بند کر کے اندر چل دی۔

"یہ ہینڈسم سا بندہ کون تھا؟" چلتے چلتے حرا نے پوچھا تو اسماء کے جواب پر وہ اچھل پڑی۔

"اسماء کی بچی یہ تمہارا وہ کمبو والا کزن ہے۔"

"ہاں...... پر اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے؟" آرام سے بیڈ پر نیم دراز ہو کر پوچھا گیا۔ حرا دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی آواز

سے غصے حیرانگی اور افسوس جھلک رہا تھا۔

"مائی گاڈ! اتنے ہینڈسم بندے کو لیبو کہتی ہو تم، تمہاری نزدیک کی نظر حقیقتاً کمزور لگتی ہے مجھے۔"

"اور تمہاری دور رکی۔" اسی انداز میں جواب آیا تھا۔

"اتنا ہی برا ہے تو اس کے ساتھ آئی ہی کیوں؟" حرا نرم دل کی مالک بندی تھی جلد ہی ہر بندے پر اعتماد ہونے لگتا جبکہ اسماء اس کے برعکس اس معاملے میں ہرگز اس کے جیسی نہ تھی، وہ کیا کہتے ہیں نا مجبوری میں گدھے کو بھی باپ بنانا "بس یہی سمجھ لو۔" اس کی بات پر حرا کی ہنسی نکل گئی۔

"اگر اسی گدھے سے بندھ گئی تو۔"

"ایسا اسماء حسن کے جیتے جی نہیں ہوگا۔"

"بڑے خواب ہیں میرے اور یہ تو ففٹی پرسنٹ ہی پورے کر سکتا سو اسے چھوڑو اور میری بات غور سے سنو، دیکھو چیخنا مت تحمل سے سننا، بڑی اہم خبر تھی اس لئے بھاگی چلی آئی، جب سے بھائی میاں سے بات ہوئی مروڑ اٹھ رہے ہیں۔"

"لڑکی کا پتا لگ گیا! اچھی...... کون ہے؟ کیا کرتی ہے؟ ان کے ساتھ آفس میں ہوتی ہے یا یونیورسٹی فیلو۔" ایکسائٹمنٹ میں اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"حرا جاؤ سانس لے لو اور آرام سے سنو گی تو کچھ بکواس کروں گی میں۔"

"ہے کون یار؟" حرا کا تجسس اسے پاگل کر رہا تھا۔

"نام کیا ہے؟ تم جانتی ہو اسے؟" اسماء ہنس پڑی پھر وہ جو بولی اس پر حرا کی چیخ نکل گئی، دونوں ہاتھ کھلے منہ پر رکھے ہکا بکا رہ اسماء کو دیکھ رہی تھی جواب اس کے دونوں ہاتھ تھامے اسے تفصیل بتا رہی تھی۔

"میری بھی سیم تمہاری جیسی حالت ہوئی تھی جب مجھے پتا لگا کہ وہ لڑکی جس سے بھائی میاں محبت کرنے لگے ہیں وہ کوئی اور نہیں تم ہو لیکن یقین کرو انہوں نے خود تمہارا نام لیا تھا، پہلے میرے اصرار پر مجھے چھوٹی چھوٹی نشانیاں بتائیں میری چھٹی حس نے کلک کیا مگر میں نے نفی کر دی مگر تم یقین کرو سب ہنٹس تمہاری طرف اشارہ کر رہے تھے پھر میں نے اصرار کیا کہ پلیز بھائی میاں کیوں میری ننھی سی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں کھل کر بتا دیں تو یقین مانو انہوں نے جیسے ہی کہا کہ وہ حرا ہے...... "تو میں چیخ پڑی سچ خوشی سے پاگل ہونے لگی تھی میں، میں نے ابھی تو تفصیل سے پوچھنا تھا کہ یہ سارا معرکہ انجام کب ہوا مگر برا ہو کہ عین اسی موقع پر موحد کے ہمراہ اماں حضور کی انٹری ہو گئی اور وہ کھڑے کھڑے بھائی میاں کو ہمراہ لئے گھر سے نکل پڑیں، وہ میری پھپھو ہیں نا ان کی ساس کی ڈیتھ ہو گئی ہے تو وہ دونوں وہاں چلے گئے، اگلی تفصیل جاننے کے لئے سچ میں اتنی بے چین ہوں کہ کیا بتاؤں، جب ضبط نہ ہوا تو تمہیں یہ اطلاع دینے خود ہی آ گئی، سچ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میری بھابھی بن جاؤ گی حرا۔" حرا گم صم بیٹھی اس کی کہانی سن رہی تھی دل تھا کہ یقین کرنے پر آمادہ نہ تھا مگر سامنے بیٹھی بندی کی روشن آنکھوں اور خوشیوں کو دیکھ کر یقین کرنے کو جی چاہتا۔

"بیٹا کھانے کا وقت ہو گیا ہے کھانا کھا کر جانا۔" حرا کی مما کے اصرار پر وہ معذرت کر کے باہر آئی تھی جہاں موحد اسے لینے آیا ہوا تھا، وہ دس منٹ سے باہر کھڑا تھا پہلے محترمہ نکل نہیں رہی تھیں اب نکلی ہی تھیں تو گیٹ پر ہی دوست سے

دعا سلام کرنے کھڑی ہوگئی تھیں، کوفت سے اس نے سامنے دیکھا تھا اسماء نے جانے اپنی دوست سے کیا کہا تھا، کہ وہ سرخ پڑ گئی تھی جبکہ اسماء ہنس دی تھی اور ہنستے ہنستے اس کی نظر سامنے پڑی تو موحد کو متوجہ پا کر وہ جلدی سے گلے مل کر اس تک آ گئی مگر آگے بائیک کی طرف موحد کو جاتا دیکھ کر رک گئی۔

''محترمہ اب کیا ہوا ہے؟'' وہ خاصا تپا ہوا تھا۔

''یہ بائیک کیوں لائے ہو؟'' اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھنا اسے ہرگز گوارا نہ تھا۔

''میں بارات لے کر تھوڑی آیا ہوں جو گاڑی پر آتا۔'' وہ جل کر بولا تھا۔

''اگر تمہارا رات سڑک پر گزارنے کا ارادہ ہے تو یہیں ٹھہرو، میں چلا۔'' مغرب کی اذانیں ہوئے کافی وقت ہو چکا تھا، اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا کسی کسی گھر کے گیراج یا صحن وغیرہ میں جلتی بتیوں کی روشنی سڑکوں پر پڑ رہی تھی، البتہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی مدھم ہو کر بالکل غروب ہو جاتیں اور کبھی زیادہ ہو جاتیں۔

''پیدل چلیں؟'' وہ تذبذب کا شکار تھی۔

''تمہیں پیدل چلنا ہے تو چلو میں بائیک پر ہی ہوں۔'' غصے سے کہہ کر موحد وقار نے بائیک چلا کر آگے بڑھا لی ساتھ ساتھ اسماء پیدل تیز تیز قدم اٹھا کر چلنے لگی، تیز تیز قدم اٹھانے کے باوجود وہ موحد سے پیچھے تھی، ایک تو سڑکیں خراب تھیں دوسرا اس کی بائیک کی سپیڈ اس کی نسبت زیادہ تھی، اگلی گلی میں پچھلی کی نسبت اندھیرا ابھی نہ صرف زیادہ تھا بلکہ جگہ جگہ گٹر کا پانی کھڑا ہونے کی بناء پر سڑک جگہ جگہ سے اونچی نیچی تھی، موحد نے بعد میں بھی اسے ایک دو بار بائیک پر بیٹھ جانے کو کہا کہ سڑکیں ٹھیک نہیں مگر وہ نہ مانی بس ایسے ہی ضد میں، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود وہ ایک چھوٹے سے گڑھے میں گرتے گرتے بچی تھی اس کی ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی تھی اور موحد جلدی سے رک گیا تھا۔

''اسماء کیا ہوا؟'' اس کے بتانے پر اس نے پھر سے اسے آنے کو کہا تھا، مگر اسماء تنک کر بولی تھی۔

''میں نے کہا نا میں ٹھیک ہوں۔''

''تمہاری مرضی۔'' اب کے وہ غصے سے بولا تھا اس کی ہٹ دھرمی پر اسے رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، اسی دھیان میں بائیک کی سپیڈ تھوڑی بڑھ گئی تھی اور چند پل ہی گزرے تھے کہ پاس کہیں اندھیرے میں دبکے بیٹھے کتے کے اچانک بھونکنے پر وہ بری طرح ڈر کر چیخی تھی اور نہ صرف چیخی بلکہ دوڑ بھی لگا دی تھی وہ تو بھلا ہو جو بائیک زیادہ دور نہیں تھی اور اسماء کے بیٹھتے ہی موحد نے سپیڈ بڑھا دی کیونکہ اسماء کے چیخنے کے ساتھ بھاگنے کی وجہ سے کتا پیچھے لگ گیا تھا، موحد شرٹ کو دبوچے وہ چپکی بیٹھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی ایک آدھا بار چیخ نکلی تو موحد نے بری طرح گھرکا تھا، اللہ اللہ کر کے اس کتے سے ان کا پیچھا چھوٹا اور وہ گھر پہنچے تھے، گھر پہنچ کر بھی اسماء کا دل کافی دیر تک کانپتا رہا، رہ رہ کر اس کتے کی چمکتی آنکھیں اور سرخ لٹکتی زبان یاد آتے ہی جھرجھری لے لیتی، اسے لگا تھا کہ وہ اپنے نوکیلے دانتوں سے اس کی ٹانگ دبوچ لے گا اور اسی لیے وہ اور مضبوطی سے موحد کو تھام لیتی، یہ سوچ سوچ کر کہ وہ موحد سے کیسے چپکی بیٹھی تھی اس پر سے خوف کا رنگ پھیکا پڑ کے شرمندگی اور خفت نے جگہ لے لی، اس دن آ کر وہ جو کمرے میں بند ہوئی باہر نہ نکلی اماں اور بھائی میاں کی واپسی پر بھی وہ باہر نہ نکلی۔

اگلے دن ناشتے کی میز پر بیٹھے اسے لگا کہ ابھی بھائی میاں رات والے واقعے کے حوالے سے نہ صرف اسے ڈانٹیں گے بلکہ اس کا مذاق بھی اڑائیں گے وہ کافی دیر تک انتظار کرتی رہی کہ کوئی بات چھیڑے مگر جب کافی دیر تک سب معمول کی باتیں کرتے رہے تو وہ سوچ میں پڑ گئی اور پلیٹ سے سر اٹھا کر سامنے بیٹھے موحد کو دیکھا جو رغبت سے آلو والے پراٹھے کھانے میں مگن تھا تو کیا اس نے کسی کو نہیں بتایا؟ جبکہ اس کے نزدیک تو اس کے کارنامے کی اب تک اس کے ہاتھوں تشہیر ہو چکی ہوگی اور اماں حضور اس کے نتیجے میں اس کا حرا کی طرف آنا جانا سب سے پہلے بند کروائیں گی مگر یہاں تو...... وہ سوچ میں گم بے دھیانی میں موحد کو ہی دیکھے جا رہی تھی اور نظریں محسوس کر کے ہی موحد نے اچانک سر اٹھایا تو سامنے اسماء کو دیکھتا پا کر پہلے چونکا اور پھر اسے گڑبڑا کر سرخ چہرہ لیے سر جھکاتا پا کر دھیرے سے مسکرا دیا، یوں کہ ہونٹوں کے کونے صرف اس نرم مسکراہٹ سے فیض یاب ہوتے ہوں۔

''ساری بات سوچ کی ہے، جو ہم سوچتے ہیں اس کا عکس ہمیں اردگرد دکھائی دیتا ہے، بعض اوقات خود ہی قیاس کرتے کرتے ہم کسی بھی چیز کو سوچتے سوچتے اتنے آگے نکل آتے ہیں کہ کسی پل بھی ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہو سکتا ہے جیسا ہم تصور کر رہے ہوں ویسا نہ ہو بلکہ ہمیں اپنی سوچ سو فیصد درست لگتی ہے اور اسی سوچ کے بہانے پر ہم نہ صرف اپنے اردگرد موجود انسانوں کو پرکھتے ہیں بلکہ واقعات اور حالات کو بھی۔''

☆☆☆

پچھلے دو دن سے موحد کی والدہ اور اس کی خالہ حضور کی آمد کی وجہ سے وہ اتنی مصروف رہی تھی کہ حرا سے میسج پر بھی بات کرنے کی فرصت نہ ملی تھی، دراصل خالہ امی سے موحد سے چھوٹی بیارہ کے آئے رشتے سے متعلق مشورہ کرنے آئی تھیں اور اسی بہانہ موحد سے بھی مل لیا کیونکہ وہ تقریباً مہینے سے یہاں ہی تھا، کالج کے ساتھ ساتھ چھٹیوں کی وجہ سے اس نے ایک دو اکیڈمیز میں بھی پڑھانا شروع کر دیا تھا، اپنے بہترین تعلیمی ریکارڈ اور گورنمنٹ لیکچرار ہونے کی وجہ سے اسے خوش دلی سے رکھ لیا گیا تھا، خالہ کے جاتے ہی جیسے ہی اسے فرصت کے دو پل ملے اس نے فوراً سے حرا کو فون کھڑکایا جو اسماء کی باتیں سوچ سوچ کر ان دنوں ہلکان ہو رہی تھی۔

''اسماء میرا دل نہیں مانتا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ارے کیوں نہیں ہو سکتا آخر اس میں برائی کیا ہے بھائی میاں ویل سیٹلڈ ہیں اور ویسے بھی تمہیں میری طرح کون سا کسی امیر کبیر رشتے کا انتظار ہے سو آرام سے دل کو راضی کر لو کیونکہ میں آج ہی امی سے بات کرنے والی ہوں۔''

''لیکن اسماء۔'' حرا منمنائی تھی۔

''یار سب سے بڑی بات بھائی میاں تم کو پسند کرتے ہیں، جس حساب سے دکھی گانے وہ سن رہے ہیں یقین کرو اس سے ان کی حالت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔'' کافی دیر سمجھا بجھا کر اس نے فون بند کیا اور بڑبڑاتی ہوئی فون صوفے پر پھینک کر لاؤنج سے نکلی تھی۔

''کیسی ناشکری بندی ہے بندہ بیچارا روگ سن سن کر پاگل ہو رہا ہے اور محترمہ کو کوئی فکر ہی نہیں، اگر کوئی میرے لیے ایسی حالت بناتا اور دس دس منٹ کی طویل طویل قوالیاں ہیں سننے لگتا ہے تو میں تو جھٹ اس کا ہاتھ تھام لیتی۔'' بلند آواز میں بڑبڑاتی وہ چائے کا پانی چولہے پر چڑھانے لگی تھی۔

''اسماء کس سے باتیں کر رہی ہو؟'' اماں کی آواز پر وہ چونک کر حواسوں سے نکلی تھی۔

''وہ...... وہ تو میں کچھ سوچ رہی تھی؟'' وہ ہڑبڑا کر بولی تھی، کہیں اماں نے کچھ سن تو نہیں لیا، تو کیا وہ اتنا اونچا بول رہی تھی، اسے یہ بیماری لاحق تھی کہ پریشانی میں بڑبڑانے لگتی تھی اور وہ بڑبڑاہٹ اتنی زور ضرور ہوتی کہ کسی کے کان میں آسانی سے پڑ جاتی، اماں نے خلاف توقع اس کی بات سن کر کچھ نہ کہا بلکہ مسکرا دیں اور بھائی میاں اور موحد کے لئے چائے بنانے کا کہہ کر باہر نکل گئیں، وہ جو بات کرنے کے لئے الفاظ جوڑ رہی تھی اپنا سا منہ لے کر بیٹھ گئی۔

چائے بنا کر اس نے دو کپ ٹرے میں سجائے اور باہر نکل دی، دروازہ ناک کر کے وہ اندر آئی تو سامنے ہی بستر پر موحد کو نیم دراز کوئی کتاب پڑھتے دیکھ کر اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی، بھائی میاں کوئی فون سننے بالکونی میں گئے ہوئے تھے، کمرے کے پرسکون ماحول میں نصرت فتح علی خان کی قوالی دھیمی آواز میں بج رہی تھی۔

کالی کالی زلفوں کے پھندے نہ ڈالو
ہمیں زندہ رہنے دو اے حسن والو
آپ اس طرح تو ہوش اڑایا نہ کیجئے
یوں بن سنور کے سامنے آیا نہ کیجئے

کمرے میں نصرت فتح علی خان کی سحر انگیز آواز اپنا جادو جگانے لگی تھی، بھائی میاں سے بات کرنے کی غرض سے اسماء وہاں بیٹھی تھی مگر کسی کی نظریں محسوس کر کے اس نے سر اٹھایا تو موحد کو چائے کے سپ لیتے ہوئے کتاب پر نظریں ڈالے دیکھ کر اسے اپنا وہم لگا، خاموشی کو توڑنے کی غرض سے اس نے یونہی موحد سے پوچھ ڈالا۔

''تمہیں بھی کلاسیکل میوزک پسند ہے؟''

''ہاں بہت زیادہ، یوں لگتا ہے جیسے ہمارے جذبات کی عکاسی خوب ہو رہی ہے۔''

اس کی بات پر نا سمجھی سے اسماء نے اسے دیکھا تھا مگر اسی پل اس نے سوال کر ڈالا۔

''تمہیں پسند ہے کیا؟''

''نا بھئی مجھے کوئی ایسا روگ نہیں لگا کہ میں اتنی بورنگ چیزیں سنوں۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی جبکہ اس کی بات پر موحد قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''تمہارے خیال سے کیا صرف محبت کرنے والے ہی یہ کلام سنتے ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ تو ٹیسٹ کی بات ہے۔'' اسماء نے لاپرواہی سے اس کی بات سنی تھی، موحد نے ایک ٹھنڈی سانس ہوا میں خارج کی اور باقی ماندہ چائے کو بڑے سپ سے اپنے اندر انڈیل لیا، ایپل گرین کلر کے کرتا شلوار میں بالوں کو ڈھیلے سے کیچر میں مقید کیے وہ عام سے حلیے میں بھی اٹریکٹو لگ رہی تھی۔

بھائی میاں کی آمد کے ساتھ ہی اسماء حسن نے انہیں ساتھ لیا اور اماں کے کمرے کا رخ کر لیا، وہ جانے لگے تھے کہ موحد نے اسے پکارا تھا۔

''خالہ کو ذرا میرا ایک پیغام تو دے دینا۔''

وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''کہ ان کی بیٹی کو صرف چائے بنانے آتی ہے۔'' اس کی بات پر جہاں شرم و خفت سے اسماء کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہیں بھائی میاں کے ساتھ ساتھ موحد وقار بھی کھل کر ہنس دیا۔

اسماء پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

''لمبو کہیں کا سمجھتا کیا ہے خود کو، سارا قصور اماں کا ہے اس کے سامنے میرے مستقبل کی پیشن گوئیاں سناتی ہیں کہ آخر اس لڑکی کا کیا بنے گا اگلے گھر جا کر، ڈھنگ کی چائے نہیں بنا سکتی ہانڈی روٹی کیا خاک کریں گے۔'' اماں سے

بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے اس نے اپنے کمرے کی راہ لی تھی اور پھر وہاں بیٹھ کر اس نے اسے دل ہی دل میں برا بھلا کہا بھائی میاں نے اسے منانے کی کوشش کی مگر وہ پھر بھی نہ مانی تھی۔

☆☆☆

خواب بننا ہر انسان ذی روح چاہے مرد ہو یا عورت دونوں کی فطرت کا حصہ ہے، مگر عورت اس معاملے میں آگے ہے شاید اس کی وجہ اس کی کمزور قوت ارادی اور دل کی نرمی ہے، ہر بات اس کی طبیعت پر زیادہ اثر ڈالتی ہے، کسی کی کہی معمولی سی بات کو لے کر وہ ایسے نکلتی ہے کہ پھر شیخ چلی کی طرح سوچتے سوچتے خوابوں کے تاج محل تعمیر کر لیتی ہے یہ سوچے بغیر کہ بنیادیں تو ریت کی ہیں جو ہلکی سی ناموافق ہوا چلتے ہی ڈھے جائیں گی، آخر ہم عورتیں اتنی مضبوط کیوں نہیں کہ محلات تعمیر کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچیں کہ اس کی بنیادوں کو پہلے مضبوط بنا لیں۔

''عورت ہے ہی کمزور، نازک۔'' یہ توجیہہ ہر جگہ پیش کی جاتی ہے مگر اگر عورت مضبوطی پر آئے تو فولاد سے مضبوط اور سخت دیواریں اپنے اردگرد کھڑی کر لیتی ہے جو کسی شے کا فوراً اسے اس پر اثر نہیں ہونے دیتی، آج کی لڑکی کو ضرور اتنا مضبوط اور طاقتور ہونا چاہیے کہ کوئی بھی آسانی سے اس کے جذبات اور سوچوں پر قبضہ نہ کر سکے، اس کی سوچیں، اس کے جذبوں پر اثر کوئی مضبوط اور پاکیزہ رشتہ ہی کر سکے۔

☆☆☆

بھائی میاں آفس کے کام کے سلسلے میں بیرون شہر گئے تھے، ان کے آنے تک انتظار وہ کر نہیں سکتی تھی سو اماں حضو سے بات کرنے کی ٹھانی، ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے برتن سمیٹے اور اماں کے آنے کا انتظار کرنے لگی جو سکول کسی کام کی وجہ سے صبح سے گئی ہوئی تھیں، مڈل سکول کی ہیڈ مسٹریس ہونے کی وجہ سے اکثر چھٹیوں کے باوجود انہیں کسی دفتری کام کی وجہ سے جانا پڑ جاتا، گھڑی کی طرف دیکھتے دیکھتے وہ تھک چکی تھی، اس نے ایک نظر اٹھا کر گھڑی کی طرف دیکھا جو ڈیڑھ بجا رہی تھی، اسی پل گیٹ بیل کی آواز پر وہ ریموٹ صوفے پر پھینک کر باہر کو بھاگی، پنکھا فل سپیڈ میں آن کر کے اماں پرس سائیڈ پر رکھتے ہوئے چادر ڈھیلی کر کے صوفے پر بیٹھ گئیں، اس نے جلدی سے ٹھنڈے پانی کا گلاس انہیں لا دیا۔

''اماں آج تو کافی لیٹ ہو گئیں آپ۔''

اس کی بات ابھی منہ میں تھی جب گیٹ بیل ایک بار پھر چنگھاڑ اٹھی۔

''جاؤ دیکھو موحد ہو گا اکیڈمی سے بچہ گرمی میں کھپ کر آیا ہو گا۔'' اس کے دروازہ کھولنے پر واقعی آگے سے موحد تھا، اندر آ کر اس نے فریج سے فالسے کے شربت اور سادے پانی کی بوتل نکالی اور گلاس رکھ کر بڑے سے لاؤنج میں چلی گئی، اس نے شاید زیادہ ہی پیاس لگی تھی، جبھی پانی کی تقریباً ساری بوتل ہی خالی کر دی۔

''بیٹا شربت بھی لے لو نا۔'' اماں کے لہجے میں کتنی مٹھاس تھی اسماء حسن نے حسرت سے اماں کو دیکھا تھا۔

''پتا نہیں مجھ سے بات کرتے ہوئے اماں کیوں انگارے چبانے لگتیں جبکہ باقی سب کے ساتھ ان کا رویہ حد درجہ میٹھا ہوتا تھا، شہد یا رس ملائی کی طرح کا۔'' اپنی سوچوں سے وہ اماں کی آواز سن کر نکلی تھی۔

''اسماء جاؤ موحد کے لئے کھانا لے آؤ، بیٹا تم فریش ہو آؤ تب تک۔'' اسے سن کر حیرانی ہوئی کیونکہ کھانا تو ابھی اماں نے بنانا تھا، پھر وہ

کہاں سے لاتی جب بھی اس نے اماں سے کبھی تو اماں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''صبح تمہیں جاتے ہوئے کہہ کر گئی تھی کہ میں لیٹ ہو سکتی اس لئے کھانا بنا لینا۔'' اماں کی بات پر وہ حیرت سے اچھل پڑی، ذہن میں اچانک ہی جھما کا ہوا تھا صبح میں اماں اس کے کمرے میں آئی تو ضرور تھیں مگر کہا کیا یہ اسے یاد نہ تھا اور یقیناً اس نے نیند میں ہی ہاں بھی کہہ دیا ہوگا اور اب اماں سے اس کی جو عزت افزائی ہوئی تھی اسے سوچ سوچ کر اسے جھر جھری آئی تھی۔

''اماں میں نیند میں تھی مجھے پتا ہی نہیں لگا۔'' وہ منمنائی تھی۔

''حد ہے لاپرواہی اور غیر ذمہ داری کی اسماء اک سونا ہی تو آتا ہے یا کھانا اور فضول ہانکنا، چلو مان لیا صبح نیند میں ہو گی مگر جب اٹھی سوچ لیتی کہ کچھ بنانا ہے، خود تو ناشتہ ہی بارہ بجے کیا ہوگا مگر باقیوں نے صبح کا کھایا ہوا تھا، روزے تھوڑی رکھے ہیں۔''

''خالہ جان چھوڑیں کیوں غصہ ہو رہی آپ، میں باہر سے کھانا لے آتا ہوں کوئی مسئلہ نہیں، موحد وقار بیچارا تو شرمندہ ہو گیا تھا اسے لگ رہا تھا خالہ اس کی وجہ سے زیادہ شرمندہ ہو رہیں۔''

''ارے نہیں بیٹا تم جاؤ فریش ہو میں کچھ بنا لیتی فوراً۔'' مگر موحد نے اماں کی ایک نہ سنی اور بائیک لئے واپس چلا گیا، پیچھے جو اماں سے پھوہڑپن کے ایسے طعنے ملے کہ بس نہ پوچھو۔

☆☆☆

''تمہاری خالہ بھی چار دن رہ کر تمہیں اچھے سے پرکھ گئیں جبھی تو کل فون پر اطلاع دے رہی تھیں کہ سارہ کا رشتہ فائنل کر کے وہ اب موحد کے لئے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں ایک دو کا مجھ سے ذکر بھی کیا میں کہا کہتی جب اپنا ہی سکہ کھوٹا ہو، مجھے تو یقین ہے کہ وہ یہاں سارہ کے رشتے کے متعلق مشورہ کرنے کا بہانہ کیے بھانجی کا مشاہدہ کرنے آئی تھی۔'' اسماء حیرت سے سن رہی تھی، بے عزتی اور خفت نے یکدم اس پر حملہ کیا تھا، موحد وقار سے اسے کوئی محبت شحبت نہ تھی اس کا تو خود ارادہ تھا کہ اگر خالہ نے ایسی کوئی بات کی تو وہ فوراً انکار کر دے گی مگر یہاں تو الٹا اس کی عزت نفس پر ڈائریکٹ حملہ ہوا تھا ایک طرح سے اسے ریجیکٹ کر کے خالہ نے اس کی کھلی بے عزتی کی تھی ایک تو اسے بلاوجہ ہی غصہ آ رہا تھا اور اوپر سے اماں کے فرمودات اسے تو مانو آگ ہی لگ گئی۔

''شکر ہے انہوں نے خود ہی رستہ بدل لیا کیونکہ ادھر سے انہیں مایوسی ہو ہونی تھی مجھے ویسے بھی ان کے فضول بیٹے سے ذرا دلچسپی نہیں، شکر ہے بلا ٹلی۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی پیر پٹختی باہر نکل گئی، پیچھے اماں نے اپنا سر تھام لیا آخر کیا بنے گا اس لڑکی کا بجائے خود میں بہتری لانے کے شکر ادا کر رہی ہے اللہ جانے کیوں اتنی غیر سنجیدہ اور لاپرواہ ہے اگلے گھر سو باتیں سننی پڑتی ہیں اچھی خاصی سگھڑوں کو، یا اللہ، اماں واقعی اس کے متعلق سخت پریشان تھیں کل سے تو ان کا سکون ویسے ہی غارت ہو گیا تھا جبکہ حسن صاحب نے انہیں تسلی بھی دی کہ ''بچی ابھی اور جو بھی اس کا نصیب ہوا ضرور ملے گا، مگر مائیں کہاں ایسی تسلیوں سے تشفی پاتی تھیں۔''

☆☆☆

اسماء حسن پر صرف ایک یاسیت کا دورہ پڑا تھا اگلے دن وہ پھر اپنی اصلی فارم میں تھی حرا کو سب بات وہ فون پر سنا چکی تھی اور اب پیٹ ہلکا ہونے پر وہ خود کو ہلکا پھلکا تصور کر رہی تھی، کتنے دن سے بھائی میاں والا معاملہ لیٹ ہو رہا تھا سو اس نے آج تو ہر صورت بات کرنے کی ٹھانی اور پھر مناسب موقع دیکھ کر اماں کو سب بتا دیا، اماں حیران پریشان اسے دیکھ رہی تھیں، کیونکہ انہیں اس پر یقین نہ ہو رہا تھا مگر اس کی تفصیل یقین کرنے پر مجبور کر رہی تھی پھر وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔

''اماں سوچنے والی تو کوئی بات نہیں، حرا بہت ہی اچھی لڑکی ہے، ہائے اماں مجھے تو سوچ سوچ کر مزا آ رہا ہے، میں تو بھائی میاں کی شادی پر ساڑھی بنواؤں گی۔'' جوش میں اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ ابھی امی کو لے کر رشتہ لینے چل پڑے مگر اماں نے سوچنے کا کہہ دیا تھا۔

''اچھا جو بنوانا ہو گا بنوا لینا، اب جاؤ تمہارے ابا اور بھائی آئے ہیں تو کچھ سوچتے ہیں۔''

''ہائے سچ اماں آپ ساڑھی بنوانے دیں گی۔'' وہ تو خوشی سے ان کے گلے لگ گئی، اماں اس کے بھینچنے پر مسکرا پڑیں اور اس کی پیشانی چوم لی، وہ تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

''اماں، میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔'' وہ گرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی تو اماں نے مصنوعی گھوری سے اسے دیکھا تھا جس پر وہ ایک بار پھر زور سے ان کے گلے لگ گئی۔

خوشی ایسی بے پایاں تھی کہ سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی اور تو اور اس نے حرا کو بھی فون پر اطلاع دے دی۔

☆☆☆

لان میں جھولا جھولتے ہوئے ہینڈ فری لگائے وہ ساتھ ساتھ اونچی آواز میں گنگنا رہی تھی، بالکونی میں بیٹھا کتاب پڑھتا موحد وقار کب سے اس کی بھونڈی آواز سے ڈسٹرب ہو رہا تھا، مگر وہ تھی کہ مگن انداز میں گانے میں مگن تھی آخر کار اس نے تنگ آ کر کتاب چیئر پہ پٹخی تھی۔

جانے ساری خدائی میں تیرا ہوں شیدائی
اک تو ہی نہ جانے ماہیا
خواہشوں کی دہائی
دھڑکنوں میں سمائی
دل تجھی کو پہچانے ماہیا
خوشبو تیری جہاں ڈھونڈو تجھے وہاں
نا ہو میری انکھیوں سے دور میرے چین ماہیا
میں تیرے نال نال رہنا میں تیرے نال نال رہنا
میں تیرے نال نال رہنا ماہیا

وہ جو اس کی ٹھیک ٹھاک خبر لینے آیا تھا اس کے خوشی سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اور اس کے الفاظ سن کر ایک پل کو تو وہ بے ساختہ رکا تھا مگر دوسرے ہی پل اس نے اس کی ہینڈ فری کان سے نکالی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''حیرت انگیز طور پر وہ اس کی حرکت پر چیخی نہ تھی، بلکہ اسے گھنے پر کہ یہ اسپیکر کم کر دکیوں لوگوں کو بہرا کرنے کا ارادہ۔'' اس بات پر بھی وہ چیخنے کی بجائے خوشگواریت سے ہنس دی تھی۔

''موحد وقار آج میں بہت خوش ہوں اسی لئے تمہاری گستاخی معاف کی۔''

''کیوں آج کیا خاص بات ہے؟'' وہ اس کے شاہانہ انداز پر بے طرح محظوظ ہوا تھا اسی لئے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''جناب آپ کو جلد خبر ہو جائے گی۔'' موحد وقار کو جو خبر ہوتی سو ہوتی اس سے پہلے اس کی خبر لے لی گئی، رات میں ہی اماں نے اسے اپنے کمرے میں حاضر کر لیا وہ جو خوشی خوشی گئی تھی واپسی پر اس کا سرخ چہرہ ایسے سوجا ہوا تھا جیسے کسی نے مار مار کر کیا ہو مگر وہ کیا کہتے ہیں نا ''زبان کی

مار۔" اسے وہی پڑی تھی اور ایسی کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے، دروازہ کھلنے کی آواز پر ٹی وی سے نظریں ہٹا کر موحد نے بے دھیانی میں دیکھا تو اسماء کو چپ چاپ حد درجہ برامنہ لئے نکلتا دیکھ کر اس نے بے ساختہ ہی اسے آواز دے ڈالی۔

"کیا ہوا اسماء؟" مگر اسماء بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

"اللہ جانے کیا مسئلہ ہے جو نا تو ریپلائے کر رہی ہے اور نہ ہی کال ریسیو کر رہی ہے۔" حرا کل رات سے اسماء کو میسجز کر رہی تھی مگر جواب ناپید اور اب تو اس کا فون ہی آف مل رہا تھا، آخر مجبور ہو کر اس نے لینڈ لائن نمبر پر کال ملائی تو آگے سے اس کے بھائی میاں کی آواز سن کر اس کے چھکے چھوٹ گئے، مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق ان کے پوچھنے پر اسے اپنا تعارف کرانا پڑا، دوسری طرف چند پل کے لئے خاموشی چھا گئی تھی، پھر اسماء کے بارے میں پوچھنے پر کہا گیا کہ وہ سو چکی ہے۔

"نو بجے ہی سو گئی۔" حرا نے حیرت سے گھڑی کو دیکھ کر سوچا تھا، وہ فون بند کرنے والی تھی کہ دوسری طرف کی آواز سن کر وہ بے ساختہ رک گئی تھی۔

"حرا اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں ایک بات کر لوں آپ سے۔" حرا کے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے، مری مری آواز میں اس نے "جی" کہا تھا۔

☆☆☆

"اسماء کو بھی بلا لو۔" کھانے کی میز پر سب میں اسماء کو غائب دیکھ کر حسن صاحب نے کرسی نکال کر بیٹھتے ہوئے ڈونگا میز پر رکھتی بیگم کو کہا تھا۔

"اسے بھوک نہیں شام میں کوئی ہلکی چیز کھا لی تھی شاید۔" تیکھے چتونوں سے سنجیدگی سے کہہ کر وہ ان کے دائیں طرف والی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

"ابھی تک ناراض ہے وہ۔" موحد نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تھا، بھائی میاں البتہ بغیر کسی تاثر کے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

"حسن صاحب آپ کھانا کھائیں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" انداز صاف ٹالنے والا تھا یا شاید وہ موحد کی موجوگی کی وجہ سے وہ ذکر چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں جو بھی تھا موحد چونکا ضرور تھا، اس رات والے واقعے کے بعد جب وہ سوجے منہ کے ساتھ کمرے سے نکلی تھی اس کے بعد سے وہ اسے نظر نہیں آئی تھی وہ بھی اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ تھا لوگوں کی ٹوہ میں رہتا نہیں تھا ورنہ پہلے ہی چونک جاتا کیونکہ ناشتے کی میز پر تو خیر وہ نہیں ہوتی تھی، مگر دوپہر اور رات کو سب ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے اور اکثر ہی وہ ان دونوں وقت خالہ سے ڈانٹ کھاتی پائی جاتی تھی کام خصوصاً کھانے پکانے سے تو وہ بھاگتی تھی اور پھر کھانا بھی پسند کا چاہیے ہوتا تھا، دو دن سے اس نے اس کی کلاس لگتے نہیں دیکھی تھی، یقیناً کوئی بات تو تھی مگر اس کی بلا سے، ایک بار پھر سب جھٹک کر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا، اسی پل اس کے فون کی بیل ہونے لگی تھی۔

"امی کی کال ہے۔" کال پک کرنے کے ساتھ ہی اس نے خالہ کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا، کچھ دیر بعد وہ واپس آیا، تو خالہ کے خیر خیریت پوچھنے پر تفصیلاً بتانے لگا۔

"امی آپ سب کو سلام کہہ رہی تھیں۔"

کہہ رہی تھیں کہ اس ویک اینڈ گھر آ جاؤں سارہ کو دیکھنے کچھ لوگ آنا چاہ رہے ہیں نا۔"

"ہاں بیٹا ایسے موقعوں پر بھائیوں کا ہونا ضروری ہے، ساجدہ (موحد کی والدہ) نے مجھ سے بھی ذکر کیا تھا، اچھے شریف لوگ ہیں مجھے تو لگتا ہے رسم وغیرہ بھی کل ہی کر دیں گے کیونکہ پسند تو پہلے ہی کر چکے ہیں، خیر اللہ خیر سے تمام مراحل طے کرائے۔"

"آمین۔" بھائی میاں نے ماحول کی سنجیدگی کو دور کرنے کی غرض سے خوشگواریت سے آمین کہا، تو موحد سمیت سب مسکرا دیئے۔

"ویسے یار موحد مجھے تو لگتا ہے خالہ سارہ کے ساتھ ہی تمہیں بھی فارغ کرنے کا ارادہ رکھتیں ہیں۔" حسن صاحب اٹھ کر جا چکے تھے ماجدہ بیگم برتن سمیٹ رہی تھیں۔

"ہاہاہا۔" وہ خوشگواریت سے ہنس دیا تھا۔

"ارے بھائی میاں آپ کو شادی کی ضرور جلدی ہے مگر اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ میرا بھی ایسا کوئی ارادہ ہے، ماؤں کا کیا ہے انہیں تو بیٹوں کے سر پر سہرا سجا دیکھنے کی ویسے ہی بڑی جلدی ہوتی ہے۔"

"دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں اوپر اوپر سے خالہ کو قصوروار ٹھہرایا جا رہا ہے۔" وہ دونوں تو باتیں کرتے کرتے اٹھ کر چلے گئے جبکہ ماجدہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس ہوا میں خارج کی اور کچن کا رخ کر لیا۔

☆☆☆

موحد نے چائے کے کپ ٹرے میں رکھے اور ایک نظر کچن کی کھڑکی سے لان کی طرف دیکھا تھا، چھوٹے سے لان میں اترتی سیڑھیوں پر وہ کب سے ایک ہی پوزیشن میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، جب وہ اکیڈمی سے واپس آیا تھا تب وہ اسے لاؤنج میں نظر آئی تھی، ہلکی ہلکی بوندا باندی کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی میٹھی سی ہوا چل رہی تھی، شام کی خوبصورت فضاء کو چار چاند لگ گئے تھے پرسکون ماحول اور ہر سو چھائی خاموشی اعصاب کو جیسے تر و تازہ کرنے کا باعث بن رہی تھی۔

"خیریت تو ہے تم گھر پر ہو جبکہ میرے خیال سے باقی سب بھائی میاں کے رشتے کے سلسلے میں گئے ہوئے ہیں۔" اس کی بات پر دوسری جانب سے جب کوئی جواب موصول نہ ہوا تو اسے تشویش ہونے لگی۔

"اسماء! خیریت تو ہے؟" اب کے وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"اسماء...... اسماء؟" اس نے نرمی سے پکارا تھا کیونکہ اسے یک دم لگا جیسے اس کا جسم ہولے ہولے ہل رہا ہے تو کیا وہ رو رہی تھی مگر کیوں؟

اس کیوں کا جواب اس کے بے حد اصرار کے بعد اس نے روتے ہوئے دیا تھا وہ جانے کب سے رو رہی تھی، جبھی اس کی آنکھیں چہرے سمیت سرخ ہو رہی تھیں، اس کا جواب سن کر موحد کو نا صرف حیرت کا جھٹکا لگا بلکہ ہنسی بھی آئی تھی۔

"یہ لڑکیاں واقعی بیوقوف ہوتی ہیں اس کا اندازہ اسے اب حقیقی طور پر ہوا تھا۔" خیر ہنسی کو کنٹرول کر کے اس نے اسے پانی لا کر دیا تھا، دو گھونٹ پینے کے بعد کہ اس نے گلاس واپس رکھ دیا تھا۔

"میں مانتی ہوں میری غلطی ہے مگر میں نے کون سا جان بوجھ کر کیا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ حرا کی معلومات اور اس کے گھر جانے کو بے چین اس کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی کرایہ دار حورین آپی کی وجہ سے تھے، اس دن انہوں نے خود کہا

کہ وہ ہادیہ ہے نا تمہاری دوست، اب مجھے کیا خواب آنا تھا کہ یہ ادھوری بات ہے پوری بات تو یہ تھی کہ وہ ہادیہ ہے نا تمہاری دوست ان کے کرایہ داروں کی بیٹی حورین ہی وہ لڑکی ہے۔'' اماں کی انٹری کی وجہ سے بات رہ گئی اور مجھے لگا، وہ اک لمحے کو چپ ہو گئی تھی انداز شرمندہ شرمندہ سا تھا۔

''ہائے اللہ! میں کس منہ سے حرا کو فیس کروں گی میں نے تو اسے جانے کیا کہہ کہہ کر سہانے خواب دکھائے تھے۔''

''بھئی مانیں نا مانیں غلطی تو آپ کی بھی بنتی ہے آپ کو بغیر کنفرم کیے ایسی کوئی بات اپنی دوست سے نہیں کرنی چاہیے تھی، خیر دوسری غلطی کی سب معلوم ہونے کے بعد اسے نا بتا کر کی ہے ایسے اسے زیادہ دکھ بلکہ تکلیف ہوئی ہوگی۔'' اس نے سنجیدگی سے تجزیہ کیا تھا۔

''مگر......!'' وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی، دکھ تھا تو کسی طور کم نہ ہونے پا رہا تھا۔

''اب کیا ہو سکتا سو خود کو سنبھالو، تمہیں آج جانا چاہیے تھا جا کر اس سے بات بھی کر لیتی۔''

''ایک تو میری اتنی بے عزتی کی اماں اور بھائی میاں نے، بھائی میاں تو اتنا غصے ہوئے کہ زندگی میں کبھی نہ ہوئے ہوں گے کوئی مجھے بھی تو سمجھے میں نے جان بوجھ کر تھوڑا کیا، الٹا سب ناراض بھی ہو گئے، اماں نے تو اب تک بلایا نہیں جبکہ بھائی میاں جاتے جاتے سرسری سا ساتھ جانے کا کہہ کر فرض ادا کر گئے، اکلوتی چھوٹی بہن ہوں ان کی مگر نوکر سے بھی کم حیثیت میری اس گھر میں۔'' موحد کے چہرے پر اس کی بات سے چھانے والی مسکراہٹ اسماء حسن کی آنکھوں سے مخفی نہ رہ سکی تھی، جبھی وہ اور تپ گئی تھی۔

''ہنس لو ہنس تو میری حالت پر۔'' ساتھ میں دو آنسو بھی لڑھک کر گالوں پر بکھر گئے تھے، موحد کی ہنسی کو یک دم بریک لگ گئے تھے۔

''کسی کو مجھ سے پیار نہیں، کسی کو پرواہ نہیں، جب سگے ماں باپ کو پرواہ نہیں تو دوسرے خاک کریں گے۔'' وہ حد درجہ جذباتی ہو رہی تھی دو دن سے اکیلے کڑھ رہی تھی آج لاوا نکلنے کا موقع ملا تھا۔

''تمہاری حالت دیکھ کر تھوڑی ہنس رہا ہوں وہ تو تم اس غمزدہ حالت میں بھی اتنی معصومانہ باتیں کر رہی ہو کہ دل بیچ بیچ پگھل رہا ہے۔'' لہجہ سنجیدہ تھا البتہ آنکھوں کی شرارت اور ہونٹوں کے کونوں میں دبی ہنسی راز فاش کر رہی تھی۔

''تم۔'' افسردگی کی جگہ یکدم غصہ نے لی پھر انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتی نہ جانے کیا کہنے والی تھی کہ یکدم چپ کر کے اٹھ کر لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر غائب ہو گئی، ٹھک سے دروازہ واپس اپنی جگہ لگا تھا، موحد نے اک نظر اس جگہ کو دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے اسماء موجود تھی اور پھر چائے اٹھا کر پیتے ہوئے وہ موسم انجوائے کرنے لگا، کچھ دیر پہلے کا اسماء کا تپا تپا چہرہ ذہن میں آیا تو ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

منہ سر لپیٹے اسماء حسن پڑی ہوئی تھی، بھائی میاں کا رشتہ قبول کر لیا گیا تھا اور اسی سلسلے میں اماں نے آج سارے محلے میں مٹھائی تقسیم کی تھی، اسے تو کسی نے لفٹ بھی نہ کروائی تھی، دل اتنا اداس اور غمگین ہو رہا تھا کہ حد نہیں، ان دنوں میں وہ وقفے وقفے سے رونے کی کئی سیشن لگا چکی تھی، اماں تو خیر اس لسٹ سے ہی خارج تھیں مگر ابا میاں اور بھائی میاں نے بھی اسے منانے کی زحمت نہیں کی تھی دراصل بات یہ تھی کہ سب نے

اسے فارمل انداز میں ٹریٹ کرنا شروع کر دیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو، دوپہر میں جب وہ بھوک سے تنگ آ کر کھانا نکال کر کمرے میں جانے لگی تو اماں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''بھوک لگی ہے تو سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔'' پہلے تو وہ غصے کے مارے کمرے میں چلی گئی مگر جب بھوک سے رہا نہ گیا تو جانا پڑا، سب نے اس کے آنے کا نوٹس نہیں لیا تھا مگر جانے کیوں اسے لگا کہ سب اسے نظر انداز کر رہے ہیں جبکہ ابا نے کئی بار اسے ٹوکا کہ ''کھا کیوں نہیں رہی بیٹا!'' وہ کیا بتاتی اس کا دل بار بار بھر آ رہا تھا لگتا تھا آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹک گیا ہو رات کے کھانے پر بھی وہ کمرے سے نہ نکلی اور نہ ہی کسی نے اسے بلایا تھا، کئی آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں سے گزرتے تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔

اسی اثناء میں اس کے کمرے کا دروازہ دھڑام سے کھلا تھا اس نے جلدی سے آنسو رگڑ کر پونچھ ڈالے، رخ موڑ کر دیکھنے پر کہ کون آیا ہے، اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ڈیئر۔'' ایک کورس میں سب گا رہے تھے، منہ پر ہاتھ رکھے وہ ششدر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی، ابا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کر خود میں بھینچا تو وہ رو دی، پھر پہلے سب نے اسے چپ کروایا اور ان سب میں حرا کو دیکھ کر اسے حیرت کا دوسرا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''رات کے بارہ بجے حرا اس کے گھر۔'' یہ سوال جواب تو بعد میں بھی ہو سکتے تھے کیونکہ حرا آج یہیں رات رکنے والی تھی اور یہ خصوصی پیشکش ماجدہ بیگم کے بے حد اصرار کے بعد حرا کی امی نے قبول کی تھی۔

''دراصل اوپر والی آنٹی کے ساتھ میں اور امی بھی بات پکی ہونے کی خوشی میں مٹھائی دینے آئے تھے، تم کمرے سے نکلتی تو تمہیں ہوش آتا میں تو دو گھنٹے سے آنٹی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔'' حرا کے اطمینان سے کہنے پر وہ حیران پریشان منہ کھولے اسے دیکھنے لگی پرانی باتوں کا شائبہ تک اسے کے رویے سے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا تھا، ملگجے کپڑوں اور الجھے بکھرے بالوں سمیت ستے چہرہ عجیب سا حلیہ پیش کر رہا تھا، اور اوپر سے بات بات پر دانتوں کی نمائش کرتی اسماء حسن اتنی مضحکہ خیز لگ رہی تھی کہ بھائی میاں سمیت موحد وقار نے بھی اس کی خوب واٹ لگائی تھی، اسی ہنسی مذاق اور ڈھیروں پیار بھری مسکراہٹوں کے سائے میں اس نے کیک کاٹا تھا، ابا نے پیسے گفٹ کیے جبکہ اماں نے Khaddi کا خوبصورت سا لباس جبکہ بھائی میاں نے فون گفٹ کیا تھا جسے دیکھ کر وہ بے ساختہ بھائی میاں کے گلے لگ گئی تھی، انسان واقعی جلد باز ہے، کاموں میں بھی جلد بازی دکھاتا ہے اور رشتوں اور رویوں کو پرکھنے میں بھی۔

موحد اور حرا نے گفٹ پینڈنگ رکھا تھا کیونکہ انہیں عین موقع پر اطلاع ملی تھی سب کے جانے کے بعد جب وہ دونوں اکیلی رہ گئیں تو اسماء کچھ کہنے والی تھی، جسے سمجھتے ہوئے حرا نے اسے ٹوکا تھا۔

''یار پلیز زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں، یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی جس پر اتنے دن یوں ماتم منایا جاتا، پاگل اسے کہتے ہیں نصیب کے کھیل، ایک بار دیکھنے پر ہی بھائی میاں ہماری حسین سی حورین آپی کے دیوانے ہو گئے تھے تمہیں یاد ہوگا چھٹیوں سے کچھ عرصہ پہلے ابو جی مجھے ملنے آئے تھے تب تم نے گھر سے کچھ

چیزیں منگوائی تھیں بس وہی چیزیں دینے بھائی میاں ہمارے گھر گئے اور حورین آپی کو دل دے آئے، حورین آپی کی حالت دیکھنے والی تھی یہ سب سن کر وہ تو میں نے جب ان کی بھائی میاں سے بات کروائی تو انہیں یقین آیا اور وہ کیا کہتے ہیں ''آگ ہے دونوں طرف برابر لگی ہوئی'' اب تو یہ حالت ہے۔'' اس بات پر وہ دونوں ہنسنے لگیں تب یکدم ہی خیال آنے پر اسماء رکی تھی۔

''تمہیں یہ سب تفصیل کس نے بتائی اور کس کے کہنے پر تم وچولن کا کردار نبھا رہی تھی۔''

''راز کی بات ہے خیر کیا یاد کرو گی بتا دیتی ہوں۔'' مسکرا کر وہ بولی تو اسماء نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا۔

پھر حرا نے اپنی پریشانی سے لے کر اسماء کے گھر کال کرنے سے لے کر بھائی میاں کی بتائی سب باتیں بتا ڈالیں۔

''اس روز بھائی میں نے مجھے تفصیل سے ساری غلط فہمی کے متعلق آگاہ کیا اور پھر حورین آپی کے متعلق بھی بتایا تھا اور ساتھ میں معذرت بھی کی تھی۔''

''بیٹا آپ بھی مجھے اسماء کی طرح عزیز ہو، وہ سب سے ناراض ہوئی بیٹھی ہے اماں تو بے حد پریشان ہیں۔''

''بھائی میاں آپ سمجھیں کہ ایسی کوئی غلط فہمی ہمارے درمیان ہوئی ہی نہیں اور جہاں تک بات اسماء کی ہے اسے اس کے حال پر کچھ دیر چھوڑیں کیونکہ مجھے اس پر بہت غصہ کہ اس نے پہلے ہی یہ بات مجھے کیوں نہ بتائی، پاگل اگر بتا دیتی تو میں بھلا کیوں برا مانتی، اب جب تک وہ خود رابطہ نہیں کرتی میں اسے بتانے والی نہیں۔''

''لیکن بیٹا وہ بہت ناراض ہے۔''

''آپ اس کی فکر مت کریں، ویسے ایک بات بتاؤں حورین آپی بہت اچھی ہیں اگر بات کرنے کو جی چاہ رہا تو کرواؤں۔'' ان کے بیٹا کہنے اور بے تکلفی سے وہ پرسکون ہو کر بات کر رہی تھی۔

''نہیں بیٹا، اماں رشتہ لے آئیں پھر۔'' بھائی مسکرا کر بولے تھے۔

''اللہ! تو یہ سب تمہاری کارستانی تھی ورنہ میں بھی کہوں بھائی میاں کچھ دیر کی میری ناراضگی برداشت نہیں کرتے کجا کہ تین دن۔'' اسماء حسن غصے سے اس پر جھپٹی تھی اور کچھ دیر بعد وہاں ہر طرف سر کشن بکھرے پڑے تھے اور ان دونوں کی ہنسی کی جھنکار کمرے میں گونج رہی تھی۔



تین ماہ کی چھٹیاں کیسے پر لگ کر گزریں پتا ہی نہ لگا، ہاسٹل واپس جانے کا سوچ کر ہی اسماء اور حرا دونوں کا بی پی ہائی ہو رہا تھا ہفتہ پہلے ہی دونوں نے رولا ڈال دیا تھا، اتنی طویل چھٹیوں کے بعد واپس جا کر سیٹ ہونا بڑا ہی مشکل لگتا ہے حرا تو پھر تھوڑا حوصلہ کر لیتی تھی مگر اسماء تو رو رو کر نہ صرف خود کو ہلکان کیے رکھتی تھی بلکہ گھر والوں کو بھی پریشان کیے رکھتی۔

''اماں! میرا ذرا دل نہیں کر رہا ہوسٹل جانے کا۔'' روہانسی سی وہ بولی تھی ماجدہ بیگم کی گود میں سر رکھے وہ لاؤنج کے صوفے پر لیٹی ہوئی تھی۔

''جانا تو ہے بیٹا تو اداس ہونے کا فائدہ، آخری سال ہے اللہ خیر خیریت سے گزار دے، کتنا کہا تھا میں نے تمہارے ابا سے کہ یہیں سے بی ایس سی کروا لو لیکن نہیں بی ایس کے لئے دوسرے شہر بھیج دیا، تم تو ابھی سے دور ہو گئی ہو ورنہ بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن، ان چار سالوں میں آنے جانے کی بھاگ دوڑ، پھر جب مستقل

طور پر واپس آؤ گی تو اگلے گھر بھیجنے کی تیار ہو جانی ہے۔'' گہری سانس بھر کے وہ بولیں تو اسماء نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''اماں! مجھے نہیں کرنی اتنی جلدی شادی، ہاسٹل میں جاتے ہوئے جان جاتی ہے جبکہ پتا ہے کہ وہاں نہ تو مستقل طور پر رہنا ہے اور پھر کچھ دن بعد گھر کا چکر بھی لگا لینا ہے جبکہ سسرال میں تو ساری عمر گزارنی ہوتی ہے۔'' سوچ کر ہی اسے جھرجھری آ گئی تھی اور دل بھر گیا تھا۔

''یہی دستور ہے بیٹا اور بعد میں وہی گھر اتنے اپنے لگتے ہیں کہ کئی دن تو چھوڑو کئی کئی مہینوں کے بعد عورتیں میکے جاتیں اور وہ بھی گھڑی دو گھڑی رہ یہ سب بھی تب تک ہوتا جب تک ماں باپ بیٹھے ہوتے، ان کے بعد تو وہی گھر پرایا لگتا، کاٹنے کو دوڑتا۔'' اماں کا میکہ کراچی میں تھا، بچپن میں تو وہ ہر سال وہاں کا چکر لگاتے پھر آہستہ آہستہ وہ دونوں بہن بھائی پڑھائی کی مصروفیت کی وجہ سے نہ جا پاتے جبکہ اماں پھر بھی جاتی تھیں، لیکن نانا، نانی کی وفات کے بعد اماں سالوں چکر نہ لگا تیں اور یہی حال ماموؤں کا تھا، اپنے والدین کو یاد کر کے اماں کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اماں کیوں رو رہی ہیں ہم ہیں نا آپ کے پاس۔'' اٹھ کر وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولی تو اماں نے اس کا گال چوم لیا۔

''اماں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ وہی بہن بھائی جن میں پہلے جان ہوتی ہے وہی پرائے ہو جاتے ہیں، کیا بھائی میاں بھی مجھے بھول جائیں گے لیکن وہ تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔'' سنجیدگی سے پوچھتی وہ انہیں اس پل بے تحاشا معصوم لگی تھی، اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتیں بھائی میاں کی آواز پر ان دونوں ماں بیٹی نے مڑ کر دیکھا تھا جہاں بھائی میاں بیگ رکھ کر صوفے پر آ گرے تھے اور ان کے پیچھے آتا موحد بھی فون سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر ان کے برابر میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''میری چندا میں تو میری جان ہے کیا کوئی اپنے آپ کو بھول سکتا، کیوں بتاؤ بھئی موحد اب۔'' موحد بیچارا کیا جواب دیتا وہ حیران پریشان ان تینوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا سفر کی تھکان سے پہلے ہی برا حال تھا۔

''جاؤ چندا پانی لاؤ بیچارا صاحب لگتا زیادہ ہی تھک گئے ہیں۔'' موحد دو دن سے اپنے شہر گیا ہوا تھا چونکہ کل سے کالجز کھل رہے تھے اس لئے وہ آج واپس آ گیا تھا۔

''ویسے بات کیا ہو رہی تھی؟'' پانی پینے کے بعد اس نے خالہ کو باری باری سب کا حال احوال سنایا اور پھر یاد آنے پر پوچھا تو اماں بتانے لگیں کہ کل ہاسٹل جانے کا سوچ کر اسماء پریشان ہو رہی تھی اور پھر ہوسٹل کا سسرال سے موزانہ اور پھر اس کا سوال جب دہرایا تو بھائی میاں کے ساتھ ساتھ موحد وقار بھی مسکرانے لگا۔

''بیٹا اس کا سوال بھی جائز ہے آج کل کے دور میں خون سفید ہو گئے ہیں لوگ رشتہ داریاں صرف ان سے رکھتے جن سے وہ فائدہ یا غرض ہو۔''

''اماں یہ تو اپنی اپنی ترجیحات کی بات ہے نا، جو چیز یا رشتہ اہم ہوتا، اس کے لئے وقت نکال ہی لیتا ہے انسان چاہے وہ کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو۔'' بھائی میاں نے اپنا نکتہ دیا۔

''صحیح کہہ رہے ہو یار، مشینی دور ہے ہر انسان پیسے کے پیچھے دوڑ رہا میاں بیوی دونوں کما رہے لیکن نا تو اولاد کے لئے وقت ہے اور نا

ہی کسی اور رشتے کے لئے۔'' موحد بولا تو ماجدہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

''بیٹا سارا قصور انسانوں کا بھی نہیں مہنگائی کا عفریت کسی کو جینے کہاں دیتا ایسی صورت میں آج کل کے دور میں متوسط طبقوں کے گھر ایک بندے کی کمائی سے کہاں چل سکتے، ہمارے ہاں میاں بیوی دونوں کا کمانا ضروری ہو گیا ہے بہتر اور روشن مستقبل کے لئے۔''

''اماں بس اسی لئے آپ میری شادی کسی امیر کبیر گھرانے میں کریں گی، بندہ سکون کی زندگی تو گزارے، ایک دفعہ تو زندگی ملتی وہ بھی ساری عمر دھکے کھا کر گزار لو۔'' کھانے کے لوازمات سے بھری ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ بولی تو اماں نے اس کے یوں آرام سے اپنی شادی کا ذکر کرنے پر اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

''ہاں تو صحیح تو کہہ رہی ہوں، میرے سے یہ نوکریاں نہیں ہوتیں کما کر بھی لاؤ اور گھر بھی سنبھالو پھر بھی بندوں کو قدر نہیں ہوتی فائدہ ایسی محنت کا۔'' بھائی میاں اس کی بات پر کچھ بولے نہیں بس مسکرا دیے جبکہ موحد وقار بغیر کسی تاثر کے بغور اس کی بات سن رہا تھا۔

''اسماء! جاؤ چائے لاؤ، یہ لڑکی تو فضول بولتی رہتی۔'' اسماء منہ بسور کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اماں کیوں ڈانٹ رہی ہیں، ہر شخص کی اپنی خواہش ہوتی، چندا جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا انشاء اللہ، بس اب سے کوئی امیر آسامی ڈھونڈنا شروع کر دیتے ہیں۔'' آخر میں وہ شرارت سے ہنس دیئے تھے، اسماء نے فخر سے بھائی کو دیکھا تھا اور کچن کی طرف چل دی، وہاں بھی اس کے کان باہر کی آوازوں کی طرف لگے ہوئے تھے اماں بھائی میاں سے کہہ رہی تھیں۔

''پگلی ہے وہ تو، بھلا یہ کہاں لکھا کہ دولت ہو تو زندگی پرسکون ہوتی ہے، اصل دولت تو دل کا سکون ہے جب یہ ہو تو انسان سوکھی روٹی اور چٹنی سے کھا کر بھی پرسکون رہ لیتا ہے، میاں بیوی کے درمیان محبت اور اتفاق ہو تو زندگی محلوں سے زیادہ خوبصورت لگنے لگتی ہے، میری تو اللہ سے یہی دعا کہ اس کا اچھے شریف اور عزت کرنے والے لوگوں میں نصیب جوڑیں، یہ سب ہمارے بزرگوں کی کہی باتیں ہیں اور سو فیصد درست ہیں اب میرے اور اپنے ابا کی مثال لے لو، اللہ کا شکر مطمئن اور ہزاروں سے بہتر زندگی گزار رہے، جانے ہماری نسل کے ذہنوں کو کیا ہو گیا، عزت، شرافت اور غرض کہ خوشیوں کا معیار بھی دولت کو بنا ڈالا۔'' اماں جذباتی ہو کر جو بولنے پر آئیں تو سب خاموش ہو گئے، چائے بناتی اسماء کے دماغ نے بھی ہر بات کی بھرپور تائید کی۔

''اماں بس قائل کرنا جانتی ہیں پر اثر لہجے سے آخر استانی جو ہوئیں۔'' اور دل اپنی اس کمینی سوچ کر خود ہی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا دماغ نے انگلیاں ٹھونس لیں کانوں میں۔

☆☆☆

ہاسٹل آتے ہی وہی روٹین شروع ہو گئی، صبح کالج پھر دوپہر میں ہاسٹل، کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں گھوڑے بیچ کر سو جاتیں، پھر شام میں ان کی آنکھ کھلتی تو اکثر ہی عصر کی نماز رہ جاتی جس پر وہ دونوں خود کو ڈھیروں ڈھیر لعن طعن کرتیں کیونکہ نماز وہ باقاعدگی سے پڑھتی تھیں اور اسے چھوڑنے پر سزا بھی مقرر تھی، یعنی ان دونوں میں سے جو نماز چھوڑے گا وہ دوسرے کو پیزا کھلائے گا وہ بھی ایکسٹرا لارج سائز، وہ کہتے ہیں نا اسٹوڈنٹس چاہے کسی بھی ادارے کے ہوں غریب ہی ہوتے ہیں سو اس طرح وہ آہستہ

آہستہ باقاعدہ ہو گئی تھیں، ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہر ہم زندگی کے ہر معاملے میں نافذ کر لیں تو بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں جیسے کہ اگر بچہ چوری کرے یا جھوٹ بولے تو ایک یا دو دن کے لئے اس کی پاکٹ منی بند کر دی جائے یا اگر کوئی سچ بولے اور چوری کی بجائے بتا کر چیز لے تو اسے انعام کے طور پر چیز ڈبل دے دی جائے، خیر بات ہو رہی تھی اسماء حسن اور حرا جواد کی باقی سب ان دونوں کا باتوں میں ادھر ادھر پھرنے میں یا پھر کوئی مووی وغیرہ دیکھنے میں گزر جاتا کبھی کبھی کتابوں کو بھی ہاتھ لگانے کی زحمت بھی کر لی جاتی آخر کار یاددہانی بھی تو ضروری تھی نا کہ وہ یہاں پڑھنے آئی تھیں، ہاسٹل میں رہنے والے طلبا اکثر اوقات یہ بات بھول جاتے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے اکتوبر سر پر آن پہنچا، اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں سارہ کی شادی تھی لڑکے والوں کے جلدی مچانے پر خالہ راضی ہوئی تھیں ورنہ موحد بھی اتنی جلدی شادی پر معترض تھا، اس تمام عرصے میں ان دونوں کا گھر کئی دفعہ چکر لگ چکا تھا، ہر کوئی اپنی روٹین میں بزی تھا، اسماء حسن کو تو ہر ویک اینڈ پر جا کر کپڑوں کی فکر پڑ جاتی اور وہ ایک دن بھی شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں بازار کی نظر ہو جاتا، آخر کار شادی کے دن بھی آ گئے، اماں تو دو روز پہلے ہی سکول سے چھٹیاں لے کر جا چکی تھیں، ابا اور بھائی میاں کو ٹائم کے ٹائم جانا تھا کیونکہ بھائی میاں کو دفتر سے بمشکل ایک چھٹی ملی تھی جبکہ ابا کسی کے گھر نا تو زیادہ رہ پاتے تھے اور نا ہی انہیں اتنی چھٹیاں ملنے کی امید تھی۔

☆☆☆

''یار تمہیں بتایا تو ہے بھائی میاں نے صرف بارات کا فنکشن اٹینڈ کرنا۔''

''موحد کو اپنے کسی دفتری کام کے سلسلے میں شاید اس کی پروموشن متوقع ہے اسی سلسلے میں یہاں کام تھا سو بھائی میاں نے اس کے ذمے ہی لگا دیا کہ وہ مجھے بھی لیتا جائے، اسے بھی سیدھا یہاں سے اپنے گھر جانا ہے بس اسی لئے میں موصوف کے ساتھ جا رہی، کوئی سپیشل وہ میرے لئے نہیں آ رہا، اب بھی ہوئی تسلی کہ نہیں۔'' جب سے اس نے حرا کو بتایا تھا کہ موحد اسے لینے آ رہا ہے تب سے وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''ائے ہئے جوان اور ہینڈسم مرد کے ساتھ خوبصورت دوشیزہ کو تن تنہا بھیج کر یہ دل ناتواں کیسے تسلی پا سکتا۔'' سنجیدگی سے اداؤں والے انداز میں اس کے کہنے پر اسماء کی یک دم ہنسی چھوٹ گئی اور حرا جو بمشکل دانت منہ میں دبائے بیٹھی تھی فوراً سے نکالنے لگی، حرا نے اس کا چھوٹا سا بیگ اور ہینڈ بیگ گاڑی میں رکھا اور اس کے گلے لگ گئی، اسما ئمنٹس منڈے کو جمع کروائی تھی اور اب تو اسماء کا کام بھی اسے ہی کرنا تھا اسی لئے حرا اس ویک اینڈ گھر نہیں جا رہی تھی، دعا سلام کے بعد وہ گاڑی میں آ بیٹھی تو موحد نے گاڑی آگے بڑھائی، آج کتنے ہی عرصے بعد ان دونوں کی ملاقات ہوئی تھی ورنہ وہ جب بھی ویک اینڈ پر گھر جاتی وہ اپنے گھر گیا ہوتا کیونکہ شادی کی ذمہ داریاں اس اکیلے پر تھیں۔

''بہت بہت مبارک ہو نئی گاڑی کی۔'' سچے دل سے اسماء نے کہا تو وہ مسکرا دیا، یہ گاڑی اس نے پچھلے ہی مہینے قسطوں پر لی تھی آدھی پے منٹ وہ کر چکا تھا اور آدھی آہستہ آہستہ کرنی تھی، اب ٹریٹ تو بنتی ہے سنا ہے پروموشن بھی ہو رہی اس لئے اس سے پہلے ہی دے دو ورنہ ایک پھر ہی، دو گے اور ہاں ٹریٹ مجھے دیئے گئے برتھ ڈے گفٹ جیسی ہرگز نہیں ہونی چاہیے، اس کی بات پر

وہ فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اتنا اچھا تو تھا سب سے الگ۔'' اور وہ الگ ایسا تھا، کہ اسے دیکھتے ہی اسماء حسن کا دل چاہا موحد وقار کا سر پھاڑ دے، برتھ ڈے کیک کاٹتے ہوئے کی ایک تصویر کو انلارج فریم کروا کر اسے گفٹ کی تھی جس میں اس کی حالت جو تھی سو تھی اس کے بال ایسے گھونسلا بنے ہوئے تھے جیسے ان کے عین درمیان ایٹم بم پھوڑا ہو، اسے دیکھ کر جہاں اسماء نے منہ بنائے اور موحد سے خوب لڑی وہیں باقی سب خوب ہنسے تھے اور اس پر ہی اکتفا کیا جاتا تو شاید وہ بھول جاتی مگر بھائی میاں نے اس تصویر کو لاؤنج میں لگا دیا اب جب اسماء کی نظر اس نمونے پر پڑتی دل سے موحد وقار کے لئے دعائیں نکلتیں، وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب موحد کی آواز پر واپس آئی۔

''یہ مہندی سے ہاتھ کیوں بھرے ہوئے ہیں؟'' سنجیدگی میں بھی شرارت پنہاں تھی، جسے وہ سمجھ نہ پائی جبھی تنک کر بولی تھی۔

''شادی پر جا رہی ہوں۔''

''اپنی تو نہیں، جو گوڈے گوڈے مہندی میں ڈوبی ہوئی ہو۔''

''اللہ! موحد اتنی نفیس اور پیاری مہندی لگاتی حرا سب اس کی تعریف کرتے ہیں نے تو اپنی شادی کے لئے بھی اس کے پاس ایڈوانس بکنگ کروالی ہے۔'' بولتے بولتے اس کے منہ سے بے دھیانی میں پھسل گیا تھا جس پر موحد کے ہونٹوں کے کنارے مسکراہٹ سے بھیگ گئے تھے اس نے ایک نظر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی بندی کو دیکھا جو دونوں بازو سیدھے کیے مہندی لگی ہونے کی غرض سے کھڑکی کی طرف منہ کیے بیٹھ چکی تھی، خفت و شرمندگی سے اس کا چہرہ اور کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو چکی تھیں، موحد نے ایک گہری نظر ڈال کر واپس سڑک پر گاڑھ دیں۔

''کیا سوچتا ہوگا موحد کسی بے شرم لڑکی ہے، اف اللہ ایک تو میرا منہ بھی زیادہ ہی کھلا ہوا ہے، اماں ٹھیک کہتی ہیں۔'' خود ہی سرزنش کرنے میں مگن تھی جب وائبریشن پر اس نے گود میں پڑے سیل کو دیکھا تھا، حرا کا میسج تھا۔

''جان من، دل کو سنبھال کر بیٹھنا۔'' ساتھ میں کئی زبان چڑانے والی سمائلیز تھیں، اسماء کے لب بے اختیار مسکرا اٹھے، اسے آتے ہوئے حرا کی باتیں یاد آنے لگیں۔

''دل سنبھال کر بیٹھنا ہم سفر کو ہی نہ دے دینا۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''یہ دل بڑا ڈھیٹ، جلدی کسی کی نہیں سنتا سو فکر نہ کرو۔'' اس نے لاپروہی سے کہا تو حرا ہنس دی۔

''دل کا کیا ہے دغا بازی کرنے پر آئے، اپنے مالک سے نظریں پھیر لیتا، دل بدلنے میں لمحوں لگتے۔''

''ارے جناب اسماء حسن کا دل تو اس کے دماغ کی نہیں سنتا اس کی اپنی ترجیحات ہیں ان سے پیچھے یہ کسی طور نہیں ٹھہرتا۔''

''یار اتنا غرور اچھا نہیں، یہ نا ہو دل ہی بغاوت کر جائے۔''

''ہاہاہا، ناممکن۔'' اسماء نے بے نیازی سے کہا تھا۔

گاڑی میں چھائی خاموشی یکدم بڑی معنی خیز اور بولتی ہوئی لگنے لگی تھی، اسی پل بے ساختہ اسماء حسن نے اس کی طرف دیکھا تھا اور اسی پل اتفاق کہہ لیجئے کہ موحد نے بے دھیانی میں دوسری جانب سرسری سا دیکھا، اک پل کے لئے دونوں کی نظریں ملی تھیں اور فوراً ہی موحد نے نظریں پھیر کر آگے ہو کر ایف ایم آن کر لیا تھا

کیسی گہرائی تھی اس کی آنکھوں میں جیسے کچھ کہہ رہی ہوں اسماء کے دل نے یکدم ایک بیٹ مس کی اور پھر اگلے ہی لمحے نارمل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے اسماء۔'' حرا کو گھر سے فون آیا تھا وہ سن کر وہ اندر آئی تو آتے ہی وہ اسماء پر چیخ اٹھی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' ہینڈ فری کان سے نکال کر وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''پاگل ہو گئی ہو تم جو اپنے لئے آیا رشتہ میرے گھر بھیج دیا امی نے بتایا ابھی اور یار یہ تو وہی رشتہ ہے جیسا تم چاہتی تھی عین خوابوں کے مطابق پھر کیوں؟'' حرا حیران کم پریشان زیادہ تھی، اس پر حرا کو اسماء نے جو تفصیل سنائی وہ جان کر وہ حیرت اور خوشی کے جذبے سے چیخ اٹھی تھی۔

''او مائی گاڈ، ایسا کیسے ہو سکتا ہے تم اسی شخص سے بندھنے جا رہی ہو جسے کبھی اہمیت نہ دی تھی تمہاری ترجیحات تو کچھ اور تھیں پھر اس شخص بقول تمہارے گدھے میں ایسا کیا نظر آ گیا کہ چند دن میں فیصلہ ہی بدل ڈالا۔''

''یار سچ کہوں تو مجھے ہمیشہ لگا کہ دولت سے ہر خوشی خریدی جا سکتی ہے، ہمیں ویسے بھاگ دوڑ نہیں کرنے پڑے گی جیسے ہمارے ماں باپ نے کی مگر تم جانتی ہو اس شخص کے سچے جذبوں کے آگے میں ہار گئی میرا دل ہار گیا اور دماغ جیت گیا، تم نے صحیح کہا تھا لمحوں کا کھیل ہوتا ہے میں نہیں کہتی کہ مجھے اس سے کوئی محبت وحبت ہو گئی ہے لیکن شاید اس راہ پر پہلا قدم ضرور رکھ چکی ہوں، اماں نے ٹھیک کہا تھا کہ دل پرسکون ہوں اور یہ تب ہی ہو سکتا جب پل کا کام محبت کرے دو لوگوں کے بیچ اور دل پرسکون ہوں تو اس سے بڑھ کر کہاں دولت ہو سکتی۔'' حرا آنکھیں پھاڑے اس کی فلسفیانہ باتیں سن رہی تھی جیسے وہ باؤلی ہو گئی ہو اور اس کی حیرت پر اسماء خوشگواریت سے ہنس دی دل کھول کر، حرا ہونقوں کی طرح اس کے چمکتے چہرے کو دیکھ رہی تھی جہاں دنیا جہاں کے رنگ سمٹ آئے تھے، شاید یہ سوچ ہی بڑی پرزور اور تقویت لئے ہوتی ہے کہ آپ کی ذات کسی اور کے لئے اہم ہے اور اتنی اہم کہ اس کی خوشیوں کے دارومدار بھی آپ کی ذات ہے، محبت کرنے سے کہیں زیادہ حسین یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو خود سے بڑھ کر سوچتا اور چاہتا ہے آپ کی خوشی اس کے لئے معنی رکھتی ہے اور اسی احساس نے اسماء حسن کو ایسے اپنے گھیرے میں لے لیا کہ وہ ہر فیصلے سے بالاتر ہو گئی، یوں لگتا تھا کہ جو وہ پہلے سوچتی تھی وہ بے حد سطحی اور فضول تھا، کیا محبت اور خلوص کا نعم البدل دولت ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، کبھی ایسا گھاٹے کا سودا نہ کریں جو آپ کی روح کو بے سکون کر دے۔

☆☆☆

''میں ہوں موحد وقار، تین بہنوں کا اکلوتا بھائی اور امی ابو کی آنکھوں کا تارا، خیر وہ تو سب ہی اپنے والدین کے ہوتے ہیں، مگر میری اس سوچ کی نفی تب ہوئی جب میں گورنمنٹ لیکچرار کے طور پر خالہ کے شہر گیا اور وہاں رہتے ہوئے روز خالہ کی ڈھیروں ڈانٹ سننے کے بعد اسماء حسن بڑبڑاتی ہوئی پائی جاتی تھی۔

''پتا نہیں بچے ہوتے ہیں جو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا ہوتے ہیں، ایک ہم ہیں اکلوتے ہونے کے باوجود روز ذلیل ہوتے ہیں۔'' یہ اس کی غصے میں کہی باتیں تھیں، جبکہ مجھے اس کی اس سوچ پر سو فیصد معترض تھا کیونکہ یہ تو آنکھوں دیکھا حال تھا، کہ سب اس سے کتنا پیار کرتے

ہیں مگر شاید وہ ایسے جلے کٹے جملے خالہ کی سماعتوں کی نذر کرنے کو کہتی تھی ان دونوں ماں بیٹیوں کے بیچ ہر وقت دنگل کا سا سماں قائم رکھتا اور اس کی وجہ اسماء حسن صاحبہ کی بے تحاشا لاپروائیاں پھوہڑ پن اور بیوقوفیاں تھیں، جنہیں ادب میں اکثر اوقات ہیروئن کی سادگی سے مشروط کیا جاتا ہے، امی کے منہ سے ایک دو بار میری شادی اسماء سے کرنے کی خواہش سنی ضرور تھی اس کے باوجود میں نے نہ تو ایسا کبھی سوچا تھا اور نہ ہی چاہا تھا اور پہلی دفعہ اس کے ہاتھوں کے بنا مرچوں کا آملیٹ کہا جائے تو صحیح معنوں میں تعریف ہوئی، کھا کر میں نے اس پھیکی مرچ کے بنانے سے بھی توبہ کر لی تھی مگر وہ اپنے نام کی ایک تھی جانے مجھ سے کیا خار کھائے بیٹھی تھی کہ کوئی نہ کوئی زچ کرنے والا کام کرتی اور مجھے اب اس کی حرکتیں اور اس کا چڑ نا مزا دینے لگا تھا، یہ کسی دل لگاؤ کی بناء پر نہیں بلکہ صرف انجوائے منٹ کی غرض سے تھا، پھر ایک دن وہ مجھے بے تحاشا خوش نظر آئی یہ تاثر اس کی بھونڈی آواز سے ملا تھا لہک لہک کر جھولا جھولتے مگن انداز میں "تیرے نال نال رہنا" گاتی وہ جانے کہاں گم تھی، یوں لگتا تھا جیسے کوئی بچہ اپنی پسند کی شے ملنے پر بے تحاشا خوش ہو اور پھر سے اس کا شاہانہ انداز اور بات بات پر کھل کر ہنسنا، وہ مجھے بڑی دلچسپ لگی، بعد کی کہانی سے آپ بخوبی واقف ہیں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ پہلی بار وہ مجھے سرخ آنکھوں سمیت ٹسوے بہاتی بہت ہی کیوٹ اور پیاری لگی تھی، معصوم اور دلکش، اس کا ہر انداز دوسرے سے الگ تھا برتھ ڈے والی تصویریں دیکھ کر میں اور بھائی میاں جتنا ہنسے تھے حد نہیں تھی۔

سب سیٹ جا رہا تھا امی کو میری شادی کی جلدی تھی مگر میرا ایسا کوئی ارادہ ابھی نہ تھا خیر میں نے انہیں تسلی دے دی تھی، کہ جہاں آپ کہیں گی وہیں شادی کروں گا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اب وہ اسماء کے حق میں ہرگز نہیں تھیں اور مجھے اس بات سے کیا فرق پڑتا تھا مگر نہیں فرق پڑا تھا اور بہت پڑا تھا جب اس روز مجھے اس کی سوچ کا علم ہوا، اس کے خواب تو بہت اونچے تھے اور یکدم مجھے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

"ارے یہ میرے دل کو کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے خود سے سوال کیا، کب مجھے وہ اچھی لگنے لگی پتا ہی نہیں لگا، حیرت کی بات تو یہ تھی اس کے ہوسٹل جانے کے بعد سب کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اس کی کمی بہت فیل ہوئی، بات بات پر یاد آتی کبھی کالج جاتے ہوئے لان میں لگے جھولے پر نظر پڑتی تھی تو وہ یاد آ جاتی اور کبھی گھر کی خاموش فضا میں رچی اس کی ہنسی کی جھنکار سوچ کر یوں لگتا تھا جیسے پھول سے خوشبو چھین لی گئی ہو یوں گھر سے رونق غائب ہو گئی تھی، خیر اپنے متعلق جان کر میں نے خود کو زیادہ برا بھلا کہا کیونکہ جگہ جگہ بکھری یادیں گھر میں اور میرے دل میں، مجھے ایک نئی طرح کی خوشی دیتی تھی، میں نہیں چاہتا تھا کہ میں یونہی خاموش محبت کیے جاؤں کیونکہ اس کی ترجیحات چاہ کر بھی شاید میں سب کی سب پوری نہ کر سکوں، تو کیا مجھے قدم موڑ لینے چاہیے، اس سب عرصے میں، میں نے بہت سوچا اور پھر فیصلہ کیا کہ بات کر لینے میں، اپنے جذبات پہنچانے میں آخر حرج ہی کیا ہے میں ساری عمر مجنوں کی طرح خاک چھانتے نہیں گزار سکتا اور بس پھر کیا تھا میں نے اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا، یہ جو ساری تفصیل آپ کو سنائی ہے اسے بھی سنا ڈالی اور پھر دستِ سوال ڈال دیا۔

"اسماء! کوئی آسمان سے تارے توڑ لانے

کے وعدے نہیں کرتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہاری ہر خوشی کے لئے اپنی خوشیاں قربان کر دوں گا کیونکہ تمہاری خوشی اور مسکراہٹ میں میرے دل کی خوشی ہے۔"

"وہ ہمیشہ مجھے بیوقوف لگی تھی مگر اس کا فیصلہ جان کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اتنی لاپرواہ نہیں زندگی کے متعلق جتنی لگتی ہے اور جب یہی بات میں نے اس سے کہی تو وہ چیخ پڑی۔"

"موحد کے بچے! لبو کہیں کے، تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے پاگل اور بیوقوف سمجھنے کی۔"

بے دھیانی میں کہے گئے اس کے جملوں پر میں تو قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور وہ دانت تلے ہونٹ دبا کر خفت و شرمندگی کے باعث نظریں چرانے لگی۔

"لبو تو خیر ٹھیک ہے، مگر میرے بچے نہیں ہیں، وہ تو تم زندگی میں آؤ گی تو ہوں گے۔" سرگوشی نما آواز میں اس نے معنی خیزی سے کہا تو اسماء شرم سے لال پیلی نیلی سب ہو گئی اور اس کا اس خوبصورت انداز پر میرا دل مچل اٹھا، دل تو اب بھی میرا مچل رہا ہے فوراً سے گھونگھٹ کے پار دیکھنے کو ہیں۔

☆☆☆

بھائی میاں کے ولیمے کی تقریب میں ہم دونوں کے نکاح کا فریضہ ادا کر دیا گیا ہے، رخصتی چار پانچ ماہ بعد ہوئی تھی کیونکہ تب تک اس کی پڑھائی بھی مکمل ہو جاتی تھی، مبارکباد کا شور ہر جگہ تھا، موحد کے اصرار پر ماجدہ بیگم نے گھونگھٹ اٹھایا تو اس کی نظریں اس پر سے ہٹنا بھول گئیں وہ واقعی اتنی حسین اور پیاری لگ رہی تھی آف وائٹ میکسی میں، سب نے دل کھول کر تعریف کی تھی اور موحد کی نظریں تو بار بار بھٹک رہی تھیں اور یہی چوری بھائی میاں نے پکڑ لی تھی۔

"ارے بھائی تیری ہی بیوی ہے، ڈر ڈر کے کیوں دیکھ رہا ہے۔" بھائی میاں نے چھیڑا تو وہ ہنس دیا۔

"دیکھ میں تو پورے اعتماد سے اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں۔" ساتھ بیٹھی حورین کی شرم کے مارے نظریں جھک گئیں۔

"جناب آپ کی بیوی ہے، جبکہ ہماری منکوحہ دوسرا مرحلہ بھی طے کر دیں تاکہ ہم بھی اعتماد سے دیکھ سکیں۔" ساتھ بیٹھی اسماء نے پہلو بدلا، بھائی میاں سمیت سب ہنس دیے۔

"کیسا دیوانہ ہو رہا ہے لڑکا۔" ایسے ہی کئی آوازیں مہمانوں کی جانب سے آئی تھیں اور اس کے جواب میں بھائی میاں بولے۔

"ہماری بہن تو مست لڑکی تھی اور اس مستانی نے موحد وقار کو بھی دیوانہ بنا ڈالا یعنی دیوانے مستانے اور سب ہنس دیے۔"

پاس کھڑی حرا بھی مسکرا رہی تھی اس کے گھر میں بھی رشتے کی بات چل رہی تھی اسماء کے چہرے پر پھیلے رنگوں کو دیکھ کر اسے اس فیصلے کی درستگی کا احساس ہو رہا تھا، اسماء کے ہاتھ کو ہولے سے دبا کر موحد نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"ہم دیوانے مستانے۔" اسماء اس کی باتوں پر بری طرح سرخ ہو رہی تھی جبکہ سب مسکرا رہے تھے، خوشیوں کا رقص دلوں میں جاری تھا۔

☆☆☆



من رقصم

بشریٰ سیال

عیسٰی احمد کے لفظوں نے نویلہ کو آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا تھا، وہ سمجھ نا سکی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، یا شاید وہ سمجھنا ہی نا چاہتی تھی، ابھی تو اس کی آنکھوں نے عیسٰی احمد کے خواب دیکھنا شروع کیے تھے، ابھی تو دل سے یہ خوشی سنبھالے نا سنبھل رہی تھی کہ وہ اس کا ہو چکا ہے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے، کہ عیسٰی احمد کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے ہوش میں کھینچ لائی تھی، ایسی جگہ پر جہاں چارسو کانٹے ہی کانٹے اگے ہوئے تھے اور اب وہ اسے ان پر ننگے پاؤں چلنے کو کہہ رہا تھا۔

''تمہاری ماں نے کیا سمجھا تھا کہ وہ خدا ہے اور اسے کبھی بھی کسی کی بھی زندگی کا فیصلہ مرضی سے کرنے کی اجازت اور اختیار ہے۔'' وہ غیض وغضب کے عالم میں بول رہا تھا، جبکہ نویلہ کسی مجرم کی طرح خاموش، بس اسے سننے پر مجبور تھی اور کچھ بولنے کی تو ویسے بھی اس کے دل میں

ساتویں قسط



ناولٹ

خواہش نا ہو رہی تھی۔

''انہوں نے جو گل افزاء آنٹی کے ساتھ کیا اور جو عروبہ کے ساتھ، اس کی ایسی سزا انہیں دوں گا کہ خواب میں بھی انہوں نے تصور نہ کیا ہوگا۔'' وہ اندر جمع شدہ زہر نکال رہا تھا اور اس کا وجود اس کے ان نوکیلے لفظوں سے لہولہان ہو رہا تھا، مگر عیسٰی احمد کو مطلق پرواہ نا تھی۔

''تمہیں پتا ہے وہ مجھے سمندر کے کنارے تنہا کھڑی ملی تھی۔'' اس کے لہجے کا کرب نویلہ صاف محسوس کر سکتی تھی، کچھ ایسے ہی کرب سے وہ بھی گزر رہی تھی۔

''اس نے مجھے کہا کہ میں ہر روز رات کو سونے سے پہلے ہر انسان کو معاف کر کے سوتی ہوں، کچھ دنوں سے میں ٹھیک سے سو نہیں پائی، کیونکہ ماما اور آپ کو میرا دل معاف نہیں کر پا رہا تھا، مگر آج اس قصے میں آپ دونوں کو معاف کر

رہی ہوں اور اس لمحے اس نے وہ سارا بوجھ میرے سینے پر ڈال دیا، میں عروبہ کی طرح عالی ظرف نہیں ہوں شاید، اسی لئے میں تمہاری ماں کو معاف نہیں کر سکتا۔'' وہ جیسے ایک دم تھک کر چپ ہو گیا تھا، دوسری طرف نویلہ بھی خاموش تھی وہ سمجھ ہی نہ پا رہی تھی کہ عیسیٰ احمد کی ان باتوں کا کیا جواب دے، بس حیرت اور دکھ کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو کر وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے بہت سوچا کہ تمہاری ماں کو ان کے کیے کی سزا کیسے دی جائے، ایسی سزا جس کے بعد انہیں اپنی غلطی بلکہ گناہ کا کچھ تو احساس ہو اور پھر تم میرے سامنے آ گئی۔'' نویلہ کا تنفس تیز تیز چلنے لگا تھا، اس کا دل اسے کسی انہونی کے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

''اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو تو مجھے معاف کر دینا، کیونکہ میں تمہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتا۔'' یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ مڑا، نویلہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی، اس نے کوٹ کی جیب میں سے ایک لفافہ نکالا اور دور سے ہی اس کی سمت اچھال دیا اور خود دوبارہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا، رات بہت گہری اور سیاہ ہو رہی تھی۔

نویلہ نے لرزتے ہاتھوں سے لفافہ چاک کیا ''طلاق نامہ'' کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔

''نہیں۔'' اس کے منہ سے چیخ برآمد ہوئی، عیسیٰ احمد کے وجود میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی، وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔

''نہیں...... عیسیٰ...... آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ دوڑ کر اس کے قریب آئی تھی۔

''کہہ دیں یہ مذاق ہے۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر زور زور سے ہلانے لگی تھی، مگر وہ تو جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔

''عیسیٰ بولیں، پلیز۔'' وہ رو دی تھی، اس نے اس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

''بالکل ایسے ہی وہ بھی حیران تھی، اتنی ہی شاکڈ اور دکھی، جیسے یہاں آنے سے پہلے تم سوچ بھی نا سکتی تھی کہ تمہارے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے، بالکل اسی طرح اس رات جو اس کے ساتھ ہوا اس کے بھی گمان میں بھی نا تھا۔'' وہ جیسے ابھی بھی اس لمحے اس وقت یا شاید اس قیامت سے نہ نکل پایا تھا جو عروبہ غضنفر پر اس رات ٹوٹی تھی۔

''عیسیٰ میں بے قصور ہوں، آپ جانتے ہیں۔'' وہ اس کا بازو مضبوطی سے تھامے رو رہی تھی۔

''تو اس کا کیا قصور تھا؟'' وہ طنز سے گویا ہوا۔

''مت کریں میرے ساتھ ایسا، میں مر جاؤں گی پلیز۔'' وہ اب ہاتھ جوڑنے لگی تھی۔

''اسی طرح، بالکل اسی طرح اس نے بھی منتیں کی ہوں گی، روئی ہو گی، میں تو وہاں سے چلا گیا تھا، مگر اس وقت کی اس کی تکلیف اور اذیت یاد کر کے میرا جی چاہتا ہے سب کو ختم کر دوں، کتنی بے بسی محسوس کی ہو گی اس نے۔'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا تھا نویلہ کے رونے میں روانی آ گئی تھی، مگر اسے اس وقت نویلہ نہیں عروبہ نظر آ رہی تھی، اس کے آنسو اور سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

''رہی بات مرنے کی تو کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا، اگر گل افزا اپنے محبوب شوہر غضنفر علی کو کھو کر زندہ ہیں، اگر میں عروبہ کو کھو کر زندہ ہوں تو تم بھی نہیں مرو گی، ہاں تمہاری ماں کا نہیں پتا مجھے، تمہاری حالت اور دکھ کو دیکھ کر پل پل مریں اور انہیں کچھ احساس ہو۔'' نویلہ اس کے قدموں

میں بیٹھ گئی تھی، اس نے ہاتھ اس کے پاؤں پر رکھ دیئے تھے۔

''ڈونٹ بی سلی نویلہ! اٹھو یہاں سے۔'' اس نے پاؤں چھڑانے کی کوشش کی، مگر وہ چھوڑنے پر آمادہ نا تھی، عیسیٰ احمد نیچے جھکا تو نظر اس کے سفید حنائی ہاتھوں پر پڑ گئی، اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

''عیسیٰ مجھ پر رحم کریں، اگر ماما نے بے گناہوں پر ظلم کیا تو آپ مجھے میرا قصور بتائیں جس کی سزا دے رہے ہیں، مجھے عمر بھر کا روگ لگا رہے ہیں، پلیز اپنا فیصلہ بدل لیں۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

''میں طلاق نامے پر سائن کر چکا ہوں، میرا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔'' اس نے ہاتھ نویلہ کے شانوں سے ہٹائے تھے۔

''آپ میں اور میری ماما میں کیا فرق ہے، بتائیں مجھے، ایسا کرنے سے آپ کو کیا حاصل ہو گا، پلیز عیسیٰ...... میں آپ کی نوکرانی بن کر رہوں گی، آپ چاہے مجھے ماریں، گالیاں دیں میں کسی کو نہیں بتاؤں گی، مگر مجھے اپنی زندگی سے مت نکالیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی، فریاد کر رہی تھی۔

''نا تو عورت پر ہاتھ اٹھانا میری تربیت میں شامل ہے اور نا ہی گالیاں دینا۔'' وہ اب جا کر صوفے پر بیٹھ گیا تھا، جیب میں سے سگریٹ اور لائٹر نکالا، نویلہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی، تمام رات وہ روتی رہی تھی اور عیسیٰ احمد سگریٹ پھونکتا رہا تھا۔

تمام رات نویلہ نے دعائیں کی تھیں کہ دن نا نکلے، کیونکہ کل کا سورج اسے ہمیشہ کے لئے عیسیٰ احمد سے جدائی کی خبر سنائے گا، مگر اس کی لاکھ خواہش اور دعا کے باوجود دن نکل آیا تھا۔

''چلو تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔'' وہ کارپٹ پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، اس کی آواز پر بھی سیدھی نا ہوئی۔

''نویلہ اٹھ جاؤ، میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا، نویلہ اٹھی، مگر اس نے عیسیٰ احمد کی جانب نہیں دیکھا، وہ کھڑا اسی کو دیکھ رہا تھا، شدت گریہ سے سرخ ہوتی آنکھیں، اس کا لٹا پٹا انداز لمحہ بھر کو عیسیٰ احمد کو پشیمانیوں سے گھیرنے لگا، اگلے ہی لمحے عروبہ غضنفر کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا، اس نے آگے بڑھ کر طلاق نامہ اٹھایا اور اسے خاکی لفافے میں ڈالنے لگا، اس کے پیچھے چلتی ہوئی وہ پارکنگ تک آئی تھی، صرف ایک رات میں اس کے تمام خواب ٹوٹے تھے، جن کی کرچیوں سے اس کا پورا وجود لہولہان تھا۔

''یہ لیتی جاؤ۔'' وہ گھر کے سامنے اترنے لگی جب عیسیٰ احمد کی آواز سن کر مڑی اور خاکی لفافہ اس کے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

''اس پہلے اور آخری تحفے کا شکریہ، میں جانتی ہوں دوبارہ کبھی آپ سے ملاقات نا ہو سکے گی، اس لئے۔'' اس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ یہ سمجھتے ہیں عروبہ نے آپ کو معاف کر کے بہت بڑا احسان کیا، حالانکہ میرے خیال میں آپ کا تو کوئی قصور ہی نہیں اس کے معاملے میں، مگر مجھ پر آپ نے بہت بڑا ظلم کیا، آپ نے مجھے قتل کر دیا، آپ کے سامنے نویلہ کی لاش پڑی ہے اور یہ لاش اپنے قاتل کو معاف کرتی ہے، ضمیر پر کوئی بوجھ لے کر مت جائیے گا، بس اتنا بتا دیں......'' اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، لب کپکپا رہے تھے، عیسیٰ احمد لب بھینچے بیٹھا تھا۔

''عروبہ کے ساتھ جو بھی ماما نے کیا، اسے پھر بھی ایک شخص بہت محبت اور مان سے بیاہ کر لے گیا، یقیناً اس کا خیال رکھتا ہوگا، اس کے آنسو پونچھتا ہوگا، میرے تو آنسو پونچھنے والا بھی کوئی نہیں، میرا درد کون سنے گا؟'' وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، عیسیٰ احمد خاموش بیٹھا اس کے گاڑی سے اترنے کا منتظر تھا۔

''میں نے کبھی عروبہ کا برا نہیں چاہا تھا، کبھی آپ سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا جب تک عروبہ آپ کی زندگی میں تھی، پھر بھی آپ نے ساری سزا مجھے دے دی، پھر بھی میں آپ کے لئے دعا کروں گی۔'' وہ گاڑی سے نیچے اتر گئی تھی، عیسیٰ احمد چند ثانیے وہیں کھڑا رہا تھا، جیسے ہی گیٹ کھلا اس نے گاڑی آگے بڑھالی۔

☆☆☆

غضنفر علی بیٹیوں کی رخصتی کے بعد بہت بے چینی اور گھبراہٹ محسوس کرنے لگے تھے، وہ صوفیہ کو بتائے بغیر خاموشی سے گھر سے نکل آئے تھے، ان کا رخ گل افزاء کے گھر کی جانب تھا ہر بار اس امید پر جاتے تھے کہ شاید اس بار انہیں معافی مل جائے، مگر ہر مرتبہ وہ مایوس لوٹتے تھے، گیٹ کھلا ہوا تھا وہ سیدھے انیکسی میں آ گئے، انہوں نے شکر ادا کیا کہ فروا وہاں نہیں تھی، ورنہ وہ کبھی انہیں ماں سے نا ملنے دیتیں، نا ہی اس کے ماموں دکھائی دیے۔

''گل افزاء!'' وہ ان کے سر پر پہنچ چکے تھے، وہ چائے پی رہی تھیں، اچانک غضنفر علی کو سامنے دیکھ کر چائے کا مگ ان کے ہاتھ میں چھلک گیا اور کچھ چائے ان کے ہاتھ پر گر پڑی۔

''دھیان سے، کیا کر رہی ہو۔'' وہ تیزی سے قریب آئے، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تمہارا ہاتھ جل گیا ہے، اس پر کچھ لگا لو۔'' وہ ہمدردی سے بولے۔

''ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''کیا میں ادھر بیٹھ جاؤں؟'' انہوں نے کرسی کی جانب اشارہ کیا، گل افزاء نے سر ہلانے میں اکتفا کیا، غضنفر علی بے حد خوش ہوئے تھے، کہ چلو پاس بیٹھنے کی اجازت مل گئی تو بات بھی سن ہی لے گی۔

''گل افزاء میں تم سے.....''

''میرا نام ساجدہ ہے۔'' وہ سختی سے ٹوک گئی تھیں، غضنفر علی خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگے، جس پر اجنبیت ہی اجنبیت تھی، کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ ان میں کوئی شناسائی بھی کبھی تھی، کجا کہ اتنا مضبوط رشتہ۔

''گل افزاء بہت سال پہلے مر گئی تھی، میں صرف عروبہ اور فروا کی ماں ہوں۔'' انہوں نے چائے کے کپ پر انگلیاں پھیرنا شروع کر دی تھیں، غضنفر علی بالکل خاموش بیٹھے تھے، انہیں گل افزاء سے بات کرنا، اس کی بات سننا بہت اچھا لگ رہا تھا، چاہے وہ کچھ بھی کہے، چلو بات تو کر رہی تھی نا۔

''تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا کہ فروا میری بٹی ہے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گئے اور اس لمحے جیسے حیرت سے گل افزاء نے ان کی طرف دیکھا وہ شرمسار تو ہوئے مگر نگاہیں نا جھکائیں، کہ پتا نہیں وہ دوبارہ ان کی طرف کبھی دیکھے بھی کہ نہیں۔

''بہتر ہوگا کہ پرانے حساب نا کھولیں۔'' وہ منع کرنے لگیں۔

''تمہیں تو یہ دکھ ہے نا کہ تمہارے ساتھ سسرال والوں نے زیادتی کی، مگر میں وہ

بدنصیب ہوں گل افزاء کے جسے برباد کرنے میں سگی بہن اور ماں کا ہاتھ ہے۔'' غضنفر علی کے پچھتاوے اپنی کھوئی ہوئی محبت کو سامنے پا کر شاید اور گہرے ہو جاتے تھے، اس وقت بھی وہ انتہائی دکھ کی کیفیت میں بول رہے تھے۔

''میرے بھائی جان آنے والے ہیں، بہتر ہوگا آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' وہ اس عورت کے حوصلے اور ظرف کی داد دیے بغیر نا رہ سکے تھے، وہ کتنے آرام اور حوصلے کے ساتھ اس شخص کے سامنے بیٹھی تھی، بہت سکون سے جواب دے رہی تھی۔

''گل افزاء میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ابھی معاف کر دو، چاہو تو کبھی معاف نہ کرنا، مگر پلیز مجھے یہاں آنے سے مت روکا کرو۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولا تھا، وہ کوئی جواب نا دے سکیں، نگاہیں جھکائے وہ چائے کی سطح کو گھورنے لگیں، انہیں آج بھی یاد تھا کہ وہ اس شخص کی کتنی دیوانی تھیں، اسے کتنا چاہتی تھیں، کیسے بھائیوں کی مخالفت بھول کر انہوں نے اسے شریک سفر بنایا تھا، مگر اس شخص نے کیا کیا ان کے ساتھ۔

''ایک شرط پر۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''کہو، مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔'' وہ جھٹ سے بولے، جیسے بات سنے بغیر بھی ان کا دل اب گل افزاء کی ہر بات کا اقرار کرتا تھا، کسی بات سے منع نہیں کرتا تھا۔

''ایک بار تمہاری بات نہیں مانی، آج تک پچھتا رہا ہوں، دوبارہ نہیں پچھتانا چاہتا۔'' وہ مزید گویا ہوئے تھے۔

''مجھے عروبہ سے ملنا ہے، میری بیٹی ہے وہ۔'' انہوں نے مزید کوئی تمہید نا باندھی اور بغیر کسی لگی لپٹی کے ڈائریکٹ مدعا بیان کر دیا۔

''ہاں، ضرور..... کیوں نہیں۔'' وہ تھوڑا گھبرا گئے، مگر جلد ہی اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا۔

''تو پھر آپ کل کسی بھی ٹائم اسے یہاں لے آئیں۔'' وہ بولیں۔

''یہاں.....'' وہ تھوڑا ہچکچائے۔

''دراصل میرے لئے اسے کچھ بھی بتانا ابھی ناممکن ہے، تم اسے خود مل لو، پھر جو چاہے اسے بتانا۔'' انہوں نے پروگرام ترتیب دیا، دراصل وہ یہ سوچ کر پریشان تھے، کہ عروبہ کو یہاں کیسے لائیں گے اور پھر گل افزاء کو جب یہ پتا چلے گا کہ وہ اس کی شادی کر چکے ہیں تو نہ جانے اس کا کیا ری ایکشن ہو۔

''ٹھیک ہے بھائی جان پرسوں اسلام آباد جا رہے ہیں کسی ضروری کام سے، میں پرسوں چلوں گی آپ کے ساتھ، مگر آپ کے گھر نہیں۔'' فی الحال غضنفر علی کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ ان کے ساتھ جانے کے لئے رضامند ہو گئی تھیں۔

''فکر نہیں کرو، میں گھر میں نہیں لے کر جاؤں گا تمہیں۔'' غضنفر علی بہت مسرور اور شادماں دکھائی دے رہے تھے، انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مشکل ٹلنے والی ہو، تنہائیوں، اداسیوں اور جدائیوں کے موسم گزر گئے ہوں اور گل افزاء انہیں پھر سے ملنے والی ہو۔

☆☆☆

فارقلیط حسن اور عروبہ غضنفر کی گاڑی ائیر پورٹ کی جانب رواں دواں تھی، عروبہ غضنفر کا دل بری طرح اداس اور دکھی تھا، وہ خاموشی سے گاڑی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔

''بابا!'' اس کے دل نے چپکے سے سرگوشی کی تھی۔

''میں آپ کا شہر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔''

اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔

''کاش میں آپ کو بتا سکتی میں آپ سے کتنا پیار کرتی ہوں، اس دنیا میں سب سے زیادہ ہر ایک رشتے سے بڑھ کر۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے، جنہیں فارقلیط حسن سے چھپانے کے لئے وہ رخ پھیر گئی تھی۔

''عیسٰی احمد کاش تم ہماری زندگیوں میں نہ آتے تو یہ بھونچال بھی نہ آتا، کیوں چلے آئے تم۔'' اگلے ہی لمحے اسے عیسٰی احمد اور اس کے وعدے شدت سے یاد آئے تھے، وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتی تھی، بھول جانا چاہتی تھی، ہمیشہ کے لئے مگر ایسا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

''ان راستوں نے کتنوں کو ملایا، کتنوں کو جدا کیا، لوگ چلتے جاتے ہیں، یہ راستے اسی طرح اپنی جگہ پر رہتے ہیں، کتنی عجیب بات ہے نا۔'' وہ ان سڑکوں کو دیکھ کر اداس ہونے لگی تھی، اسے وہ دن یاد آ گیا تھا جب عیسٰی احمد اسے کالج سے پک کرنے آیا تھا۔

''کس بات کا ڈر رہتا ہے آپ کو، کس چیز سے خوفزدہ ہیں، مجھے ایک اچھا دوست سمجھ کر مجھ سے شیئر کر لیں۔'' عیسٰی احمد کی کہی بات اسے یاد آئی تو دل میں ایک نیا درد جاگ گیا، بہت سے زخم پھر سے رسنے لگے تھے، وہ فارقلیط حسن سے آنسو چھپانے کی کوشش میں بے حال تھی۔

وہ بھی اس کی دلی کیفیت سے کچھ حد تک واقف تھا، جانتا تھا کہ وہ اپنا شہر، اپنے باپ کے گھر سے دور ہو جانے کی وجہ سے اداس ہو رہی ہے۔

''کسی کے سچے خالص اور پاکیزہ جذبات کو ٹھکرا دینا، آپ کے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا، جتنیں کر رہا تھا کہ اس کی محبت کو قبول کرتے وہ اس کا درد کم کرنا چاہتا تھا، اس کی آنکھوں کے آنسو مٹانا چاہتا تھا، مگر انجانے میں ہی سہی، وہ اسے ہمیشہ کے لئے آنسوؤں کے حوالے کر گیا تھا، عروبہ نے ایک گہری سانس لی۔

''آپ برے نہیں تھے عیسٰی احمد، میری قسمت بری تھی، وقت برا تھا میرے لئے اور وہ ہمیشہ رہا ہے۔''

فارقلیط حسن اس کا ہاتھ پکڑے جہاز میں سوار ہوا تھا، اس نے سفر کے دوران اس کا بہت خیال رکھا تھا، مگر اس کے بے چین و بے قرار دل کو کسی طرح قرار نا آ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ٹھہرا اور دفارقلیط حسن سے مخفی نا تھا۔

''تھک گئی ہو؟'' اس نے عروبہ کے تھکن زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جب قدموں کے نیچے سے زمین اور سر کے اوپر سے آسمان چھن جائے، انسان کو اپنا وجود خلا میں معلق محسوس ہو تو تھکنا فطری بات ہے۔'' اس نے سر سیٹ سے ٹکاتے ہوئے کہا۔

''کیا میرے آنے سے بھی تمہیں تنہائی کا احساس کم نہیں ہوا؟'' فارقلیط حسن نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا تھا، وہ ہنوز خاموش تھی، ایسا لگتا تھا وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، یا شاید اس کے پاس فارقلیط حسن کی بات کا کوئی جواب نہ تھا، وہ بڑی دیر تک اس کے جواب کا منتظر رہا تھا، بالآخر اس نے عروبہ غفنفر کا شانہ ہلایا تھا، اس نے فوراً آنکھیں کھول دی تھیں۔

''عروبہ!'' وہ اس کی جانب دیکھنے لگی، فارقلیط حسن کی آنکھوں میں بہت آس تھی، جیسے وہ اس سے اپنے لئے کچھ اچھا سننا چاہتا تھا، وہ جانتی تھی اس کا اداس ہونا، پریشان ہونا، فارقلیط حسن کو بہت پریشان کرتا تھا، مگر کچھ بھی اب اس کے اختیار میں نا تھا۔

''آپ نا ہوتے تو شاید میں زندہ بھی نا رہتی۔'' بمشکل خود کو بولنے کے لئے آمادہ کیا تھا، اس کے الفاظ فارقلیط حسن کے دل کی سرزمین پر ٹھنڈی پھوار بن کر برسے تھے، وہ بہت دلفریبی سے مسکرایا تھا، اس کا مسکرانا عروبہ غفنفر کو پشیمان کرنے لگا تھا۔

''میں تمہیں مرنے بھی نہیں دوں گا، ایسی فضول بات تم دوبارہ منہ سے مت نکالنا۔'' وہ پیار بھری خفگی سے بولا تھا، اب کی بار عروبہ غفنفر مسکرائی تھی، کبھی کبھی فارقلیط حسن کا اس کے لئے اتنا کیئرنگ ہونا اسے بہت بھاتا تھا، مگر اگلے ہی لمحے بہت سے تلخ یادیں ذہن میں آ کر اسے بے چین کر دیتی تھیں۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ ہولے سے بولی تھی۔

''اور میں بہت برا بن جاؤں گا اگر تم نے اپنا موڈ ابھی ٹھیک نا کیا۔'' وہ آج تو اسے حیران کر رہی تھی، اس طرح سے اس کے لئے اپنے جذبات کا اظہار وہ کب کرتی تھی، کچھ دیر میں فارقلیط حسن سو گیا تھا، وہ بغور اس کے تیکھے مغرور اور خوبصورت نقوش دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا عیسٰی احمد اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا، میں تو بہت خوش قسمت ہوں، اتنا اچھا شوہر مجھے ملا، ایسا شخص جو مجھے اداس بھی نہیں ہونے دیتا۔'' اس نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر سیٹ سے پیچھے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں، اس کی سوچ کا پنچھی اس بار ایک نئی سمت کو محو پرواز تھا۔



صوفیہ بہت خوش اور مطمئن تھیں، دونوں بیٹیاں اپنے اپنے گھروں کی ہو گئی تھیں، جہاں جہاں وہ شادی کرنا چاہتی تھیں، وہیں ان کے رشتے ہو گئے تھے، زیادہ خوشی انہیں نویلہ کی تھی، انہوں نے تو خواب میں بھی نا سوچا تھا کہ عیسٰی احمد بغیر کسی کوشش یا ان کی منت سماجت کے یوں خود چل کر ان کے دروازے پر آئے گا، وہ بہت مسرور و شادماں تھیں، صبح سے ملازموں کو ہدایت دے کر ناشتہ بنوا رہی تھیں، پہلے وہ نویلہ کی طرف جانا چاہتی تھیں، دل میں تھوڑا سا جو خدشہ تھا وہ اس سے مل کر دور کرنا چاہتی تھیں۔

''ولیمہ تو دونوں کا اکٹھا ہی ہو گا، بھائی جان نے بھی یہی کہا ہے اور عیسٰی کے والدین بھی کہہ رہے تھے انہوں نے واپس جانا ہے، وقت کم ہے۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھیں ملازموں کو ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ پروگرام سے آگاہ بھی کر رہی تھیں۔

''غفنفر علی صاحب پتا نہیں صبح صبح کہاں چلے گئے۔'' انہوں نے چائے کا سپ لیا۔

''بھئی جلدی کرو، میری نویلہ انتظار کر رہی ہو گی میرا۔'' وہ بولیں، خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھیں، انہیں تو یہ پہلے ہی یقین تھا کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی کام وہ کرنا چاہیں، کسی چیز کی خواہش کریں اور وہ انہیں نا ملے، پھر ان کی بیٹیاں کیسے نامراد رہتیں۔

''ما...... ما۔'' آواز سن کر وہ گردن گھما کر دیکھنے لگیں، سامنے ہی نویلہ اجڑے، ویران حلیے میں کھڑی تھی، وہ تیر کی سی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔

''نو...... یلہ......'' وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں، اس کا حلیہ، اس وقت تنہا واپس آنا انہیں کسی انہونی کا احساس دلا رہا تھا، مگر وہ ایسا کچھ سوچنا بھی نا چاہتی تھیں، سو فی الفور ذہن میں آنے والے منفی خیالوں کو جھٹک کر اس کے قریب آئیں۔

''اتنی صبح کیسے آئی ہو؟ عیسٰی کہاں ہے؟''

سب ٹھیک تو ہے نا؟'' انہوں نے بے چینی میں ایک ساتھ کتنے سوال کر ڈالے تھے، جواب میں اس نے ہاتھ میں پکڑا خالی لفافہ انہیں تھما دیا تھا، کچن میں کام کرتی ملازمائیں باہر نکل آئی تھیں اور چہ مگوئیاں کر رہی تھیں۔

''طلاق نامہ۔'' کاغذ کھولتے ہی ان کی نظر پڑی تو گویا ساتوں آسمان ان کے اوپر آ گرے۔

''یہ...... یہ...... کیا ہے؟'' وہ ہکلاتے ہوئے نویلہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ارے...... ارے۔'' وہ گرنے لگی تھیں جب انہوں نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

''ارے کوئی میری بیٹی کو پکڑو۔'' وہ زور سے چلائیں، سب ملازمائیں ایک ساتھ دوڑی تھیں، اسے لا کر لاؤنج کے صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا، وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''بیگم صاحب کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا؟'' ایک بولی۔

''کاغذ میں کیا ہے؟'' دوسری متجسس ہوئی۔

''ارے کوئی پانی لاؤ۔'' ان کے سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ زور سے چلائیں، نویلہ کسی طرح بھی ہوش میں نہیں آ رہی تھی، صوفیہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

ان پر اتنی بڑی مشکل آ پڑے گی، انہوں نے خواب میں بھی اس کا تصور نا کیا تھا، وہ رونے لگی تھیں۔

''عیسیٰ احمد میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔'' وہ اسے کوسنے لگی تھیں، کبھی اسے بددعائیں دینے لگتیں، مگر وہ نہیں سمجھ سکی تھیں کہ اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نا تھا، کچھ بھی کہنے یا کرنے سے ان کی بیٹی کی پیشانی پر لگا داغ نہیں دھلے گا، اس کی زندگی میں آنے والی خزاں کو بہار میں بدلنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

صبح سے شام ہو گئی تھی، غضنفر علی بھی گھر نہیں آئے تھے، علیشہ کے ولیمے کا بھی ٹائم ہو رہا تھا، وہاں کوئی ناشتہ بھی نہیں لے کر گیا تھا، ان سے بہانہ کر دیا تھا کہ صبح سے نویلہ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور صوفیہ بھی ان کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتیں، پھر علیشہ کے سسرال والے کوئی غیر تو تھے نہیں کہ باتیں بناتے، لہٰذا فی الوقت تو بات بن گئی تھی۔

''نویلہ! میری جان، کچھ تو بولو۔'' صوفیہ اس کے لئے سوپ بنوا کر لائی تھیں، وہ ہنوز خاموش تھی، بس خالی الذہنی کی کیفیت میں چھت کو گھور رہی تھی۔

''اٹھو سوپ پی لو۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے محبت سے بولیں۔

ان کی توقع کے خلاف وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور خاموشی سے سوپ پینے لگی، صوفیہ کو اس کے انداز سے وحشت ہو رہی تھی، وہ جس طرح بالکل خاموش تھی، کوئی بات نا بتا رہی تھی، انہیں ڈر تھا کہ اسے کچھ ہو نا جائے۔

''عیسیٰ احمد نے کیوں کیا تمہارے ساتھ ایسا؟ تم پوچھتی تو سہی۔''

وہ پھر سے وہی باتیں دہرانے لگیں جو وہ صبح سے دہرا رہی تھیں، مگر وہ خاموشی سے سوپ پیتی رہی، سوپ ختم کرنے کے بعد اس نے پیالہ انہیں تھمایا اور دوبارہ لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔

''آپ نے عروبہ کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اگر میں آپ سے پوچھوں تو آپ کیا جواب دیں گی؟'' اس نے نا تو طنز کیا تھا، نا ہی اس کا لہجہ طنزیہ تھا، مگر وہ جیسے اپنے آپ میں چور سی بن گئیں۔

''ماما اپنے بچوں سے تو سب ہی پیار کرتے ہیں، ان کی جائز و ناجائز خواہشات کو پورا کرتے ہیں، بات تو تب ہے جب کسی دوسرے کے بچے سے محبت کی جائے، آپ نے عروبہ کے ساتھ کیا کیا؟'' اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار کسی لڑی کی طرح جاری تھی، صوفیہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''آپ نے غضنفر علی سے گل افزاء کو دور کیا، مگر آج بھی غضنفر علی کے دل میں گل افزاء کی محبت ہے، وہ آج بھی انہیں چاہتے ہیں، آپ نے عروبہ اور عیسیٰ کو جدا کیا، مگر عیسیٰ احمد کے دل میں صرف اور صرف عروبہ کی محبت ہے، آج مجھے آپ پر بہت ترس آ رہا ہے ماما، آپ سمجھتی ہیں آپ کامیاب رہیں، مگر یہ جان لیں کہ آپ کو شکست ہوئی، ہر محاذ پر آپ ہار گئی ہیں، عیسیٰ احمد کہتا ہے جب تم روؤ گی تو تمہاری ماں کو اندازہ ہو گا کہ کسی بے گناہ پر ظلم کریں تو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اور اس کے آنسو صوفیہ کے دل کو چیر رہے تھے، انہیں خبر ہی نا ہوئی اور ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے تھے۔

''تم مت رو، میں بات کروں گی اس کے والدین سے شادی کر کے لے کر گیا تھا تمہیں، کوئی مذاق تھوڑی ہے، خود آ کر معافی مانگے گا تم سے۔'' وہ اس سے زیادہ اپنے دل کو تسلی دے رہی تھیں، انہیں ابھی تک یقین نا آیا تھا کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

''نہیں ماما!'' وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اس نے بے دردی سے آنسو رگڑ ڈالے تھے۔

''پہلے آپ نے کہا تھا، مگر میں سمجھ نا سکی، اب میں آپ سے کہہ رہی ہوں مجھے بھیک میں محبت نہیں چاہیے، عیسیٰ احمد کے دل میں میرے لئے کوئی جذبات نہیں ہیں، نا محبت کے نا نفرت کے، میں زبردستی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔'' وہ فوراً انہیں روکنے لگی تھی۔

''محبت نا سہی، اسے نفرت ہی ہوتی مجھ سے، کوئی تعلق تو ہوتا، دل میں ایک امید ہوتی کہ کبھی تو نفرت محبت میں بدلے گی، مگر جہاں کچھ بھی نا ہو، تو وہاں کبھی بھی کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ کچھ نا ہونا بہت تکلیف دیتا ہے ماما۔'' اس کے آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے لگے تھے۔

''آپ فکر مت کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس نے اپنے ساتھ ساتھ ان کے آنسو بھی پونچھے تھے، زندگی میں پہلی بار اسے ماں کا دکھ بہت شدت سے محسوس ہوا تھا، انہوں نے ساری زندگی ایک ایسے شخص کی محبت میں گزار دی تھی جیسے ان سے سرے سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

☆☆☆

نماز سے فارغ ہو کر کچن میں آیا تو فروا سامنے ہی کھڑی نظر آئی، وہ غالباً چائے بنا رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا، فروا نے اس کی جانب دیکھے بنا آہستگی سے جواب دیا۔

''چائے بنا رہی ہو؟'' وہ اس کے قریب آ کر نرم اور دوستانہ انداز میں بولا تھا۔

''جی!'' مختصر جواب آیا۔

''ایک کپ میرے لئے بھی بنا دو۔'' وہ بولا۔

''خود بنا لیں۔'' اس نے بنا جھجکے کہا اور چائے کپ میں انڈیلنے لگی، موسیٰ علی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہاری امی کو بتا دوں گا کہ......''

''کہ آپ نے شادی کی پہلی رات مجھے مارا تھا؟'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی تھی۔

"میں نے کب مارا تھا تمہیں؟" وہ بولا۔

"میرا خیال ہے یہ نشانات اسی تشدد کے ہیں۔" اس نے گلے سے تھوڑا سا دوپٹہ ہٹایا اور یہ دیکھ کر موسیٰ علی کو سخت شرمندگی ہوئی کہ اس کی گردن پر اچھا خاصا زخم کا نشان تھا۔

"میں تم سے سوری کہہ چکا ہوں۔" وہ سر جھکائے بولا۔

"آپ کے سوری کہہ دینے سے نا تو میرا زخم بھرتا ہے اور نا ہی میں اپنی نظروں میں سرخرو ہوتی ہوں، میری Self respect کو بری طرح ہٹ کیا ہے آپ نے۔" وہ چائے کا کپ وہیں چھوڑ کر اندر آ گئی تھی، کچھ ہی دیر میں موسیٰ علی بھی بیڈ روم میں آ گیا تھا، اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو مگ تھے۔

"یہ لو چائے، میں نے اپنے لئے بنائی تو تمہارے لئے بھی بنا دی، تم نے جو بنائی وہ بہت بدذائقہ تھی۔" وہ بہت سنجیدگی سے اسے چھیڑ رہا تھا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"عنیزہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔" وہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گیا اور چائے پینے لگا۔

"میں عنیزہ نہیں ہوں۔" وہ جل کر بولی۔

"کوئی بھی لڑکی عنیزہ نہیں ہو سکتی۔" وہ بے خیالی میں بولا تھا۔

"وہ بہت Soft nature تھی، ہر ایک سے محبت کرنے والی، ہر ایک کا خیال رکھنے والی۔" وہ انجانے میں ہی اس سے عنیزہ کے متعلق بات کر رہا تھا اور اس کا نام لیتے ہوئے اس سے بات کرتے ہوئے جو چمک اور جو روشنی اس کے چہرے اور آنکھوں میں تھی وہ اس سے پہلے فروا نے نا دیکھی تھی، وہ خیالوں میں کھو گیا تھا۔

"جنہیں زندگی ہر چیز ہر خوشی پلیٹ میں سجا کر دے دے وہ Soft nature ہی ہوتے ہیں، جنہیں جتنی محبت دی جائے وہ اتنا ہی محبت کرنا سیکھتے ہیں اور جنہیں خواہش تو کیا ضرورت پوری ہونے کے لئے بھی پورا مہینہ انتظار کرنا پڑے، جو کچھ بھی زندگی میں اپنی مرضی سے نا ملیں وہ پھر بدمزاج ہی ہوتے ہیں، وہ قسمت اور تقدیر کا زہر زبان سے اور کبھی رویے سے نکالتے ہیں۔" موسیٰ علی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے دکھ سے کہا اور بمشکل اپنے آنسو روکے پھر اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، موسیٰ علی نے پہلی مرتبہ اسے اس طرح جذباتی اور ہارا ہوا محسوس کیا تھا، آفس جانے کے لئے تیار ہوتے ہوئے بھی، اس کا ذہن فروا کی باتوں میں ہی الجھا رہا، وہ لاشعوری طور پر منتظر رہا، کہ وہ کمرے میں آئے، مگر وہ نا آئی، وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اسٹڈی میں آ گیا، وہ ٹیبل پر سر رکھے، بیٹھی تھی۔

"فروا!" موسیٰ علی نے اسے آواز دی، وہ تیر کی سی تیزی سے سیدھی ہوئی تھی۔

"میں آفس جا رہا ہوں، مصعب کے پاس چلی جاؤ۔" وہ کہنا کچھ اور چاہتا تھا مگر ہمت نا کر سکا، اس نے کوئی جواب نا دیا اور اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گئی، موسیٰ علی کو اپنے رویے پر افسوس ہوا، مگر وہ اس کے ساتھ صرف ہمدردی کر سکتا تھا اس کی محبت آج بھی صرف اور صرف عنیزہ کے لئے تھی۔

☆☆☆

زین کا آج آفس میں پہلا دن تھا، وہ خوب ٹک سک سے تیار ہو کر نکلا تھا، اس نے اسے خوب دعائیں دے کر، کچھ نصیحتیں کر کے رخصت کیا تھا، انہیں کالج ڈراپ کر کے وہ آفس گیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ موسیٰ علی کے سامنے بیٹھ

بہت اسمارٹ اور فریش لگ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے فائل سے نظر اٹھا کر سرسری سا اسے دیکھا اور دوبارہ فائل دیکھنے میں محو ہو گیا۔

"نوید صاحب آپ زین صاحب کا ان کو سیٹ تک لے جائیں اور کام بھی سمجھا دیں۔" وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے بولا تھا، زین کو آج موسیٰ علی انٹرویو والے دن سے بہت مختلف لگا تھا، وہ خاموشی سے نوید صاحب کے ساتھ آ گیا تھا، وہ اچھے انسان تھے، انہوں نے اچھے طریقے سے اسے کام سمجھایا تھا۔

"اگر کچھ پوچھنا چاہو، تو بلا جھجک مجھ سے پوچھنا۔" وہ اس کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے، وہ تندہی سے دل لگا کر اپنا کام کرتا رہا تھا، دوبارہ موسیٰ علی سے اس کی ملاقات لنچ ٹائم پر ہوئی تھی، اس کا موڈ ابھی بھی بہت سنجیدہ تھا۔

"سر آپ کا آج وائف سے جھگڑا ہوا ہے؟" وہ موسیٰ علی سے مخاطب ہوا، جو لیپ ٹاپ کی اسکرین پر بغور کچھ دیکھ رہا تھا، اس کی بات پر اس نے لمحہ بھر کو نظریں اسکرین سے ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں؟" موسیٰ علی نے دایاں ابرو چڑھا کر سنجیدگی سے پوچھا، جبکہ نوید صاحب نے حیران ہو کر زین ندیم کو دیکھا تھا۔

"سر آپ کا موڈ صبح سے آف ہے، مجھے ایسا لگا جیسے......"

"سر کی وائف کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ مزید گوہر افشانی کرتا، نوید صاحب بول اٹھے تھے، موسیٰ علی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"Oh, i am so sorry sir!"۔ وہ سخت شرمندہ ہوا تھا۔

"Its, ok"۔ اس کے بعد زین کے لئے وہاں بیٹھنا بہت مشکل تھا، وہ جلد ہی وہاں سے اٹھ گیا تھا، اسے باس سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی تھی، وہ اسے پہلے دن ہی بہت اچھے لگے تھے، ان کے دکھ پر اس کا دل غمزدہ ہوا تھا، بظاہر شرارتی اور لاپرواہ نظر آنے والا زین درحقیقت بہت حساس اور ہمدرد فطرت رکھتا تھا، باقی کا وقت وہ سنجیدگی سے اپنا کام کرتا رہا تھا، آفس کے سبھی لوگ جا چکے تھے، مگر وہ ابھی بھی اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"زین صاحب آپ ابھی تک گئے نہیں۔" موسیٰ علی اپنے آفس سے نکلا تو اس کی نظر زین پر پڑی، وہ اس کے قریب آ رکا، زین اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

"سر مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"لیں، کہیں آپ آفس آ جاتے، یہاں کیوں بیٹھے تھے؟" وہ نرم اور دوستانہ لہجے میں بولا تو زین مزید شرمندہ دکھائی دینے لگا تھا۔

"سر آئی ایم سوری۔" اس نے مشکل سے کہا تھا۔

"For what?"۔ موسیٰ علی حیران ہوا۔

"آئی سوئیر مجھے نہیں پتا تھا آپ کی وائف......" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا تھا، اس سے مزید کچھ نا بولا گیا تھا، لحظہ بھر کو تو موسیٰ علی بھی بالکل خاموش رہ گیا۔

"I know مجھے فضول بولنے کی عادت ہے، امی بھی مجھے سمجھاتی ہیں ہر جگہ مت شروع ہو جایا کرو، لیکن......" وہ اتنا شرمندہ کبھی نا ہوا تھا، نا ہی اسے مذاق ایسے برا محسوس ہوا تھا۔

"ارے نہیں یار، تم نے بہت پیارے

لڑکے ہو۔" موسیٰ علی مسکرا دیا۔

"ایسے زندہ دل لوگ مجھے بہت پسند ہیں، Don,t feel it۔" اس نے زین ندیم کی شرمندہ شکل کو دیکھ کر کہا۔

"آپ میرے پاس ہیں، مجھے ایسے نہیں بولنا چاہیے تھا۔" وہ اب موسیٰ علی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"باس ہوں تو کیا ہوا، تم میرے چھوٹے بھائی کی طرح ہو۔" اس کی بات پر زین کا چہرہ کھلکھلا اٹھا تھا۔

"My pleasure sir!" وہ فرط مسرت سے بولا تھا۔

"آ جاؤ تم کو ڈراپ کر دیتا ہوں، کہاں گھر ہے تمہارا؟" وہ باہر کی جانب بڑھا تو زین بھی اس کے پیچھے آیا۔

"No need of it sir!" اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"گاڑی میں بیٹھ کر راستے میں آتی، جاتی خوبصورت لڑکیاں اچھے طریقے سے نظر نہیں آئیں، بائیک کا اپنا ہی مزا ہے۔" اس کی رگ شرارت پھر سے پھڑک اٹھی تھی۔

"ہاہاہا۔" موسیٰ علی دل کھول کر ہنسا تھا اس کی بات پر، اسے ہنستا دیکھ کر زین ندیم نے طمانیت بھرا سانس لیا اور اپنی بائیک کی جانب بڑھا۔

☆☆☆

عروبہ غضنفر اور فارقلیط حسن ٹیکسی سے گھر کی جانب روانہ ہوئے تھے، فارقلیط حسن بظاہر تو پریشان دکھائی نہیں دیتا تھا، مگر عروبہ کو بہت ٹینشن تھی۔

"اگر آپ کے ڈیڈ نے کہا کہ مجھے چھوڑ دیں، پھر معافی ملے گی تو؟" وہ دل کا خدشہ اس سے بیان کرتے ہوئے بولی تھی۔

"وہ ایسا نہیں کہیں گے۔" وہ یقین بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ عروبہ کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

"فرض کریں اگر......"

"میں ایسی کوئی بات فرض بھی نہیں کرنا چاہتا جو تمہیں مجھ سے جدا کرے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تھا، عروبہ غضنفر خاموش ہو گئی تھی۔ گاڑی گھر کے سامنے جا رکی تھی، صاف ستھری سڑک پر دونوں جانب اونچے اونچے گھر تھے، ہر طرف صفائی، سکون اور خاموشی تھی، اس سرد موسم میں بھی عروبہ غضنفر کو پسینے آ رہے تھے۔

وہ دونوں ٹیکسی سے نیچے اتر آئے تھے، فارقلیط حسن نے ایک ہاتھ میں بیگ، جبکہ دوسرے ہاتھ سے عروبہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"ڈونٹ وری، میرے ڈیڈی کو کھرے اور کھوٹے کی خوب پہچان ہے وہ جان جائیں گے کہ میں ہیرا لایا ہوں۔" عروبہ غضنفر کچھ کنفیوز کچھ ڈری ہوئی اس کی امراہی میں چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی، گھر بہت خوبصورت تھا، وہ دونوں لاؤنج میں پہنچ گئے تھے۔

"فارقلیط حسن!" اچانک سے ایک زوردار دھاڑ بلند ہوئی تھی، عروبہ غضنفر کا دل دہل گیا تھا، وہ خوفزدہ ہو کر فارقلیط حسن کے پیچھے چھپ گئی تھی، اس نے ہاتھ پیچھے کر کے عروبہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، وہ جانتا تھا کہ وہ کس قدر خوفزدہ ہو گئی ہو گی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے سامنے

آنے کی؟" وہ غصے سے بولے، فارقلیط حسن نے باپ کا یہ روپ کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ حیرت زدہ سا کھڑا تھا۔

"ڈیڈ آپ میری......"

"مر گیا تمہارا باپ۔"

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے چین ہو اٹھا تھا۔

"Get out of my sight۔" وہ رخ موڑ کر کھڑے ہو گئے تھے، فارقلیط حسن نے مڑ کر کانپتی ہوئی عروبہ غضنفر کو دیکھا، ہولے سے اس کا گال چھوا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا حسن بہزاد کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"مجھے مار لیں، مگر اس طرح رخ مت پھیریں۔" اسے تکلیف ہو رہی تھی ان کے ناراض ہونے سے، وہ آج تک کبھی اس سے ناراض نا ہوئے تھے۔

"میں بہت مجبور ہو گیا تھا ڈیڈ Please listen to me once۔" اس نے ہاتھ ان کے شانے پر رکھا جسے انہوں نے فوراً جھٹک دیا تھا۔

"یوں کہو کہ باپ کی محبت پر ایک لڑکی کی محبت غالب آ گئی۔" ان کی بات پر عروبہ غضنفر کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"آپ سے زیادہ محبت میں کسی سے نہیں کرتا۔" وہ آواز کو مضبوط کرتے ہوئے بولنے کی کوشش کر رہا تھا، ورنہ ڈیڈی کی خفگی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

عروبہ غضنفر علی مڑی تھی اور گھر سے باہر نکل گئی تھی، فارقلیط حسن تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پیچھے آیا تھا، وہ سڑک کے کنارے تیز تیز چل رہی تھی۔

"کیا ہوا عروبہ؟" وہ اس کے سامنے آ رکا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہت تیزی سے بہہ رہے تھے، اس کے سامنے آ جانے سے وہ چلتے چلتے ایک دم رک گئی تھی۔

"Where are you going?" اس نے اس کا دایاں ہاتھ پکڑا تھا۔

"پتا نہیں۔" عروبہ غضنفر نے بائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑ ڈالے تھے، مگر اس کے آنسو تھمنے کا نام نا لے رہے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے، یہ سب Unexpected تو نہیں تھا، تم جانتی تھی نا یہاں ہمیں کیسے Welcome کیا جائے گا، but homestly speaking میرے ڈیڈ بہت اچھے ہیں، دیکھنا وہ جلد مجھے معاف کر دیں گے تو تمہیں بھی Own کریں گے۔" فارقلیط حسن نے آگے بڑھ کر اسے بازو کے حلقے میں لے لیا اور واپس مڑنے لگا، وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

"دیکھو ڈیڈ نے تمہیں تو کچھ نہیں کیا، انہیں تو مجھ پہ غصہ ہے اور اتنا تو ان کا حق بنتا ہے نا۔" وہ گھر سے قریب پہنچ گئے تھے اور عروبہ غضنفر رک گئی تھی، وہ فارقلیط حسن کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"اسی بات کا دکھ ہے کہ میری وجہ سے آپ کے ڈیڈی آپ سے خفا ہیں، میں ایک اور باپ کے دل ٹوٹنے کا سبب بنی ہوں، میں بہت منحوس ہوں فارقلیط۔" وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر میں داخل ہو گیا، ڈیڈی کہیں نا تھے، وہ اسے لے کر اپنے روم میں آ گیا۔

"میرے سامنے خود کو برا بھلا مت کہا کرو۔" وہ اس کے لئے پانی لے آیا تھا عروبہ نے پانی کا گلاس پکڑ کر لبوں سے لگا لیا، اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔

☆☆☆

غضنفر علی تیز رفتار سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے گل افزاء کے پاس پہنچے تھے، کچھ دیر گھر کے باہر گاڑی کھڑی کر کے وہ گاڑی میں بیٹھے رہے، پھر گاڑی کو لاکڈ کر کے اندر آ گئے، وہ سامنے ہی موجود تھیں۔

''السلام علیکم!'' غضنفر علی نے سلام کیا، جس کا جواب گل افزاء نے ان کی جانب دیکھے بناء ہی آہستہ آواز میں دیا۔

''چلیں؟'' وہ پوچھنے لگے۔

''جی!'' وہ چادر اوڑھ کر ان کے پیچھے چل دیں، غضنفر علی اپنی رفتار ہلکی کر کے ان کے برابر چلنے لگتے تو وہ رفتار مزید کم کر دیتیں اور پھر ان سے پیچھے رہ جاتیں، وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھیں اور غضنفر علی بھی سب سمجھ رہے تھے، باہر نکل کر انہوں نے فرنٹ ڈور کھول دیا، گل افزاء کے منہ سے ایک سسکاری نکلی تھی، غضنفر علی تیزی سے مڑے تھے۔

محبتوں کا سفر اس طرح بھی گزرا تھا
شکستہ دل تھے مسافر شکستہ پائی نا تھی
عداوتیں تھیں تغافل تھا رنجشیں تھیں بہت
بچھڑنے والے میں سب کچھ تھا بے وفائی نا تھی
بچھڑتے وقت ان آنکھوں میں تھی ہماری غزل
غزل بھی وہ جو کسی کو ابھی سنائی نا تھی
کسے پکار رہا تھا وہ ڈوبتا ہوا دن
صدا تو آئی تھی لیکن کوئی دہائی نہ تھی
عجیب ہوتی ہے راہ سخن بھی دیکھ نصیر
وہاں بھی آ گئے آخر جہاں رسائی نا تھی

وہ ان کی جانب دیکھے بناء پچھلا دروازہ کھول رہی تھیں، غضنفر علی لب بھینچے کھڑے انہیں دیکھتے رہے، پھر اچانک جیسے ہوش میں آئے۔

''آگے بیٹھ جاؤ۔'' ان کے دل نے شدت سے خواہش کی کہ گل افزاء ان کے ساتھ بیٹھ جائیں، مگر وہ ان سنی کر کے پیچھے بیٹھ گئیں، ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے غضنفر علی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھے اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

''گل افزاء مجھے تو اس وقت کا انتظار ہے، جب میری بیٹی اس دنیا میں آئے گی اور میں اسے اپنے ساتھ ادھر فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر گھمانے لے کر جایا کروں گا۔'' گاڑی آگے بڑھ رہی تھی مگر ان کی سوچیں ماضی کی جانب محو سفر تھیں۔

''کیا کہا؟'' گل افزاء نے انہیں گھورا۔

''یہ سیٹ میری ہے، اس پر ہمیشہ میں ہی بیٹھوں گی۔'' وہ استحقاق سے بھرپور لہجے میں بولی تو غضنفر علی محظوظ ہوئے۔

''اور اگر میں نے دوسری شادی کر لی؟'' وہ ہنسی دباتے ہوئے بولے۔

''غضنفر!'' گل افزاء کی روح تک کانپ گئی تھی۔

''آپ کو پتا ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''مذاق کر رہا تھا یار، اب سیریس مت ہو جانا۔'' وہ ہنس دیئے جانتے تھے وہ ان معاملے میں کتنی پوزیسو ہے۔

''دوبارہ مذاق میں بھی ایسی بات مت کیجئے گا، جانتے ہیں نا میری شادی پر میرے گھر والے کتنے ناراض ہیں، زندگی میں ایسے حالات آئے تو میں کہاں جاؤں گی۔''

''سوری یار! صرف مذاق تھا، آئی پرامس دوبارہ نہیں کروں گا۔'' اچانک گاڑی کو بریک لگنے سے دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں سے باہر آ گئے تھے، عروبہ کا گھر آ گیا تھا۔

''بات سنو!'' غضنفر علی نے گیٹ کے باہر کھڑے چوکیدار کو اشارے سے قریب بلایا۔

''عروبہ سے کہو اس سے ملنے کوئی آیا ہے یہاں آ کر مل لے۔'' ان کے الفاظ سن کر گل افزاء کا دل زور، زور سے دھڑکنے لگا تھا، برسوں بعد وہ اپنی بیٹی سے ملنے والی تھیں۔

''کتنی بڑی ہو گئی ہو گی، کیسی لگتی ہو گی؟'' وہ سوچنے لگیں۔

''بی بی صاحبہ تو چھوٹے صاحب کے ساتھ باہر کے ملک گئی ہیں، اپنے سسر سے ملنے۔'' اس نے بتایا۔

''سسر!'' ساجدہ نے ناسمجھی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔

''کب واپس آئیں گے؟'' غضنفر علی نے پوچھا۔

''یہ معلوم نہیں صاحب!''

''او کے جناب، آئیں تو اسے بتایئے گا کہ غضنفر اور گل افزاء آئے تھے۔'' انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''آپ نے عروبہ کی شادی کب کی؟'' غضنفر علی نے بیک ویو مرر سے ان کی جانب دیکھا۔

''میں نے تینوں بیٹیوں کی شادی کر دی ہے۔'' وہ بولے۔

''پہلے تو آپ نے نہیں بتایا تھا، پھر اچانک کیسے؟''

''یہی اس کے لئے بہتر تھا۔''

''اس کے لئے یا آپ اور آپ کی بیوی کے لئے پہلے اس کے کردار پر کیچڑ اچھالا، پھر اسے مجرم ٹھہرا کر نا جانے کس سے شادی کر دی، اتنے ظالم کیوں ہیں آپ غضنفر صاحب۔'' ان کا دل دکھ سے کٹنے لگا تھا، بیٹی کا غم اس کی طویل جدائی انہیں اندر سے ختم کر رہی تھی، وہ اردگرد سے بالکل لاتعلق سی بیٹھی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ دیکھ نا سکیں کہ گاڑی کدھر جا رہی ہے، وہ تو جب گاڑی ایک انجان گھر کے بڑے سے گیٹ سے اندر داخل ہونے لگی تو وہ چونک اٹھیں۔

☆☆☆

موسیٰ علی آفس سے نکلا تو اس کا رخ قبرستان کی طرف تھا، اسے عنیزہ کی بہت یاد آ رہی تھی، قبرستان کی خاموشی اور ویرانی اس کے اندر کے سناٹوں میں مزید اضافہ کر دیتی تھی، وہ عنیزہ کی قبر کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہا۔

''بہت اداس ہوں تم سے، کیوں چلی گئی مجھے چھوڑ کر۔'' وہ ہمیشہ کی طرح اس سے شکوہ کرنے لگا تھا۔

''وقت گزرتا جا رہا ہے، دن گزرے، مہینے گزرے اور پھر سال گزریں گے، زندگی گزر جائے گی، کیسے عنیزہ؟ تمہارے بغیر کیسے؟'' موسیٰ علی کا دل بھرانے لگا تھا، اس کی قبر کی مٹی کو اپنی مٹھیوں میں بھینچے وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔

''وہ تم جیسی نہیں ہے، وہ تم جیسی نہیں ہو سکتی، تم جیسی کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی۔'' وہ بہت دیر بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا تھا، کبھی وہاں آ کر دل کا بوجھ ہلکا ہوتا تو کبھی پہلے سے بھی بڑھ جاتا تھا، جب سے فروا اس کی زندگی میں آئی تھی اسے عنیزہ کی یاد اور زیادہ شدت سے آتی تھی، وہ قبرستان سے نکلا تو مولوی باقر کے پاس چلا گیا، وہ بہت خوش دلی کے ساتھ اس سے ملے تھے۔

''کیسے ہیں آپ؟'' وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اللہ پاک کا کرم ہے بیٹے، آپ بتائیں کدھر تھے، اتنے دنوں سے؟ سب خیر ہے نا؟'' ان کے اتنے اپنائیت اور فکر مندی سے پوچھنے پر اسے ندامت محسوس ہوئی تھی، وہ ہر روز قبرستان آتا تھا مگر ان سے کبھی ملنے کا خیال ہی نا آیا تھا۔

''وہ میں نے شادی کر لی ہے۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔
''بیٹے کو سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا تھا، اس کے لئے ملازمہ رکھ لی تھی، میرا خیال تھا ایسے کام چل جائے گا، مگر اس نے میرے بیٹے کو بہت بے دردی سے مارا۔'' وہ جیسے وضاحت دے رہا تھا کہ اس نے شادی کیوں کی، مولوی باقر اس کی بات سن کر مسکرا دیئے۔
''یہ تو اچھی خبر سنائی آپ نے، شادی میں ہمیں مدعو نہیں کیا۔'' وہ گلہ کرنے لگے۔
''میں نے سادگی سے نکاح کیا ہے بس، معذرت کرتا ہوں پھر بھی۔'' وہ ادب سے مخاطب ہوا۔
''نہیں بیٹا معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اسے شرمندہ دیکھ کر فوراً بولے۔
''میں تو شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا مولوی صاحب، میری پہلی بیوی بہت اچھی تھی، جبکہ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہاتھوں کو دیکھنے لگا تھا۔
''تو یہ بات ہے۔'' وہ سب سمجھ گئے تھے۔
''اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے، مگر اس صورت میں کہ وہ افورڈ کر سکے اور بیویوں کے درمیان انصاف قائم کرے۔'' وہ ناصحانہ انداز میں سمجھا رہے تھے، جبکہ وہ ہمہ تن گوش تھا۔
''ہمارے نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے، کہ شادی کرنے کے لئے ایسی لڑکی کا انتخاب کریں جو دین دار ہو، دوسرے نمبر پر وہ معزز خاندان سے ہو اور تیسرے نمبر پر یہ کہ وہ خوبصورت ہو، کیا آپ کی بیوی نیک نہیں؟'' انہوں نے اچانک سوال کیا، موسیٰ علی نے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا، اسے جواب دینا دشوار ہو گیا۔
''نیک ہے۔''
''خوبصورت نہیں ہے؟'' اگلا سوال آیا۔
''بہت پیاری ہے۔'' اس نے پھر سے نگاہیں جھکا لیں۔
''اچھے خاندان سے نہیں ہے؟'' مولوی باقر مزید گویا ہوئے۔
''اچھے خاندان سے ہے۔''
''تو پھر بیٹا کیا مسئلہ ہے؟'' انہوں نے استفسار کیا۔
''وہ میری عزت نہیں کرتی، میری پہلی بیوی......''
''بیٹا ایک بات ذہن میں بٹھا لو۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے منع کیا۔
''ہاتھ کی پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں تو پھر دو انسان کیسے ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟'' موسیٰ علی نے بولنے کے لئے لب کھولے تو انہوں نے اسے بولنے سے منع کر دیا۔
''بیٹا عورت ناز سے گندھی ہے اور نیاز کی حقدار ہے، آپ سے پتا ہے کیا غلطی ہو رہی ہے آپ اس کا موازنہ مرحومہ بیوی سے کر رہے ہو، میرا خیال ہے اس کا اندازہ بچی کو بھی ہو گیا ہے کیا وہ پہلے سے شادی شدہ ہے؟'' انہوں نے اچانک سوال کیا۔
''نہیں۔''
''آپ کے بیٹے کا خیال نہیں رکھتی؟''
''اس سے بہت پیار کرتی ہے، میں نے کئی بار چھپ کر Observe کیا ہے، اس کا بہت خیال رکھتی ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا تو مولوی باقر کچھ دیر خاموش رہے، جیسے کوئی نتیجہ اخذ کر رہے ہوں۔
''اس کا موازنہ پہلی بیوی سے کرنا چھوڑ دو اسے اہمیت دینا شروع کر دو، بلکہ احساس دلاؤ

کہ تم میرے لئے بہت اہم ہو، سب معاملات درست ہو جائیں گے۔'' وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا، پھر وہاں سے اٹھ گیا، دل میں ایک نیا عزم لے کر نئے ارادے باندھ کر۔

☆☆☆

''عیسیٰ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟'' کمرے میں اس وقت ماما اور پاپا موجود تھے، وہ ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا، اسے اپنے کیے پر کوئی شرمندگی یا افسوس نا تھا، وہ ہر طرح کی بات سننے اور ہر سچویشن کو فیس کرنے کے لئے مکمل طور پر تیار تھا، ماما سخت ناراض تھیں۔
''سارا خاندان ہمیں باتیں کرے گا، یہ تربیت تو نا کی تھی ہم نے تمہاری، یہ کیا طریقہ ہے کسی سے بدلہ لینے کا۔'' پاپا بھی بول رہے تھے اور وہ خاموشی سے ان کی بات سن رہا تھا، اس کے پاس کہنے کو اب کچھ تھا بھی نہیں، نا ہی اس کی بولنے کی خواہش ہو رہی تھی۔
''ہم سے تو مشورہ لے لیتے، کچھ بتاتے، یہ انتہائی گھٹیا طریقہ ہے، کیسی کی بیٹی کو محض اس بناء پر کہ اس کی ماں نے آپ کے ساتھ کچھ برا کیا ہے، ایک دن میں طلاق دے دی جائے، سگی خالہ زاد ہے تمہاری۔'' ماما ایک مرتبہ پھر بولی تھیں۔
''نہیں ہے وہ میری خالہ زاد۔'' وہ اتنی دیر سے خاموش بیٹھا تھا، مگر اس بات پر وہ چپ نا رہ سکا۔
''اتنی گھناؤنی سازش کرنے والے لوگ میرے کچھ نہیں ہو سکتے۔'' وہ نفرت سے بولا تھا، اس کے دل کے زخم پھر سے سلگنے لگے تھے۔
''اتنی چھوٹی سی ہے نویلہ۔'' ماما کا غم کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔
''اتنا بڑا داغ لگا دیا تم نے اسے۔'' وہ اسے احساس دلانا چاہتی تھیں۔
''وہ چھوٹی ہے تو عروبہ کون سا بوڑھی تھی ماما۔'' اسے ماما کے رویے پر افسوس ہوا۔
''اور کوئی داغ نہیں لگا اسے، اس کی ماں اس کے لئے پھر کوئی قابل لڑکا پھنسا لے گی، داغ تو میرے دل پر لگایا ہے انہوں نے، ناکام محبت کا۔'' بات مکمل کر کے وہ وہاں رکا نہیں، باہر نکل گیا۔
''دعا کریں میں مر جاؤں۔'' جاتے جاتے انہیں دہلا گیا تھا۔
''اللہ نہ کرے۔'' ماما فوراً بولیں۔
''بہت غلط کیا ہے ہمارے بیٹے نے، اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' ماما متوقع وقت اور صورتحال کو سوچتے ہوئے بہت پریشان تھیں، جو بھی تھا ان کی بہن کی بیٹی تھی وہ، انہیں بہت افسوس تھا کہ نویلہ کو دکھ دینے والا ان کا بیٹا تھا، مگر آج زندگی میں پہلی مرتبہ وہ بیٹے کے سامنے بے بس ہوئیں تھیں، وہ تو بہت فرمانبردار تھا، ہر ایک کی عزت کرتا تھا، اس کے اس رویے کی وجہ بھی تو ان کی اپنی بہن تھیں۔
''ہاں، مگر تمہاری بہن کو بھی اس کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اس نے الزام صرف اس بچی پر نہیں، ہمارے بیٹے پر بھی لگایا ہے، اتنا ہی برا تھا ہمارا بیٹا، تو اب اپنی بیٹی سے شادی کیوں کروائی۔'' پاپا نے اس کی سائیڈ لی تھی، وہ اکلوتے لاڈلے بیٹے کو دیکھ کر بہت اپ سیٹ ہو رہے تھے، مگر فی الحال اس کے لئے کچھ نا کر سکتے تھے۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد بہت غصے کے عالم میں نکلا تھا، اس کا رخ ساحل کی جانب تھا، سمندر کا شور اس کے اندر کے شور کو دبانے لگا تھا۔

میری تشنگی کا خیال کر، میں اداس ہوں مجھے دیکھ جا
میری بے بسی پر ملال کر، میں اداس ہوں مجھے دیکھ جا
یہ جو ہجر ہجر ہے شام غم میری آنکھ بھی تو ہے دیکھ نم
میری حسرتوں کو وصال کر میں اداس ہوں مجھے دیکھ جا
میں تیرے خیال کے دشت میں سبھی راستوں سے گزر گیا
میری سانس اب تو بحال کر میں اداس ہوں مجھے دیکھ جا
میرا زرد چہرہ ہے کس لئے، یہ مکان اجڑا ہے کس لئے
میرا حال پوچھ سوال کر میں اداس ہوں مجھے دیکھ جا
اے نئے دنوں کی اداس رت تو میرے وجود میں آ کے رک
میری شدتوں کو بحال کر میں اداس ہوں مجھے دیکھ جا

اس کا دل غم سے بھرا ہوا تھا، اس نے وہیں سے ائیر پورٹ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

نویلہ بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی، جب ماما اس کے روم میں آئیں، اس نے ایک سرسری نظر ان پر ڈال کر زاویہ نظر بدل لیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے بیٹا؟'' اس کے پاس جا بیٹھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کے حنائی ہاتھ ان کا کلیجہ چیر رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں ماما۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''کبھی خواب میں بھی نا سوچا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے ہمارے ساتھ۔'' وہ بہت زیادہ پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کیا کروں، ادھر علیشہ اور عدیل کا ولیمہ بھی ہے، تمہارے پاپا بھی نا جانے کہاں ہیں صبح سے، میں کالز کر کر کے تھک گئی ہوں، مگر نمبر بند جا رہا ہے۔'' انہیں کچھ سمجھ نا آ رہا تھا کہ کیا کریں، نویلہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ ولیمے پر چلی جائیں، سب سے کہہ دیں میری طبیعت بہت خراب ہو گئی جس وجہ سے وہ گھر پر ہے۔'' اس کی بات سن کر انہیں حیرت بھی ہوئی تھی اور دکھ بھی، وہ اتنی چھوٹی سی تھی، کتنی آسانی سے اتنا بڑا ظلم اور دکھ برداشت کر گئی تھی۔

''میری بچی گھر واپس آ گئی، میں کیسے فنکشنز اٹینڈ کروں۔'' انہوں نے جانے سے انکار کیا۔

''وہ بھی آپ کی بیٹی ہے، اس کی خوشی میں شامل ہونا بھی آپ کا فرض ہے، رہی بات میری، تو ماما میرا غم منانے کے لئے عمر پڑی ہے، پھر منا لیجئے گا۔'' اس کی ایسی باتوں سے ان کا دل خون کے آنسو رونے لگتا تھا، وہ خود پر ضبط کھونے لگتیں۔

''خدا تمہیں بھی سکون نہ دے عیسیٰ احمد۔'' انہوں نے بددعا دی۔

''خدا نہ کرے۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا، وہ اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

''دوبارہ اسے بددعا نا دیجئے گا ماما، مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' اس نے چہرہ دوسری جانب پھیر لیا، جیسے ان سے نظریں نہ ملانا چاہتی ہو، وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئیں، اسے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کوئی سخت بات کہہ کر اس کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھیں۔

چار و ناچار وہ علیشہ اور عدیل کے ولیمے میں شرکت کے لئے چلی گئی تھیں، ہر ایک ان سے نویلہ اور عیسیٰ کے متعلق پوچھ رہا تھا اور وہ بہانے بنا بنا کر تھکنے لگی تھیں۔

عیسیٰ کے والدین کو سامنے دیکھ کر تو ان کا خون کھولنے لگا، وہ سیدھی ان کے پاس آئی تھیں، وہ دونوں بھی صوفیہ سے نگاہیں نہیں ملا پا رہے تھے۔

''بہت ہی گھٹیا ثابت ہوا تم دونوں کا بیٹا۔'' انہوں نے زہر اگلا۔

''آپ فکر نہ کریں، ہم سمجھائیں گے اسے وہ نویلہ کو واپس لے آئے گا، ایسے تھوڑی طلاق ہوتی ہے۔'' ماما نے انہیں تسلی دی، ان دونوں کو شرمندہ دیکھ کر وہ کچھ اور زیادہ شیر ہو گئیں۔

''کرو اس سے بات، اسے بتاؤ کہ نویلہ کوئی عام لڑکی نہیں، وہ میری بیٹی ہے اور میں اس کے ساتھ زیادتی کرنے والے کو بھی چین نہیں لینے دوں گی۔'' وقت اور جگہ ایسی نا تھی کہ عیسیٰ احمد کے والدین انہیں کچھ کہتے، ان سے سوال کرتے، کہ انہوں نے کس بنا پر اس کے بیٹے پر اتنا گھٹیا الزام لگایا۔

''ماما! نویلہ اور عیسیٰ کدھر ہیں، سب ٹھیک ہے نا؟'' تنہائی میسر آتے ہی علیشہ نے ان سے پوچھا تھا۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے، عیسیٰ نے نویلہ کو...... طلاق دے دی۔'' وہ آنسو ضبط کرنے لگیں۔

''کیا؟'' علیشہ کو ایک ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

''ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ؟''

''اس نے ایسا کر دیا ہے، مگر میں اسے چھوڑوں گی نہیں، میری بیٹی کوئی ایسی گری پڑی یا لاوارث نہیں ہے اور اپنے باپ کا حال دیکھ لو، کوئی اتا پتا ہی نہیں۔''

''پاپا تو کبھی ہمارے بنے ہی نہیں ماما۔'' علیشہ عدیل کو پا کر بہت خوش تھی، مگر اس خبر نے اس کی خوشی کو بھی ماند کر دیا تھا۔

☆☆☆

صبح عروبہ کی آنکھ کھلی تو فارقلیط حسن گہری نیند میں تھا، اس نے وضو کیا اور جائے نماز اور قرآن پاک لے کر لاؤنج میں آ گئی، کمرے میں فارقلیط حسن نے بڑی بڑی اور عجیب سی تصویریں لگا رکھی تھیں، وہ نماز پڑھ رہی تھی کہ حسن صاحب اپنے کمرے سے نکلے تھے، عروبہ کو نماز پڑھتے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئے تھے، دوپٹہ اوڑھے رکوع و سجود کرتی وہ کسی بھی قسم کی بناوٹ اور تصنع سے پاک بہت پیاری لگ رہی تھی، نا چاہتے ہوئے بھی وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئے اور اسے دیکھنے لگے، ان کے لئے اسے نظر انداز کرنا دشوار ہونے لگا۔

''فارقلیط حسن نے کس طرح ایسی لڑکی سے شادی کر لی۔'' نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے تو ٹپا ٹپ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، جانے وہ اللہ سے کیا راز و نیاز کر رہی تھی، اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، حسن بہزاد اٹھ کر واپس اپنے روم میں آ گئے تھے، مگر اس کی آنسو بہاتی آنکھیں ان کے ذہن سے محو نا ہو سکیں، وہ دوبارہ کمرے سے باہر نکلے، اب کی بار وہ صوفے پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھی، اس کے لب ہولے ہولے ہل رہے تھے، وہ سر جھٹک کر کچن میں آ گئے اور اپنے لئے کافی بنانے لگے۔

''السلام علیکم انکل!'' انہیں اپنے پیچھے اس کی آواز سنائی دی تھی، مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے کھڑے رہے، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''لائیں میں بنا دیتی ہوں۔'' اس کی آواز بھی بہت پیاری لگی تھی انہیں، وہ آگے بڑھنے

تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، میں خود بنا لوں گا۔'' چاہ کر بھی وہ اس سے کوئی سخت بات نا کر سکے، انہوں نے دیکھا تھا کہ ان کے انکار سے عروبہ کی آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی تھی۔

''آپ کے بیٹے کا کوئی قصور نہیں ہے، وہ بہت گریٹ انسان ہیں، میں بہت بری......''

''یہ میرا اور میرے بیٹے کا معاملہ ہے، آپ بیچ میں مت آؤ۔'' وہ اس کو ٹوک گئے اور پھر عروبہ کو بھی بولنے کی ہمت نہ ہوئی، اس نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا، ان کے چہرے پر سختی مگر آنکھوں میں نرمی تھی۔

''وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں، مجھ سے کہیں زیادہ۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ روم میں آ گئی تھی، اس کا دل بھرانے لگا تھا، وہ بیڈ پر اپنی جگہ پر آ بیٹھی اور کراؤن سے ٹیک لگا لی، اس کی آنکھوں کے جام نمکین پانیوں سے بھرنے لگے تھے۔

''میں بہت بری ہوں، پتا نہیں کس کس کا دل توڑ بیٹھتی ہوں، دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بن جاتی ہوں۔'' اس کی سسکیاں بلند ہو گئیں، فارقلیط حسن گھبراہٹ کے عالم میں اٹھ بیٹھا۔

''عروبہ آر یو آل رائٹ؟'' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا اور اس کے آنسو پونچھنے لگا، اس نے کوئی جواب نا دیا، بس خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

''پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا؟'' عروبہ غضنفر کے آنسو اور زیادہ تیزی سے بہنے لگے تھے، فارقلیط حسن کمرے سے باہر آ گیا، ڈیڈی کچن میں بیٹھے کافی پی رہے تھے، اسے آتا دیکھ کر بھی انہوں نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تو اب آپ میرے سلام کا جواب بھی نہیں دیں گے۔'' ان کا اجنبی اور لاتعلق انداز اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔

''ڈیڈی آپ صرف ایک بار میری بات سن لیں، میں بہت مجبور ہو گیا......''

''نہیں سننی مجھے تمہاری بات اور اس لڑکی سے بھی کہو اپنے کام سے کام رکھے، مجھے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے، فارقلیط حسن ساری بات سمجھ گیا تھا۔

''ڈیڈی آپ کی نافرمانی میں نے کی ہے، اس نے نہیں، وہ بہت Sensitive ہے، پلیز اسے مت کچھ کہیے گا۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولا تھا۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے، پلیز ڈیڈ ایک موقع دے دیں ہمیں۔'' وہ منت کرنے لگا تھا ایک گہری کاٹ دار نظر اس کی سمت اچھال کر وہ وہاں سے چلے گئے تھے، فارقلیط حسن وہاں سے واپس اپنے روم میں آ گیا تھا، عروبہ ابھی بھی رو رہی تھی، وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''بس یہی ایک کام تمہیں بہت اچھا سے کرنا آتا ہے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''تم سے کس نے کہا تھا ان کے پاس جاؤ، ان سے بات کرو۔'' جب سے ان کی شادی ہوئی تھی، وہ پہلی مرتبہ اس سے سخت لہجے میں بولا تھا۔

''وہ تو تم سے ایسے ہی بات کریں گے نا، وہ تمہارے Father in law ہیں، پھر مجھ سے خفا ہیں، ایسے میں غصہ تم پر ہی نکلنا تھا۔'' وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا تھا، اس نے عروبہ کو رونے سے منع نہیں کیا تھا۔

''اچھا اب بس کرو، کتنا روتا ہے۔'' وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

''عروبہ بس کرو یار!'' فارقلیط حسن نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ پڑ گئی تھیں۔

''تم دیکھنا وہ جلد اپنے رویے پر پچھتائیں گے۔'' وہ اس کے آنسو پونچھ رہا تھا، اس کے بال ٹھیک کر رہا تھا۔

''چلو ناشتہ کرتے ہیں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا، وہ بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

موسیٰ علی مارکیٹ گیا تھا، اس نے فروا کے لئے کچھ کپڑے، جوتے اور جیولری خریدی تھی، شاپنگ بیگز ہاتھ میں پکڑے وہ لاؤنج میں داخل ہوا، اسے دور سے ہی فروا کی آواز سنائی دے گئی تھی۔

''مصعب بیٹا! پی لو نا فیڈر۔'' وہ اس کی منتیں کر رہی تھی۔

''نو ماما!'' وہ مسلسل انکاری تھا، وہ اس کے پیچھے بھاگتی مسلسل اس کی منتیں کر رہی تھی۔

''میرا پیارا بیٹا، تھوڑا سا پی لے نا۔'' اس نے مصعب کو گود میں اٹھا کر اس کے گال پر پیار کیا تھا، وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''السلام علیکم!'' موسیٰ علی اندر داخل ہوا تھا، اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' فروا نے آہستہ آواز میں جواب دیا، مگر وہ سن چکا تھا، مصعب فروا کی گود میں سے اتر کر باپ کی طرف بھاگا تھا۔

''پاپا!''

''میرا بیٹا!'' موسیٰ علی نے تمام شاپنگ بیگز صوفے پر رکھے اور جھک کر مصعب کو اٹھا لیا، فروا اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

''سنو فروا!'' اس نے آواز دی تو رک گئی، مگر واپس نا آئی اور مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

''یہ میں نے تمہارے لئے کچھ [illegible] ہے، یہ دیکھ لو۔'' اس نے کہا تو فروا چلتی [illegible] اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''میرے لئے شاپنگ۔'' اس نے انگلی سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

''مگر کیوں؟'' اس کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

''تم بیوی ہو میری، تمہارا حق......''

''میرا آپ پر یا آپ کی کسی چیز پر کوئی حق نہیں ہے، مجھے نہیں چاہیے یہ سب۔'' وہ واپس مڑی تو موسیٰ علی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔

''بہت اچھے ڈریسز ہیں، دیکھ تو لو۔'' اس سے صلح کرنا چاہتا تھا، مگر فروا کا مزاج نارمل رہا تھا۔

''مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ڈائمنڈ کے ایئر رنگز بھی لایا ہوں، تم دیکھو تو سہی۔'' وہ ابھی بھی مصالحت آمیز لہجے میں بول رہا تھا۔

''میری اوقات نہیں ہے ڈائمنڈ پہننے والی، اور ویسے بھی......'' وہ لحہ بھر رکی۔

''ڈائمنڈ پہننے سے دل کو سکون اور خوشی نہیں ملتی۔'' وہ بات مکمل کر کے اندر چلی گئی تھی، موسیٰ علی بھی فوراً اندر آیا تھا۔

''تو تم مجھے بتاؤ کس چیز سے خوشی اور سکون ملتا ہے تمہیں؟ میں اس کا ارینج کر دیتا ہوں۔'' مصعب اپنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا، موسیٰ علی اس کے پاس آ بیٹھا تھا، فروا نے سر اٹھا کر ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی اور پھر زاویہ نظر بدل ڈالا۔

''آپ وہ نہیں دے سکتے مجھے، اتنا بڑا

دعویٰ مت کیجئے۔" اس نے طنز کا نشتر چھوڑا۔

"اعتبار کر کے تو دیکھو۔" وہ اعتماد سے بولا۔

"اعتبار ہی نہیں دے سکتے آپ، نہ سکون، نہ عزت، نہ وفا۔" وہ اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی، موسیٰ علی اس کی تقلید میں اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔

"اتنی بدگمان کیوں ہو مجھ سے؟" اس کے پاس سے اٹھتی دلفریب کلون کی مہک فروا گل کو ڈسٹرب کر رہی تھی، وہ اسے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں دینا چاہتی تھی، کیونکہ اس نے اسے اس کی اپنی ہی نظروں میں گرایا تھا، اسے کم حیثیت و بے وقعت ہونے کا احساس دلایا تھا۔

"میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ صبح و شام اپنی بیوی کے بیڈ روم میں حاضری لگایا کریں، اس کی تصویروں کو سینے سے لگا کر آنسو بہایا کریں، میری اتنی پرواہ مت کریں، کہ میں حیرت سے مرنا جاؤں کہیں۔" موسیٰ علی خود کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکنے لگا تھا، گویا وہ اس کی جاسوسی کرتی تھی، یہ جان گیا تھا وہ۔

"ایک ایسی لڑکی سے دشمنی لگا رہی ہو جو اس دنیا میں بھی نہیں ہے۔" وہ اداسی سے بولا۔

"اونہہ، دشمنی۔" اس نے سر جھٹکا۔

"دشمنی برابر کے لوگوں سے لگائی جاتی ہے اور میرا کیا مقابلہ آپ کی بیوی سے۔" اس نے زہر خند ہوتے ہوئے کہا۔

"میں آفس کے کام سے دو دن کے لئے اسلام آباد جا رہا ہوں، میری پیکنگ کر دو۔" وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

"سوری خود کر لیں۔" وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی، موسیٰ علی اس کے رویے پر غور کرتا رہا اور پھر پیکنگ میں مصروف ہو گیا، وہ تیار ہو کر باہر نکلا تو فروا لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھی، وہ اس کے پاس آ گیا۔

"جا رہا ہوں۔" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میرے بیٹے کا خیال رکھنا۔" وہ پھر بولا۔

"جانتی ہوں آپ کا بیٹا ہے، بار بار سنانے اور جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ درشتی سے بولی۔

"ہر بات کو نیگیٹو کیوں لیتی ہو۔" وہ کہہ گیا۔

"میرے سامنے اتنا پوزیٹو بننے کی ضرورت نہیں ہے، جانتی ہوں کتنے اچھے ہیں۔" اس نے ذرا بھی لحاظ نہ کیا۔

"بہت منہ پھٹ ہو۔" وہ خود کو کہنے سے باز نہ رکھ سکا۔

"منافق تو نہیں ہوں نا۔" وہ ذرا نہ دبی نہ گھبرائی اور دو بدو جواب دیا۔

"شوہر ہوں تمہارا۔" اس نے احساس دلانا چاہا۔

"تو؟" اس نے بایاں ابرو چڑھایا۔

"کاش نہ ہوتے۔" فروا نے حد کر دی۔

"Enoug is enough۔" وہ ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک گیا۔

"عزت نہیں کر سکتی تو کم از کم لحاظ ہی کر لو۔" وہ اسے احساس دلانا چاہتا تھا، مگر ادھر کوئی اثر نہ تھا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا، ہر وقت پہلی بیوی کی یادوں میں کھوئے رہتے ہیں، میں بھی کوئی مری نہیں جا رہی آپ کے لئے، میری طرف سے سادھو بن کر اس کی قبر پر جا بیٹھیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے اگر شادی سے پہلے پتا ہوتا کہ تم اتنی بدتمیز ہو تو کبھی شادی نہ کرتا تم سے۔" وہ طیش میں آ گیا تھا۔

"تو ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔"

"خاموش ہو جاؤ فروا، ایسا نہ ہو کہ میں غصے میں کچھ ایسا کر دوں جس پر تمام عمر پچھتاؤ۔" وہ اسے وارن کر رہا تھا، اس کے غصے کی وہ ذرا پرواہ نہیں کر رہی تھی، یہ بات موسیٰ علی کو غصہ دلا گئی۔

"پچھتا تو میں اب بھی رہی ہوں۔" وہ ابھی بھی باز نہ آئی تھی، موسیٰ علی اسے گھور کر رہ گیا۔

"دفعہ ہو جاؤ، دور ہو جاؤ میری نظروں سے، ورنہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔" اس نے فروا کو دروازے کی طرف دھکا دیا تھا۔

"موسیٰ!" وہ صوفے سے ٹکرا کر گر پڑی تھی، اس کی آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی، اسے موسیٰ علی سے ایسی امید تو نہ تھی۔

"بس یہ ہی حد ہوتی ہے نا، یہی آخری حربہ ہوتا ہے مردوں کے پاس، عورت کو خاموش کروانے کے لئے، نیچا دکھانے کے لئے، تو لیں میں نے مان لی ہار، آپ جیت گئے۔" وہ گھٹنوں میں سر دیئے رونے لگی تھی۔

"میرے بیٹے کو look after کرنے کا رعب جھاڑتی ہو نا، اب نہیں کرنا پڑے گا تمہیں۔" وہ واپس مڑا اور مصعب علی کے کپڑے نکالنے لگا، فروا نے روتے ہوئے سر اوپر اٹھایا وہ مصعب کو اٹھا کر کمرے سے نکل رہا تھا، دوسرے ہاتھ میں بیگ تھا، مصعب نے فروا کو دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

"ماما! ماما!" وہ اس کے پاس جانے کے لئے بیتاب تھا۔

"نہیں ہے یہ تمہاری ماما۔" وہ باہر کی جانب بڑھا۔

"میری واپسی تک مجھے یہاں نظر نہ آنا، آ کر بات کروں گا تمہاری ماں سے۔" وہ باہر نکل گیا تھا، مصعب بہت رو رہا تھا، فروا کی چیخیں اندر ہی کہیں دم توڑ رہی تھیں۔

☆☆☆

سڑکوں پہ اب کچھ منچلے رہ گئے تھے، جو نیو ایئر کو ویلکم کہنے کے لئے بیتاب تھے، اپنی ہی لاش کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے وہ تھک چکی تھی، اپنے وجود سے زیادہ عمر بھر ملنے والے دکھوں کا بوجھ اسے لگ رہا تھا، اس کے رخساروں پہ بارش کی بوندیں اور آنسو اب گڈ مڈ ہو رہے تھے، مگر وہ اپنے آنسوؤں کی پہچان رکھتی تھی، جو اس کے غم کی آگ میں جل کر گرم ہو رہے تھے، جبکہ بارش کا پانی تو خوب ٹھنڈا میٹھا تھا۔

"جس شخص کے ساتھ زندگی کے اتنے سال بتائے اس نے ٹھکرا دیا، جن بچوں کے لئے اپنی زندگی، اپنا سب کچھ لٹا دیا انہوں نے بھی مجھے دھتکار دیا، پھر بھلا وہ شخص کیوں۔" اس خیال سے ہی اس کے آنسو شدت سے بہنے لگے تھے، اس کا پورا وجود گویا برف کی سل بن گیا تھا، نڈھال ہو کر وہ سڑک کنارے سنگی بینچ پر بیٹھ گئی، اس کا سانس دھونکنی کی مانند تیز تیز چل رہا تھا، ہاتھ پاؤں جیسے بے جان ہو رہے تھے، حیات پر بھی برف جمنے لگی تھی۔

"اللہ!" اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی، اس کو پکارتے ہوئے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"اللہ!" اب کی بار حلق سے گھٹی گھٹی آواز برآمد ہوئی تھی، اس نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی جانب دیکھا تھا، اسی وقت بجلی زور سے چمکی تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی پکار کا جواب آیا ہو۔

☆☆☆

زین نے ہاتھ گیٹ سے باہر ہی کھڑی کر

دی اور اندر آ گیا، چوکیدار نے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے والا دروازہ اندر کی طرف جاتا ہے، وہ شکریہ ادا کر کے لاؤنج کی جانب بڑھا، اندر قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا، سامنے کارپٹ پر کوئی لڑکی گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی بہت بری طرح رو رہی تھی، اس کے بال سادہ سی چوٹی میں بندھے ہوئے تھے، چوٹی آگے کو جھول رہی تھی، اس کے آس پاس کوئی نا تھا، وہ تنہا رو رہی تھی۔

''ایکسکیوزمی!'' زین اس کے قریب آ کر بولا تھا، فروا نے سر تیزی سے اوپر اٹھایا تھا، اسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت دیر سے رو رہی ہو، اس کی گہری جھیل سی آنکھوں میں درد تیر رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے، ایسے کیوں رو رہی ہیں آپ؟'' زین ندیم کی ہمدرد طبیعت نرمی سے اس کی رونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔

''مجھے سر موسیٰ نے بہت امپورٹنٹ فائل لینے کے لئے بھیجا، ایکچوئلی ان کے ایک کلائنٹ کو آج ہی ہینڈ اوور کرنی ہے، سر تو اسلام آباد چلے گئے ہیں۔'' وہ ابھی بھی آنسو بہا رہی تھی، موسیٰ علی کا نام سن کر نفرت کی ایک تیز لہر اس کے پورے بدن میں سے اٹھی تھی۔

''آپ سر کی......'' اس نے بات ادھوری چھوڑی کر فروا کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''کزن ہیں وہ میرے۔''

''یہی تو میں سوچ رہا تھا، سر کی سز کی تو ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' وہ کہنے لگا، فروا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ رو کیوں رہی ہیں؟'' اس نے پھر سوال کیا۔

''میری بی اے میں انگلش کے پیپر میں سپلی آئی ہے۔'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا، جیسا بھی تھا، اس کا شوہر تھا، وہ اس کی انسلٹ نا کرنا چاہتی تھی۔

''ارے!'' زین ہنس دیا۔

''اتنی سی بات، میں تو آپ کو دیکھ کر ڈر ہی گیا تھا، ایسا لگ رہا تھا، جیسے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔'' اسے وہ بہت اچھی لگی تھی۔

''آپ فائل لیں اور جائیں۔'' وہ سختی سے بولی تھی۔

''آپ تو بہت روڈ ہیں۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

''آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔'' وہ اٹھ کر اندر گئی، بیڈ سائیڈ ٹیبل پر فائل پڑی ہوئی تھی، اٹھا کر باہر آئی اور زین کو پکڑا دی۔

''اب جائیں۔'' وہ مسلسل اس کی جانب دیکھ رہا تھا، فروا کو کہنا پڑا۔

''چائے نہیں پلائیں گی؟'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''نہیں۔'' اس نے بنا کسی لحاظ اور مروت کے انکار کیا۔

''سر سے آپ کی شکایت کروں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''شوق سے کیجئے۔'' وہ بالکل مرعوب نا ہوئی۔

''چلتا ہوں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھا۔

''Nice to meet you'' وہ اچانک مڑا۔

''مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی آپ سے مل کر۔'' اس کی بات پر ہنستا ہوا وہ باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

''بہت ضدی اور خود سر ہو گیا ہے ہمارا

بیٹا۔'' عیسیٰ احمد نے کال کر کے پاپا کو بتایا تھا کہ شام کی فلائٹ سے وہ فرانس واپس جا رہا ہے، تب سے اس کے والدین پریشان اور خفا ہو رہے تھے۔

''ایسا نہیں تھا میرا بیٹا۔'' ماما نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آن کیا تھا۔

''اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا، اس کا ری ایکشن جائز ہے۔'' وہ جا کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''Breaking news'' ٹی وی اسکرین پر بڑا سا لکھا ہوا تھا۔

''اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا تو اس کا بدلہ بے قصور اور معصوم سے لینا تھا۔'' پاپا اس سے سخت خفا تھے۔

''ناظرین یہاں پر آپ کو تازہ ترین خبر سے آگاہ کرتے ہیں کہ پاکستان سے فرانس جانے والی نجی ایئر لائن کی فلائٹ نمبر 113 کو پرواز کر کے کچھ ہی دیر بعد حادثہ پیش آ گیا، جہاز میں موجود پائلٹ سمیت پچانوے افراد ہلاک۔''

''نہیں۔'' ماما کا ہاتھ سیدھا اپنے دل پر جا پڑا تھا، عیسیٰ احمد نے انہیں کال کر کے بتایا تھا کہ وہ فلائٹ نمبر 113 سے فرانس جا رہا ہے، ان کے اردگرد دھماکے ہونے لگے تھے، انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ صور پھونکا جا چکا ہے، جس سے ان کے کانوں کے پردے پھٹ گئے ہوں، ہر چیز تہس نہس ہو گئی ہو، پاپا آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے ٹی وی اسکرین کو گھور رہے تھے۔

''دعا کریں میں مر جاؤں۔'' عیسیٰ احمد کا اداس لہجہ آس پاس فضاؤں میں گونج رہا تھا، بکھر رہا تھا اور وہ چاہ کر بھی اسے سمیٹ نہیں پا رہے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ)

شہر دل کے راستے

تحسین اختر

میرے بے خبر تجھے کیا خبر' میری زندگی کا ہر ایک
پل
تیری آرزو تیری جستجو میری جیت تو میری ہار تو
میرے بے خبر تجھے کیا خبر
تیری ذات میں وہ نصاب ہے
جسے پڑھنا میرا خواب ہے
جو میرے لئے سراب ہے
میرے بے خبر تجھے کیا خبر' میری بات سن
میری پلکوں سے میرے خواب چن
میری چاہتیں اور عنائتیں تیرے نام تھیں تیرے
نام ہیں
میرے دل کی ساری ہی دھڑکنیں بنا تیرے مجھ پہ
محال ہیں

مریم علوی بیگ صاحب کے سادگی سے سجے ہوئے بیڈ روم میں دلہن بنی بیٹھی اس سادگی میں پرکاری کے تمام رنگ بھر رہی تھی، اس نے نفع

ناولٹ

ونقصان سوچے سمجھے بغیر اس شخص سے محبت کی تھی اور اب اپنی محبت کو پا کر بے حد سرور تھی، ہلکا سا کھٹکا ہوا تھا اور پروفیسر صاحب اندر آ گئے تھے مریم سنبھل کر بیٹھ گئی تھی، دل کی دھڑکنوں میں اتھل پتھل سی ہونے لگی تھی اور ہاتھ پاؤں یوں بے جان ہو رہے تھے جیسے بیگ صاحب سے یہ پہلی ملاقات ہو۔

''السلام علیکم!'' بیگ صاحب بلیک تھری پیس سوٹ میں اپنی عمر سے کہیں کم دکھائی دے رہے تھے، مریم نے ہولے سے سر کو ہلا کر ان کے سلام کا جواب دیا تھا۔

''ماشاء اللہ آپ پر تو ٹوٹ کر روپ آیا ہے۔'' انہوں نے اس کا گھونگھٹ سرکا کر کہا تو وہ زیر لب مسکرا پڑی تھی، بے شک اس تعریف میں کوئی مبالغہ آرائی نہ تھی اس بات کی گواہی آئینے نے بھی دی تھی اور بہت سے لوگوں نے



بھی۔

''مریم اور کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' کچھ دیر تلک تو وہ اس کو دیکھتے رہے تھے پھر نہایت بے بسی سے بولے تھے۔

''کچھ بھی، وہ جو آپ کے دل میں ہے، میں سب سننا چاہوں گی۔'' مریم ان کی مشکل کو سمجھتی تھی اس لئے ساری شرم بالائے طاق رکھ کر ان سے بولی تھی۔

''مریم میں آپ سے بہت لمبے چوڑے وعدے وعید تو نہیں کرتا، بس اتنا کہوں گا کہ آپ کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہو گی، میں وفا نبھانے والا شخص ہوں، دیکھو ثانی نے کہا تھا مجھے زندگی کے کسی موڑ پر چھوڑ کر نہ جائے گا، میں نے تو اس کو نہیں چھوڑا مگر وہ خود ہی بے وفا نکلی مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی، ثانی کی جدائی میں نہ سہ لی، اپنے بچوں کے لئے خود کو سمیٹ لیا، مگر اب تم نے زندگی کی ویران شاہراہ پر میرا ہاتھ تھاما ہے تو اب تم مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا، مجھے اس جدائی سے بڑا خوف آنے لگا ہے، میں نے رات کو ہما اور سنی کو بھی بتا دیا تھا آپ کی ماما اس گھر میں آ رہی ہیں، آنٹی مریم آپ کی نئی ماما ہیں، وہ بے تحاشا خوش ہو رہے تھے، مریم میرے بچوں نے ماما کے نام پر جو خوشی محسوس کی ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ اس خوشی سے دوبارہ محروم ہو جائیں، تم آج کی رات مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ ہمیں چھوڑ کر کبھی نہ جاؤ گی۔'' انہوں نے مریم کے حنائی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لئے تھے یوں کہ وہ اس سے وعدہ لے کر ہی انہیں چھوڑیں گے۔

''پروفیسر صاحب آپ اپنے دل سے ہر اندیشے اور خوف کو مٹا دیں، میں اس گھر میں اس لئے نہیں آئی کہ اس کے مکینوں کو اپنا کر چھوڑ جاؤں، آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی، ہما اور سنی اب صرف آپ کے بچے نہیں بلکہ ہم دونوں کے بچے ہیں اور ایک ماں اپنے بچوں کو کب چھوڑ کر کہیں جاتی ہے۔'' اس نے نہایت جذب سے کہا تھا۔

''تھینک یو مریم۔'' بیگ صاحب کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، انہیں آج اپنی خوش قسمتی پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا، یقیناً مریم نے ان کے رستے زخموں پر مرہم رکھ دیا تھا۔

''آنٹی آپ اب ہمارے ساتھ رہیں گی نا، ہمارے گھر میں۔'' اگلی صبح بے حد چمکیلی اور روشن تھی، بیگ صاحب بالوں کو کنگھی کرتے ہوئے بڑے مطمئن انداز میں گنگنا رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں مریم کے نکھرے خوبصورت عکس کو بڑی محبت سے بھی دیکھ رہے تھے، ہما اور سنی دونوں بیڈ پر مریم کو گھیرے بیٹھے تھے۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں اب تمہاری آنٹی نہیں، ماما ہوں، پہلے ماما کہو پھر تمہاری بات کا جواب دوں گی۔'' مریم نے ہما کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''آنٹی کیا آپ واقعی ہماری ماما بن گئی ہیں۔'' ان کو کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا، سنی نے پوچھا تھا۔

''ہاں بیٹا کیا آپ کو کوئی شک ہے۔'' وہ مدھم سے لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں آپ ہماری ماما ہی ہیں۔'' ہما جلدی سے بولی تھی اور اس کے زرتار آنچل میں چھپ گئی تھی، مریم کو اس معصومیت پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا اس نے اپنا آنچل ہٹا کر بے ساختہ ہما کا منہ چوم لیا تھا۔

''کیا آج ہی سارا پیار بچوں پر لٹانے کا ارادہ ہے۔'' بیگ صاحب بال بنا کر ان کے

پاس آتے ہوئے بولے تھے۔

''پیار تو کبھی ختم نہیں ہوتا اور پھر ماں اور بچوں کا پیار ایسا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے ماں اور بچوں کا پیار اہم ہے، باقی بے چارے تو کسی کھاتے میں نہیں آتے۔''

''باقی بے چارے کون؟'' مریم جان بوجھ کر انجان بنی سے بولی تھی۔

''باقی بے چارے ہم جیسے لوگ۔'' بیگ صاحب شوخی سے بولے تھے، دونوں بچوں نے بھی دل چسپی سے اپنے باپ کو ہنستا مسکراتا روپ دیکھا تھا۔



واقعی سچ کہتے ہیں کہ اگر خدا پاک کسی بندے کے لئے ایک در بند کرتا ہے تو سو در اس کے لئے اور کھول دیتا ہے، مریم سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یاسر علوی کی صورت اسے کوئی فرشتہ مل جائے گا، اس نے اسے بہت اچھی سیلری اور دوسری مراعات کے ساتھ جاب دی تھی، حریم اس کی جتنا بھی مشکور ہوتی کم تھا۔

''میں تمہارا احسان تاعمر نہیں بھول سکتی، تم نے مشکل وقت میں میری مدد کی ہے۔'' حریم نے مشائم سے ملتے ہی کہا تھا۔

''اوہ کم آن، ہم دونوں دوست ہیں اور دوستوں میں ایسی باتیں نہیں چلتیں۔'' وہ محبت سے بولی تھی۔

''پھر بھی مشائم میں واقعی تمہاری بہت ممنون ہوں۔''

''ٹھیک ہے یار، اب بس بھی کرو، کیا بور کر رہی ہو، بلکہ اگر تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو بلا جھجک مجھ سے کہہ دینا۔''

''ہاں تمہیں ہی بتاؤں گی نا۔''

''چلو آؤ پہاڑی چوک کے گول گپے کھانے چلتے ہیں اور یہ ٹریٹ تمہاری طرف سے ہو گی تمہاری جاب ملنے کی خوشی میں۔'' مشائم نے نعرہ لگایا تھا۔

''مجھے اتنی جاب ملی ہے، اتنا اچھا باس ملا ہے، اتنی زبردست سیلری ہے میری اور تم بس گول گپے کی ٹریٹ مانگ رہی ہو، چلو تم نے کچھ اور بھی کھلانا ہوا تو کھلا دینا، ہمیں نہیں پتہ تھا محترمہ حریم صاحبہ چند دنوں میں ہی اتنی امیر ہو گئی ہیں۔'' دونوں کھلکھلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''یار اپنی آپی کا حال سناؤ، کیسی لائف چل رہی ہے ان کی۔'' حریم کو مشائم کے ساتھ چلتے چلتے یاد آیا تو پوچھنے لگی تھی۔

''بہت خوش ہیں وہ، مجھے آج تک ان کی سمجھ نہیں آئی اتنا پڑھ لکھ کر شاید ان کی مت ماری گئی ہے، دو بچوں کے باپ کے ساتھ پہلے شادی کے لئے مری جا رہی تھیں اور اب ان کے ساتھ شادی ہونے پر شکر ادا کرتے نہیں تھکتیں۔'' مشائم نے منہ بنا کر حریم کو بتایا تھا۔

''یار یہی محبت کہلاتی ہے اور کچھ نہیں، یہ روگ جس کو لگ جائے پھر اسے محبوب کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔'' انہوں نے بھی پروفیسر صاحب سے سچی محبت کی ہے اور آخر اپنی محبت کو پا لیا ہے۔

''ہونہہ محبت، میں تو باز آئی ایسی محبت سے۔'' مشائم نے نخوت سے ہنکارا بھرا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے محبت جائے بھاڑ میں۔'' حریم نے دلچسپی سے مشائم کو دیکھا تھا۔

''تو اور کیا ایسی محبت جائے بھاڑ میں۔'' مشائم نے ہاتھ جھاڑے تھے۔

''ویسے یار کسی دن مجھے مریم آپی سے ملوانا، سچ مجھے بہت شوق ہے ان سے ملنے کا۔''

"کیوں تم نے ان کی شاگردی کرنی ہے کیا۔" مشائم نے اسے گھورا تھا۔

"ہاہا، شاید ان کی شاگردی کرنی ہی پڑ جائے کبھی۔" حریم نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

"کل جب میں گھر گئی ہوں تو وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے آئی ہوئی تھیں اور اتنی خوش تھیں کہ میں تو حیران ہوں ابھی تک اس بات پر کہ کیسے اتنی جلدی بچوں کے ساتھ ایڈجسٹ کر گئیں وہ، چلو شوہر جیسا بھی ہو عورت کو اچھا ہی لگتا ہے مگر کسی اور عورت کے بچے اور پھر انہیں اپنانا ان کی ماں کی جگہ لینا یار بڑے دل گردے کا کام ہے۔"

"دل گردے کا نہیں بڑے ظرف کا نام ہے۔" حریم نے کہا تھا۔

"کم از کم ایسا ظرف مجھ میں تو نہیں ہے۔" مشائم جلدی سے بولی تھی۔

"اسی لئے تم مریم آپی سے مختلف ہو۔"

"تم ان کی تعریف کر رہی ہو یا میری برائی۔" مشائم نے رک کر اسے گھورا تھا۔

"کچھ بھی نہیں، بس ایک بات کر رہی ہوں، ہر بندے کا مزاج اور ظرف مختلف ہوتا ہے تو وہ اپنی اپنی جگہ ایسے کام کرتا ہے نا۔"

"چلو ایسا کرتے ہیں کسی دن ان کے گھر چلتے ہیں۔" مریم نے مشائم سے کہا تھا۔

"میری تو اس شادی کی وجہ سے ان کے ساتھ ناراضگی چل رہی ہے، تم چلی جانا۔"

"میں تمہاری دوست ہوں وہ تو مجھے جانتی بھی نہیں ہیں، پھر اکیلی کیسے چلی جاؤں اور بائی داوے تم کیوں ان سے ناراض ہو، جب وہ خوش ہیں تو پھر تمہیں کیا حق پہنچتا ہے ان سے ناراض ہونے کا۔"

"ان کی آنکھوں پہ تو محبت کی پٹی بندھی ہے، انہیں اس لئے کچھ نظر نہیں آتا وہ بھی جو ہمیں اچھا نہیں لگتا۔"

"یار ان کی محبت پہ شک نہ کرو، انہوں نے اگر اس شخص کو ہر خامی یا کمی کے ساتھ قبول کیا ہے تو وہ ان کی سچی اور بے لاگ محبت ہے، تمہیں یا مجھے یا کسی اور کو بھی کوئی حق نہیں پہنچتا اس پر ایسے رویے کا۔"

"ہونہہ محبت، بے شک یہ برباد کر کے رکھ دے۔"

"برباد یا آباد۔" مریم نے ٹکڑا توڑ جواب دیا تھا۔

"چھوڑو اس ٹاپک کو، بور نہ کرو۔" مشائم نے اکتا کر کہا تھا مریم نے بھی بات بدل لی تھی۔

☆☆☆

عابدہ عزت اور وقار کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی اور موحد کے لئے اس سے بڑی بات اور کوئی نہیں تھی، اس شام سارے مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تھے اور اگلی صبح اسے بھی واپس کام پر چلے جانا تھا، وہ ماں کے پاس بیٹھا فرصت سے چولہے کی بجھی ہوئی راکھ کرید رہا تھا اور دونوں ماں بیٹا عابدہ کے جانے کے بعد جہاں مطمئن تھے وہیں دونوں کے دل اس کی جدائی پر اداس بھی تھے وہ دونوں پچھلے دونوں کے ہنگامے رشتے داروں کے برتاؤ عابدہ کے سسرال والوں کے قصوں کو نئے سرے سے یاد کر رہے تھے جب دروازہ کھلنے کی چاپ سنائی دی تھی۔

"السلام علیکم خالہ!" یہ آواز موحد کی پشت سے ابھری تھی مگر اس آواز میں وہ احساس تھا جس نے پورے کے پورے موحد کو لرزا دیا تھا، وہ کرنٹ کھا کر گھوما تھا، نظریں ایک دم سے سیراب ہوئی تھیں، برسوں کی پیاس ایک ہی گھونٹ میں جیسے بجھتی تھی، دل عرصے بعد نئی لے پر دھڑکا تھا جیسے۔

"وعلیکم السلام! اب آئی ہو، جب شادی ختم ہو گئی، عابدہ تیری راہ دیکھتے دیکھتے پیا سنگ سدھار گئی۔" اماں نے کھڑے ہو کر اسے گلے لگایا تھا اور ساتھ ہی شادی میں شرکت نہ کرنے کا شکوہ بھی کیا تھا۔

"بس خالہ آپ تو میری مجبوریوں کو جانتی ہو۔" اس نے ایک ہی فقرے میں جیسے تمام شکووں کو دھو دیا تھا۔

"آؤ ادھر بیٹھو۔" اماں اسے لے کر چارپائی پر آن بیٹھی تھیں۔

"یہ عابدہ کے لئے ہے وہ آئے تو اسے دے دیجئے گا اور میری طرف سے شادی میں شرکت نہ کرنے کی معافی بھی مانگ لیجئے گا۔" اس نے ایک شاپر اماں کی طرف بڑھایا تھا۔

"لے جھلی، اس کی کیا ضرورت تھی اسے تو بس تیری ضرورت تھی۔"

"میں جانتی ہوں اس نے مجھے بہت یاد کیا ہو گا مگر خالہ میں کیا کرتی کچھ نئی نوکری کی مجبوری کچھ اماں کی ناراضی کا ڈر۔"

"بس پتر تیری سب مجبوریوں کا ایک ہی نام ہے تیری اماں، میں سب سمجھتی ہوں۔"

"جب خالہ آپ سب سمجھتی ہیں تو پھر آپ کو گلہ بھی نہیں کرنا چاہئے۔"

"بس پتر گلہ بھی تو محبت کا ایک انداز ہے، وہ تیری نمانی سہیلی بارات کی رخصتی تک تیری راہ دیکھتی رہی۔"

"میں جانتی ہوں سب، خالہ دیکھیں عابدہ کے بغیر گھر کتنا سونا سونا لگ رہا ہے۔" اس نے بات بدلتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں میں اور موحد ابھی یہی باتیں کر رہے تھے، موحد اندر کمرے میں چلا گیا تھا اور کھڑکی میں کھڑا نہ صرف ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا بلکہ اپنے دل کو بھی ڈپٹ رہا تھا کہ ایسی بھی کیا بے قراری کہ اسے دیکھ کر بے قابو ہی ہوا جاتا ہے۔" اماں نے کہا تھا۔

"اچھا خالہ چلتی ہوں۔" جلد ہی وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"لے پتر تو اتنی دیر بعد آئی ہے نہ کوئی چائے نہ پانی، ایسے خالی منہ کیسے جانے دوں۔" اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ چارپائی پر بٹھایا تھا۔

"ذرا ٹھہر میں مٹھائی تو لے آؤں کیا تو اپنی سہیلی کے بیاہ کی مٹھائی بھی نہ کھائے گی۔" اماں بات کرتے کرتے سامنے پیٹی کے اوپر پڑے ڈبے کو بھی اٹھا لائی تھی۔

"لے تو کھا میں جب تک دودھ پتی بنا کر لے آؤں۔"

"نہ خالہ بس میں نے منہ میٹھا کر لیا اب جاؤں گی۔" وہ مٹھائی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"اماں آپ لوگ باتیں کریں چائے میں بنا دیتا ہے۔" جانے موحد کو کیا ہوا تھا وہ کمرے سے نکلا تھا اور چائے بنانے لگا تھا۔

"بنا دے پتر یہ نمانی کون سا روز روز آتی ہے۔"

"نہیں رہنے دیں یہ تکلف مت کریں۔" اب وہ براہ راست موحد سے مخاطب ہو کر بولی تھی۔

"یہ تکلف وکلف کا لفظ شہر میں بڑا استعمال ہوتا ہے، لگتا ہے شہر کی بول چال نے آپ کو خوب اپنے آپ میں رنگ لیا ہے۔" اس نے دودھ پتیلی میں ڈال کر چولہے پر رکھا تھا اور مسکرا کر کہنے لگا تھا وہ جھینپ گئی تھی۔

گاؤں کی خاموش فضا میں جھینگروں کے بولنے کی آوازیں بڑی نمایاں ہوتی ہیں اور پھر جب رات تنہا بھی ہو اور گہری بھی، موحد کو صبح چلے جانا تھا، آج کی رات تو اسے گہری اور پر سکون نیند سونا تھا تاکہ صبح تازہ دم ہو کے وہ سفر کر سکے مگر گہری اور پرسکون نیند تو ایک طرف اس کی آنکھوں میں کچی پکی نیند کا بھی شائبہ نہ تھا۔

''ایسے تو کبھی وانیہ کی یاد بھی نہیں آئی جو میری محبت میں پاگل ہے۔''

''ایسے تو کبھی میں وانیہ کے لئے بے قرار نہیں ہوا جس نے شام ڈھلنے تک کوئی سو دفعہ کال کی تھی اور رنگ بھگ کوئی سوڈیڑھ سو میسج۔''

پھر یہ یاد یہ دل کی بے قراری جتنا مریم شہباز کو دیکھ کر بڑھی ہے اتنا تو کسی کو دیکھ کر نہیں بڑھی بھی، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور پھر کھلے صحن میں نکل آیا تھا، آدھے چاند کی صورت آسمان پر رنگ روشنی بکھیر رہی تھی وہ بے خیالی میں اس چاند کو دیکھے گیا تھا جس میں مریم کی صورت ڈوب رہی تھی اور ابھر رہی تھی۔

''ہونہہ مریم شہباز، ختم ہو گئی یہ کہانی۔''

''وانیہ عماد، بس اب اس کا زمانہ ہے، تو ثابت ہوا کہ کہانی بھی اسی کی ہی لکھی جائے گی۔''

صبح کا سپیدہ نمودار ہونے لگا تھا جب موحد نے اپنے دل کو سمجھا بجھا کر یہ ایک بات یاد کروا ہی دی تھی اور اماں کو ناشتے کے لئے اٹھاتے چل دیا تھا کہ پہلی بس سے اسے شہر جانا تھا۔

☆☆☆

لیک ویو پوائنٹ پر معمول سے زیادہ رش تھا، اسلام آباد کا سہانا موسم اور راول جھیل کا پر سکون ٹھہرا ہوا پانی مل کر عجب نظارہ پیش کر رہے تھے، مریم علوی بیگ صاحب اور بچوں کے ساتھ مزیدار سی آئس کریم انجوائے کرتے ہوئے بہت مسکرا رہی تھی۔

''مریم تم خوش تو ہو نا۔'' بیگ صاحب اس کی شہد رنگ بکھری زلفوں کو اپنے ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے کہنے لگے تھے، دونوں بچے پارک میں لگے جھولوں پہ خوب انجوائے کر رہے تھے، بیگ صاحب روزانہ ہی یہ بات جانے کتنی بار دہرایا کرتے تھے۔

''آپ کو کیا لگتا ہے۔'' وہ ان کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر اپنے ٹھنڈے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے تو تم بتاؤ گی۔'' وہ بے بس سے ہوئے تھے۔

''کیوں آپ ابھی تک مجھے اتنا بھی نہیں جان پائے۔'' وہ ان کو تنگ کرنے کے موڈ میں آ گئی تھی۔

''جان تو گیا ہوں مگر تمہارے منہ سے روزانہ یہ اقرار کہ تم میرے ساتھ خوش ہو۔'' سن کر دل کو عجب اطمینان مل جاتا ہے، راول جھیل میں رنگ برنگی کشتیاں تیرتی بہت خوبصورت لگ رہی تھیں، وہ دونوں اونچے نیچے پتھروں پر بیٹھے ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے تھے۔

''جناب میں آپ کے ساتھ بہت خوش ہوں اگر یہ اقرار آپ کو سکون دیتا ہے، تو میں یہ اقرار دن میں سو بار بھی کر سکتی ہوں۔'' وہ ان کے شانے سے سر ٹکا کر بولی تھی، بیگ صاحب کے اندر تک وہ سکون اتر آیا تھا جو دنیا کی ساری دولت دے کر بھی نہیں مل پاتا۔

''ماما پاپا۔'' دونوں بچے پھولتے سانسوں کے ساتھ آئے تھے اور ان دونوں کے گرد لپٹ گئے تھے، مریم نے خود سے لپٹی گڑیا کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

''ماما مجھے گول گپے کھانے ہیں۔'' گڑیا نے فاصلے پر بنے گول گپوں کے اسٹال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے مریم کے کان میں منمنائی تھی، جانتی تھی پاپا اس کی صحت کے پیش نظر اسے کبھی کھٹی چیزیں نہیں کھانے دیں گے، مریم تذبذب میں پڑ گئی تھی ایک طرف بچی کی ننھی سی معصوم سی فرمائش تھی اور دوسری طرف اس کی صحت کے پیش نظر یہ فرمائش خاصی غلط تھی، گڑیا امید بھری نظروں سے اسے تک رہی تھی۔

''منصور مجھے گول گپے کھانے ہیں۔'' مریم نے اٹھلا کر بیگ صاحب سے کہا تھا۔

''گول گپے۔'' بیگ صاحب نے سوالیہ نظروں سے مریم کی طرف دیکھا تھا، مریم نے بچوں کی سی معصومیت سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''او کے مگر آپ ہی کھائیں گی، ہما اور سنی بالکل نہیں کھائیں گی، بچوں آپ کو پتہ ہے نا آپ کا گلا خراب ہو جاتا ہے۔'' ہما اور سنی نے بابا کی بات اچھے بچوں کی طرح سنی ضرور تھی مگر کس کافر کا دل چاہتا ہے کہ گول گپے جیسی چیز نا کھائیں۔

''منصور گڑیا کا دل بھی کر رہا ہے، گول گپے کھانے کو۔'' گول گپے سے بھری پلیٹ سامنے رکھے مریم بولی تھی۔

''ہاں ہاں میں سب جانتا ہوں یہ فرمائش آپ کی نہیں ہما کی ہی ہے، جب یہ آپ کے کانوں میں گھسی ہوئی تھی تو سب مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی کھچڑی پک رہی ہے اور شاید یہی وہ کھچڑی تھی ہے نا۔''

''اچھا ایسا کرتے ہیں گڑیا گول گپے کھائے گی اور صرف سادہ گول گپے اور کھٹا پانی میں پیئوں گی گڑیا اور سنی نہیں پئیں گے۔'' مریم نے بچوں کے لئے بہت اچھا حل نکال لیا تھا، بچے بھی خوش ہو گئے تھے اور اپنے بچوں کے چہروں پہ خوشی دیکھ کے بیگ صاحب بھی نہال ہو گئے تھے۔

''مریم ایک بات پوچھوں۔'' رات کا فسوں مارگلہ کی حسین پہاڑیوں پہ بری طرح جادو بن کر چھا رہا تھا، اندر ہوٹل کے ایک کمرے میں ہما اور سنی گرم اور نرم کمبلوں میں لپٹے سارے دن کی تھکاوٹ سمیٹے سو رہے تھے اور وہ دونوں بھاپ اڑاتی کافی کے مگ ہاتھوں میں پکڑے ہوٹل کے کمرے کے باہر بنے ٹیرس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''ہوں پوچھئے۔'' مریم نے کافی کا گھونٹ بھر کر کہا تھا۔

''تمہاری فیملی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، ماشاء اللہ سے تمہارا بھائی ہے، دو بہنیں ہیں، ایک تو امریکہ میں سیٹل ہے مگر دوسری تو ادھر ہے۔''

''پیرنٹس ہیں مگر تم سب الگ الگ زندگیاں کیوں گزار رہے ہو، ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے، مشا تم ہاسٹل میں رہ رہی ہے اور کئی ہزار گز پر بنا ہوا محل جیسا گھر خالی پڑا ہے، یا بھائی شہر میں رہتا ہے مگر وہ بھی تم لوگوں سے رابطہ کم ہی رکھتا ہے اور یہی حال تمہارے ماما پاپا کا ہے، مریم میں پوچھنا چاہتا ہوں ایسا کیوں ہے۔''

''تم اتنی لونگ اتنی کیئرنگ ہو پھر تم سب اکٹھے کیوں نہیں۔'' شروع دن سے ایک بات جو منصور بیگ کے دل میں کھٹک رہی تھی وہ آج لبوں پر آ ہی گئی تھی۔

مریم خاموشی سے کافی پیتی رہی تھی جیسے وہ اس سے نہیں یہ سب کسی اور سے پوچھ رہے ہوں۔

''سوری، اگر تم اپنی فیملی کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی، تو کوئی بات نہیں میں آئندہ

تمہارے پرسنل میٹر کو دوبارہ کبھی نہیں چھیڑوں گا۔"

کتنے ہی لمحے خاموشی کی نظر ہوئے تھے جب مریم نے کافی کا خالی کپ ٹیبل پر رکھا تھا اور اپنے اردگرد لپٹی شال کو کھول کر مضبوطی سے دوبارہ لپیٹا تھا، بیگ صاحب بے چینی سے اس کے بولنے کے منتظر تھے کہ وہ کچھ تو بولے انہیں محسوس ہونے لگا تھا شاید انہوں نے مریم سے اس کے گھر والوں کا پوچھ کر شدید غلطی کی ہے۔

"منصور! آپ کو پتہ ہے کہ ہر ایکشن کا ری ایکشن ہوتا ہے یہ ری ایکشن منفی بھی ہو سکتا ہے اور مثبت بھی، منفی ہو جائے تو انسان قاتل، گناہ گار وسیاہ کار زانی، شرابی کچھ بھی ہو سکتا ہے اور اگر مثبت ہو جائے تو پھر ایسے ایسے نیک فرشتوں جیسے لوگ جنم لیتے ہیں کہ بندہ ان کی صفات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، خدانخواستہ میرا دعویٰ فرشتوں سا نہیں مگر میری فیملی کے ایکشن نے جوری ایکشن مجھ میں پیدا کیا اسی ری ایکشن نے مجھے آپ سے شادی پر مجبور کیا، ٹھیک ہے مجھے آپ سے محبت بھی ہے مگر میں سمجھتی ہوں جب میں اپنے بچپن میں ہما اور سنی کا بچپن دیکھتی ہوں تو پھر آپ کی محبت بھی میرے لئے ایک ثانوی چیز بن کر رہ جاتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ان کی ماں حکم خداوندی سے ان سے جدا ہوئی اور ہماری ماں ہمارے پاس ہوتے ہوئے بھی ہمارے پاس نہیں ہوتی تھی اور یہ ان کی اپنی وجہ سے ہوتا تھا۔" مریم اتنا بول کر تھک گئی تھی اور خاموش ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگی تھی، منصور بیگ اس کے دکھی ہونے پر خود بھی دکھی ہو رہے تھے مگر اس کا غم سننا چاہتے تھے اس کے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتے تھے، چاہتے تھے کہ وہ اندر کا دکھ ایک بار باہر انڈیل دے تو پھر وہ اس کے دل میں کسی غم اور کسی دکھ دکھ نہیں جانے دیں گے، اپنی محبت کا پہرہ اس طرح اس کے دل پر لگا دیں گے کہ بس ان کی محبت ہی اندر جائے گی اور کچھ نہیں۔

"ہم تین بہنیں اور ایک بھائی جانے کس طرح اس دنیا میں آ گئے تھے کیونکہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالی ماما کو اپنی سوشل مصروفیات میں بزی دیکھا اور پاپا کو ہمیشہ ورلڈ ٹور پر ہی دیکھا اور سنا، ایسے میں ہماری پرورش ملازموں کے ہاتھوں ہوئی۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی تھی یا خدا پاک کا خاص کرم کہ جمیلہ آنٹی جو کہنے کو ایک بے سہارا اور بے بس عورت تھیں مگر اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں جب ان کو ماما نے ہمارے لئے رکھا تو ہم سب بہن بھائیوں کے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا، ہماری تربیت میں اگر کچھ اچھائی ہے تو صرف اور صرف جمیلہ آنٹی کی وجہ سے اور اگر برائی ہے تو میں برملا کہوں گی ہمارے ماما پاپا کی وجہ سے، ہم ایک بروکن فیملی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے انہوں نے ہماری اچھی تربیت کی مگر جو کچھ ایک ماں باپ کر سکتے ہیں وہ تو نہیں کر سکتی تھیں، جو کامپلیکسز ہمارے اندر ہیں وہ تو ہمیشہ رہیں گے دنیا کی کوئی طاقت انہیں ختم نہیں کر سکتی، جب میں نے آپ سے شادی کی پاپا ہمیشہ کی طرح اپنی نئی سیکرٹری کے ساتھ ورلڈ ٹور پر تھے اور ماما آج کل ایک میڈیا پرسن کے ساتھ خاصی مشہور ہو رہی ہیں مگر ماما نے مجھ سے بہت لڑائی کی کہ یہ میں کیا کر رہی ہوں میری بہنوں نے مجھے لتاڑا مگر میں نے کسی کی نہیں سنی کیونکہ یہ ہماری فیملی کا سلوگن ہے اپنی مرضی کرو اور کسی کی بھی نہ سنو۔" اس کی زبان اندر کا دکھ کہہ رہی تھی، مگر آنسو آنکھوں کی باڑھ توڑ کر گالوں پر آ گئے تھے، انسان خواہ کتنا بھی ضبط کر لے کتنا بھی مضبوط بن جائے "مجھے پرواہ نہیں" کا بورڈ چہرے پر سجائے رکھے مگر آنکھیں کسی اپنے کو پا کر کسی غمگسار کو ساتھ دیکھ کر چھلک ہی جایا کرتی ہیں۔

منصور نے اپنے ہاتھ کی پوروں سے اس کے شفاف گالوں پر بکھرتے موتی صاف کیے تھے اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا، اس وقت اس کے اندر جو توڑ پھوڑ جاری تھی ایسے میں تسلی اور احساس کا یہ لمس بہت ضروری تھا ورنہ انسان بھی مٹی کی بھربھری دیوار کی طرح زمین پر ڈھے جائے تو پھر شاید ہی اٹھ سکے۔

"اوں ہوں اب اور نہیں۔" منصور نے مریم کا چہرہ سامنے کر کے اسے مزید رونے سے منع کیا تھا۔

"اب مسکرا دو یار، بس تمہارا دکھ یہیں تک تھا آج سے ان لمحوں سے اک نئی زندگی کی شروعات کرتے ہیں، مسکرا بھی دو نا۔" منصور نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا، مریم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی نم زرد آنکھیں رگڑی تھیں اور مسکرا دی تھی منصور کو لگا تھا چاند مارگلہ کی پہاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر اس کمرے کی بالکونی میں آ کھڑا ہوا ہے۔

☆☆☆

"شکر ہے جناب کو بھی ہماری یاد آئی۔" وانیہ اسے دیکھ کر خوش ہوا ٹھی تھی۔

"آپ کی یاد کب نہیں آتی۔" موحد نے اس کی ستارہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں اسی لئے گاؤں میں اتنے دن لگا دیئے۔"

"میں تو جب سے شہر آیا ہوں کبھی گاؤں اتنے دن کے لئے نہیں گیا یہ تو عابدہ کی شادی کا فرض تھا جو مجھے پوری ایمانداری اور جانفشانی سے نبھانا پڑا، ورنہ آپ کو کیا خبر کہ آپ گاؤں کی کچی پکی گلیوں میں اپنا دل کہاں لگتا ہے، جو سکون اب شہر کی بے سکونی میں ہے وہاں گاؤں میں کہاں رہا۔"

"ہوں تو اس کا مطلب ہے جناب نے مجھے پوری طرح مس کیا۔" وہ موحد کے اس طرح کہنے پر نئے سرے سے جی اٹھی تھی۔

"یہ میں نے کب کہا۔" وہ اسے ستانے کے موڈ میں آ گیا تھا۔

"کیا، تم نے مجھے مس نہیں کیا؟" وہ چیخ پڑی تھی اور آنکھیں نکال کر اسے گھورنے لگی تھی۔

"شش...... آہستہ کچھ خدا کا خوف کریں کیا مجھے نوکری سے ہی نکلوائیں گی۔" وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا تھا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

"اتنا ڈر ہے دنیا والوں کا۔"

"دنیا والوں کا نہیں آپ کے گھر والوں کا۔"

"اور میرا نہیں۔"

"آپ کا تو ڈر ہرگز نہیں۔"

"کیوں؟"

"آپ سے تو محبت ہے۔" وہ مخمور لہجے میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا، جبکہ دل اچانک کیوں خالی کاسے کی طرح بجنے لگا تھا۔

محبت اس نام سے تھی تو پھر وہ کون تھی جسے گاؤں کے پیپل والے گھر میں چھوڑ آیا تھا مگر اس وقت دل کی صداؤں پر کان دھرنے کا وقت نہیں تھا، کبھی کبھی دل کی مہار زبردستی دوسری طرف موڑنا پڑتی ہے اور وہ زبردستی ہی کہیں موڑ رہا تھا۔

"اچھا۔" وہ کھلکھلائی تھی اور اس اعتراف پر اس کی پور پور مہکنے لگی تھی، اتنے میں کھنکا سا ہوا تھا شاید کوئی آ رہا تھا، موحد گاڑی کی چابی انگلی پر

گھماتا ہوا وہاں سے چل دیا تھا۔

"سنو کہاں چل پڑے۔" وہ ابھی گاڑی تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ بیگ سنبھالے بھاگتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ اس تک پہنچی تھی۔

"ارے کیوں مروانے کا ارادہ ہے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا تھا۔

"چھوڑو ہر وقت ڈر ڈر کر زندگی کہاں گزرتی ہے۔" وہ اتنے میں گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ چکی تھی، ناچار موحد کو بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا پڑا تھا۔

"حکم جناب!"

"مجھے شاپنگ کے لئے جانا ہے، میں مما سے پوچھ آئی ہوں۔"

"یہ آپ لوگ ہر وقت شاپنگ کر کر کے تھکتی نہیں ہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔

"پاگل شاپنگ بھی کوئی تھکانے والی چیز ہے، یہ تو بندے کو نئے سرے سے فریش اور ترو تازہ کر دیتی ہے۔"

"ہاں ان لوگوں کو جن کے پاس پیسہ درختوں پر لگتا ہے اور جنہیں سمجھ نہیں آتی کہ اسے کیسے خرچ کریں۔" چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا وہ گاڑی کو گھر سے باہر نکال لایا تھا۔

"پیسہ درختوں پر تو نہیں لگتا پتہ ہے میرے پاپا کیسے محنت کرتے ہیں دن رات کا آرام برباد کرتے ہیں تو پیسہ ان کے اکاؤنٹ میں جاتا ہے۔"

"محنت تو سارے لوگ ہی کرتے ہیں، یہ کہیں کہ قسمت کی دیوی کسی کسی پر مہربان ہوتی ہے۔"

"یہ تو ہے محنت پلس قسمت دونوں چیزیں مل کر ہی دولت مند بناتی ہیں، رکو ذرا۔" اس نے وانیہ کی بات پر گاڑی کو بریک لگائے تھے۔

"چلو اب۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی اور اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

"اب ہوئی نا بات۔" موحد کا قرب تھا یا محبت کی پھیلتی خوشبو، وانیہ تو مست ہی ہونے لگی تھی۔

"مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ آپ کو مجھ میں کیا دکھائی دیتا ہے، ورنہ آپ کی کلاس میں لڑکوں کی کمی تو نہیں۔" وہ روز ایک ہی سوال سوچتا تھا اور بلا جھجک وانیہ سے کہہ بھی دیتا تھا۔

"اس بات کی سمجھ خود مجھے نہیں آئی تمہیں کیا سمجھاؤں۔" وہ اپنی مرضی کا گیت سلیکٹ کرتے ہوئے بولی تھی۔

تو ہی میری ابتداء ہے
تو ہی میری انتہا ہے
جہاں تو اشارہ کر دے
میں وہیں قیام کر لوں

اس کے ساتھ ہی مہندی حسن کی مدھ بھری اور سریلی آواز گاڑی کا سکوت چیرنے لگی تھی، کلام کے بول ہی ایسے تھے وہ دونوں سب کچھ بھول بھال کر عجیب ہی جذبوں میں ڈوب گئے تھے۔

☆☆

"مجھے نہال کہتے ہیں، نہال شیخ، آپ غالباً حریم ہیں، ہماری نئی کولیگ۔" وہ مصروفیت میں ڈوبی ہوئی تھی آج یاشر سر سے اسے ایک اسائنمنٹ دی تھی اور چونکہ یہ اس کی پہلی اسائنمنٹ تھی اس لئے وہ یاشر کے سامنے اسے جلد از جلد پورا کر کے سرخرو ہونا چاہتی تھی، جب ایک سمارٹ اور جاذب نظر لڑکے نے اس کی ٹیبل پر آ کر کہا تھا۔

"جی۔" وہ سر اٹھا کر اس شوخ و شنگ لڑکے کو دیکھنے لگی تھی۔

"کیسا لگا یہاں آ کر۔" وہ بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"اچھا سیٹ اپ ہے۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"اور لوگ؟"

"سبھی لوگ بہت کوآپریٹو اور اچھے ہیں۔"

"اوہ اچھا اتنی جلدی اتنا سمجھ گئی ہیں یہاں کے لوگوں کو۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا تھا۔

"ماحول اور لوگوں کا اندازہ کوئی اچھی سوچ اور سمجھ رکھنے والا ہو تو جلد ہی ہو جاتا ہے۔" وہ بولی تھی۔

"اور بعض اوقات ساری عقل اور سمجھ دھری کی دھری رہ جاتی ہے، یہ دنیا ہے پیارے، کسی وقت بھی رنگ بدل سکتی ہے۔" وہ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ اپنا تعارف کروانے آئے ہیں یا مجھے ڈرانے۔" حریم نے ذرا سا مسکرا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔

"اگر اتنی سی باتوں سے ڈر جائیں گی تو دنیا کا مقابلہ کیسے کریں گی۔"

"لگتا ہے آپ کو بات سے بات نکالنے کا فن خوب آتا ہے۔" وہ لاجواب ہو کر کہنے لگی تھی، اتنی سی دیر میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کم از کم اس سے باتوں میں نہیں جیت سکتی۔

"یہ ہنر آج کل کس کو نہیں آتا۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا تھا اتنے میں یاشر نے آفس میں قدم رکھا تھا اور حریم کے پاس نہال کو قہقہے لگاتا دیکھ کر خاصی ناگواری محسوس کی تھی، حریم الرٹ ہوئی تھی اور نہال باس کو سلام کر کے اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"مس حریم! آپ آئیے میرے آفس میں۔" بات تو کوئی ایسی خاص نہ تھی جب باس آفس میں نہ ہو تو کولیگز آپس میں گپ شپ کیا ہی کرتے ہیں مگر جانے کیوں یاشر علوی کو برا کیوں لگا تھا۔

"جی سر!" حریم اس کے آفس میں جانے کے دو منٹ بعد اس کے پیچھے اندر گئی تھی۔

"بیٹھئے مس حریم، چائے یا کافی۔" وہ خود کو ریلیکس کرتے ہوئے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

"نو سر! ابھی کچھ دیر پہلے تو ناشتہ کیا ہے۔"

"لگتا ہے ناشتہ خوب ڈٹ کر کرتی ہیں آپ؟"

"جی سر! میں ناشتہ نہ کروں تو سارا دن سستی سی چھائی رہتی ہے۔"

"ویری گڈ، ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو ناشتہ نہ کرنے کو فیشن سمجھتی ہیں۔"

"جی۔" وہ ہولے سے بولی تھی۔

"مس حریم آفس میں طرح طرح کی فطرت کے لوگ ہیں، اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور نظر آنے والے، آپ بس اپنے کام سے کام رکھا کریں۔" اس نے اپنی ناگواری بڑی مہارت سے چھپائی تھی اور ناپسندیدگی اس پر ظاہر کر دی تھی۔

"جی سر میں اپنی طرف سے تو پوری کوشش کرتی ہوں مجھے پتہ ہے اس دنیا میں ہر کوئی مخلص نہیں ہوتا۔"

"Excellent آپ بہت سمجھدار ہیں آپ کو اپائنٹ کرتے وقت میں نے آپ کی سمجھ داری اور قابلیت پر ہی آپ کا انتخاب کیا تھا۔"

"تھینک یو سر، میں اب جاؤں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"ضرور۔" وہ فارمل سے انداز میں مسکرایا تھا، حریم دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆

فیصل مسجد کا وسیع صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، مریم اوپری احاطے میں نفل ادا کرنے لگی تھی اور منصور بیگ دونوں بچوں کے ساتھ سنہری دھوپ میں مسجد کے چمکتے دمکتے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔

"آپ لوگوں کو اپنی نئی ماما کیسی لگیں؟"

"بہت اچھی، ماما بہت اچھی ہیں۔" دونوں کا جواب تقریباً ایک جیسا ہی تھا۔

"بابا ماما اتنا عرصہ کہاں رہی ہیں، میں اکیلی کتنا پریشان رہتی تھی اور ماما کو یاد کرتی تھی، ماما کہاں چلی گئی تھیں۔" گڑیا منہ بسور کر باپ سے پوچھنے لگی تھی۔

"بیٹا ماما کو کچھ کام تھے، وہ ان کو مکمل کر کے آنا چاہتی تھیں ہمارے پاس۔"

"پاگل! اب آ تو گئی ہیں ماما۔" سنی نے بڑے پن کا ثبوت دیا تھا اور بسورتی گڑیا کو ڈانٹا تھا، اتنے میں مریم نوافل ادا کر کے ان کے پاس آ گئی تھی، گڑیا دوڑ کر اس سے لپٹ گئی تھی مریم اس کو ساتھ لپٹاتے ہوئے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کتنا سکون ہے یہاں۔"

"اللہ کا گھر ہے، یہاں سکون نہیں ہوگا تو اور کہاں ہوگا۔"

"دیکھ لیں منصور اللہ پاک کے قرب میں جو سکون ہے وہ بندے کو اور کہیں نہیں ملتا، بندہ بے شک ساری دنیا گھوم لے۔"

"بے شک، مگر ہم لوگ اس بات کو نظر انداز کر کے دلی سکون کہیں اور ڈھونڈتے رہتے ہیں، چلیں بچے Zoo جانے کی ضد کر رہے ہیں، ان کو Zoo دکھا دیتے ہیں۔"

"جو حکم جناب۔" مریم اپنا بیگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، سنی اور گڑیا نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔

"منصور آپ کو یاد ہے نا مجھے آرٹیزن بازار بھی جانا ہے۔" ساتھ چلتے ہوئے مریم نے یقین دہانی کروائی تھی، بچے جتنا Zoo جانے کے لئے Excited تھے وہ آرٹیزن بازار جانے کے لئے اتنا ہی پر جوش تھی۔

"جناب آپ کی فرمائش کیسے بھول سکتے ہیں، بس آپ لوگوں نے اس خادم کو یہ بتانا ہے کہ پہلے Zoo جایا جائے کہ آرٹیزن بازار، یہ آپ لوگوں نے آپس میں طے کرنا ہے۔"

"پہلے Zoo جائیں گے، بچے پہلے اور ہم بڑے بعد میں۔" مریم نے بچوں کے بولنے سے پہلے ہی جلدی سے کہا تھا، منصور نے گاڑی کا رخ اسی طرف موڑ دیا تھا، اس سارے ٹرپ میں جتنا بچوں نے Zoo میں انجوائے کیا تھا اتنا کہیں اور نہیں۔

آرٹیزن بازار میں پہنچ کر مریم نے گھر میں رکھنے کے لئے بہت ساری ڈیکوریشن کی چیزیں خریدی تھیں، منصور نے اسے ایک دفعہ بھی منع نہیں کیا تھا اور نہ ہی یہ کہا تھا کہ گھر میں تو پہلے ہی رکھنے کی جگہ نہیں ہے، وہ بھی ایک عورت تھی اور ہر عورت کی طرح اپنے گھر کو اپنے طریقے سے اپنی مرضی سے سجانے کی اس کی بھی آرزو تھی، اس نے بہت سی ٹریڈیشنل جیولری خریدی تھی۔

"مشائم کے لئے بھی کچھ لے لو۔" منصور کو جانے ایک دم کیا خیال آیا تھا۔

"مشائم کے لئے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"پہل تو کسی کو کرنے پڑے گی نا، تو ہم بڑوں کو ہی کیوں نا، دیکھو مریم جو محبتیں اور چاہتیں وقتی طور پر دب چکی ہیں، انہیں جھاڑ پونچھ کر نئے سرے سے جوان اور تر و تازہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر تم لوگوں کے پیرنٹس نے یہ دوریاں تم لوگوں میں ڈالی ہیں تو تم بہن بھائی ان دوریوں کو اب ختم کرنے کی کوشش کرو، یہ رشتے ختم ہونے والے نہیں ہوتے اور نہ ہی کبھی ان کا ساتھ چھوٹ سکتا ہے۔"

اس نے مشائم کے لئے کڑھائی والا کرتہ اور شال لی تھی اور ساتھ جیولری بھی اور زندگی میں شاید پہلی بار بہن کے لئے کچھ خریدا تھا اس لئے احساسات ہی اور تھے۔

"تم میرے لئے اہم ہو تو تم سے وابستہ ہر رشتہ میرے لئے بہت اہم ہے۔" منصور نے آرٹیزن بازار سے باہر نکلتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا اور مریم نے سوچا کہ کون کہتا ہے اس نے منصور سے شادی کر کے کوئی غلطی کی ہے۔

☆☆☆

"یار ادھر آؤ دیکھو ذرا کتنا اہم کالم ہے، میں تو کہتی ہوں ہر لڑکی اور ہر عورت کو اس کے بارے میں آگاہی ہونی چاہیے۔" حریم کب سے اخبار میں سر گھسائے بیٹھی تھی اور اب اپنی دوستوں کو بھی بتا رہی تھی، ثوبیہ اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر پڑھنے لگی تھی۔

"بریسٹ کینسر یا چھاتی کا سرطان ایک ایسی رسولی ہے جو بریسٹ کے خلیات میں غیر معمولی زیادتی کی بنا پر بنتی ہے، چھاتی میں تکلیف شروع ہو جاتی ہے اور اس کی جڑیں پھیل جاتی ہیں، آہستہ آہستہ اس کی ساخت میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور زخم بن جاتا ہے جو کہ Cancer کی شکل اختیار کر لیتا ہے، مرض اور مریض کی نوعیت کے مطابق اس کی علامات بھی مختلف ہو سکتی ہیں بریسٹ کینسر میں Malignemt tumor جو کہ DNA کو نقصان پہنچاتا ہے یہ ایک قابل علاج مرض ہے اور اگر جلدی تشخیص کر لی جائے تو اس کا علاج ممکن ہوتا ہے۔" ثوبیہ اونچی آواز میں پڑھتی جا رہی تھی اور کمرے میں موجود ساری لڑکیاں بڑے دھیان سے سن رہی تھیں۔

"Internotional world cancer reserch fund" کی ایک رپورٹ کے مطابق بریسٹ کینسر پوری دنیا کی خواتین میں پایا جانے والا سب سے عام سرطان ہے پوری دنیا میں ہر سال تقریباً پانچ لاکھ خواتین موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔"

"استغفراللہ۔" حریم کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"اب آگے بھی سنو، جو زیادہ تشویش ناک بات ہے۔"

"پاکستان کا شمار ان ایشائی ممالک میں ہوتا ہے جہاں خواتین میں بریسٹ کینسر کی شرح بہت زیادہ ہے اور پاکستان میں گزشتہ چند سالوں سے اس کے مریضوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، خواتین میں لاعلمی، آگاہی کی کمی اور بروقت تشخیص یا علاج نہ ہونے کی وجہ سے شرح اموات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔"

"ہاں میری بھابھی کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا نا، ان کی بیماری کی تشخیص بروقت نہ ہو سکی۔" شائلہ کی بھابھی جس کی پچھلے ماہ اس بیماری کی وجہ سے ڈیتھ ہو چکی تھی شائلہ اس کا ذکر کر کے نم آلود آنکھوں کو پونچھنے لگی تھی۔

ثوبیہ نے کالم ختم کر کے ایک لمبا سانس لیا تھا اور ساتھ ہی سب کے سینوں سے بھی ایسا ہی سانس برآمد ہوا تھا۔

''اف اتنا خطرناک کالم۔'' شمائلہ بولی تھی۔

''خطرناک یا Informative۔'' حریم نے تصحیح کی تھی۔

''بس جو بھی سمجھ لو، لیکن بیماری تو خطرناک ہی ہے نا۔''

''چلو یار کچھ تو آگاہی ہوئی نا کہ آئندہ کسی بھی رسولی یا گلٹی کو عام نہیں سمجھنا اور فوراً ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔'' ثوبیہ نے اخبار تہہ کر کے تکیے کے نیچے رکھا تھا اور اٹھ کر چائے بنانے کے لئے ٹی بیگز وغیرہ نکالنے لگی تھی۔

''تمہاری تو لگتا ہے شوگر لو ہو گئی ہے۔'' شمائلہ نے اس پر چوٹ کی تھی۔

''میری بھی اور تم سب کی بھی، اس لئے سب کو چائے پلانے لگی ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے چائے کی کیتلی نکالی تھی۔

''یا اللہ ثوبیہ بیگم ایسی فیاضی کبھی کبھار ہی تو کرتی ہے۔'' شمائلہ اس کا تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی تھی، اتنے میں حریم کے موبائل پر گھر سے کال آنے لگی تھی، وہ موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''فون سن کر جلدی آجانا کہیں چائے ہی نہ ٹھنڈی ہو جائے۔'' ثوبیہ نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی، حریم اثبات میں سر ہلا کر باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

واپسی کا سفر تھکاوٹ سے لبریز تھا لیکن گزرے چند دنوں کی خوشحالی خوشی اور جوش اس تھکاوٹ پر حاوی تھے، گاڑی کی پچھلی سیٹوں پر دونوں بچے سو رہے تھے اور مریم کو بھی بہت نیند آ رہی تھی لیکن وہ اس لئے زبردستی جاگ رہی تھی کہ بیگ منصور بھی ڈرائیونگ کرتے کرتے سو نہ جائیں، گاڑی اب سالٹ رینج کے مقام سے گزر رہی تھی۔

''کیا ڈر لگ رہا ہے؟'' منصور نے مریم کی اڑی رنگت دیکھ کر پوچھا تھا۔

''ہاں بہت زیادہ۔''

''میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا لیکن مریم تمہارے اندر تو بہت ڈرپوک اور بزدل بچہ چھپا بیٹھا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے تھے۔

''ہر انسان کے اندر ایک بچہ ہوتا ہے جو بہت بزدل ہی ہوتا ہے، باہر سے انسان خواہ کتنا بھی بہادر کیوں نہ ہو۔''

''لیکن بعض لوگ بہت سخت اعصاب کے مالک ہوتے ہیں اندر سے بھی اور باہر سے بھی۔''

''پھر وہ انسان نہیں پتھر ہی ہوں گے۔'' مریم بولی تھی۔

''ہو سکتا ہے تمہارا تجربہ درست ہو۔'' منصور نے پوری مہارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بچے دیکھیں کتنے سکون سے سو رہے ہیں۔'' مریم نے ذرا سا پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

''کیونکہ انہیں پتہ ہے ان کے ماں باپ ان کے لئے جاگ رہے ہیں۔''

''مگر میں تو آپ کے لئے جاگ رہی ہوں اور بڑی مشکل سے اپنی نیند بھگا رہی ہوں۔''

''شکر ہے اتنے عرصے میں تم نے پہلی بار میری ذات کو کچھ اہمیت دی ہے ورنہ بچے زیادہ امپورٹنڈ ہیں تمہارے لئے، میں تو سوچ رہا تھا تم نے خواہ مخواہ ہی محبت کا شوشہ چھوڑا میرے لئے۔'' اس نے جان بوجھ کر مریم کو چھیڑا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے آپ سے محبت تھی تو میں آپ کی زندگی میں آئی اور جب بچوں کو

دیکھتی ہوں تو پھر مجھے دنیا کی ہر چیز بھول جاتی ہے۔''

''محبت تھی اب تو یہ کہیں نظر نہیں آتی۔'' منصور اس کو مکمل چھیڑنے کے موڈ میں تھے۔

''محبت نظر نہیں آیا کرتی، یہ تو محسوس کرنے کی چیز ہے۔''

''جناب ہم آپ کی محبت پوری جان سے محسوس کرتے ہیں، دیکھیں باتوں باتوں میں سالٹ رینج کا سلسلہ گزر گیا اب ڈر دل سے نکال دو اور پرسکون ہو کر بیٹھو۔'' منصور نے باتوں سے اس کی توجہ اس ڈر سے ہٹائی تھی، جو وہ بلند و بالا پہاڑوں اور اونچی نیچی سڑکوں کو دیکھ کر محسوس کر رہی تھی۔

''شکر ہے۔'' مریم نے ہموار سڑک دیکھ کر شکر کا سانس لیا تھا، اتنے میں بچے بھی کسمسانے لگے تھے۔

''بچو اٹھ جاؤ بھوک تو نہیں لگی۔''

''نہیں ماما جانی۔'' سنی نے مریم کے پیچھے سے اٹھ کر اس کے گلے میں بازو ڈالے تھے۔

''کیوں میری جان۔'' مریم نے منہ موڑ کر اس کے بگڑے بال سنوارتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بس جوس پینا ہے۔''

''جوس تو اس کے لئے کہیں بھی رکنے کی ضرورت نہیں ہے جوس تو میں نے آپ لوگوں کے لئے گاڑی میں ہی رکھے ہیں۔'' مریم نے جوس کا ایک کین نکالا تھا اور سنی کو دے دیا تھا، سنی پیچھے سیٹ پر سکون کے ساتھ بیٹھ کر جوس پینے لگا تھا۔

''منصور آپ بھی پئیں گے؟''

''تم پلاؤ گی تو کیوں نہیں پئیں گے۔'' مریم نے دوسرے کین کا کیپ کھول کر منصور کی طرف بڑھایا تھا۔

''یار پلا دو، اب ڈرائیونگ کروں یا جوس پیوں۔''

''جناب ایک ہاتھ سے بھی پی سکتے ہیں۔''

''تم پلا دو گی تو اور مزیدار لگے گا۔''

''منصور آپ بھی نا۔'' مریم نے جوس کا کین منصور کے لبوں سے لگا دیا تھا، اتنے میں اچانک سامنے والی گاڑی کی اسپیڈ سلو ہوئی تھی اور منصور کی گاڑی فل اسپیڈ میں اس کے سر پر جا پہنچی تھی۔

''منصور!'' جوس کا کین نیچے جا گرا تھا، اور مریم کی چیخ بے ساختہ تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆

پھول کھلنے کا موسم

اُم ایمان

دیوار پار سے آتی بچوں کی کھلکھلاہٹیں بتا رہی تھیں کہ آج کل حیا فدا کے گھر آئی ہے اور کچھ ہی دیر میں تصدیق بھی ہوگئی تھی جب فدا اور ولید کے قہقہوں کے ساتھ ساتھ تایا کی ہنسی بھی سنائی دی تھی۔

''تایا ابو ان کے ہاتھ میں مت دے دیا کریں سارا کھانے پینے کا سامان دیکھیں تو بہن کو دیے بغیر دونوں ہی کھا گئے ساری چاکلیٹس۔''

پشتو لہجے میں اردو بولتی وہ صاف آواز یقیناً فدا کی بیوی کی تھی جو اپنے اور حیا کے بچے کی شکایت تایا ابو سے لگا رہی تھی، جنہوں نے اس کی بچی کو چاکلیٹ نہیں دی تھیں، ہنستے مسکراتے ایک مکمل گھر کا منظر جیسے ہی نظروں کے سامنے مجسم ہو کر آیا، ان کے اندر کا وہ حسد جسے وہ آج بھی نہ مار پائی تھیں انگڑائی لے کر بیدار ہوا۔

''ہونہہ میں کیوں ان کی باتیں سن کر اپنا دل جلا رہی ہوں۔'' دل ہی دل میں سوچتے وہ وہاں سے اٹھ گئیں، حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ اندر جا کر تو دل رکھنے کا اور سبب ہوگا کہ ریما کا نفسیاتی مرض اب ڈپریشن کی صورت اختیار کر چکا تھا، وہ قنوطی ہو کر کمرے کی ہو گئی تھی اور جب کبھی سود و زیاں کا حساب کرنے بیٹھتی تو ماں کو خوب لتاڑتی۔

''اور تو کچھ دے نہیں سکیں اماں، اچھے گن ہی دے دیتیں، شاید میرا گھر نہ ٹوٹتا، مگر آپ کو نہ خود عمر بھر رشتوں کے آگے جھکیں نہ ہمیں جھکنا سکھایا، بلکہ ہر بار خوب سبق پڑھا کر بھیجتیں کہ ساس کی ایک سن کر چپ مت رہو، دس مزید سنا دو، شوہر کو زیادہ سر پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ بھول گئیں اماں کہ ہر مرد ابا نہیں ہوتے نہ ہر عورت دادی یا پھپھو جیسی ہوتی ہیں جن پر عمر بھر آپ نے اپنی اجارہ داری قائم کیے رکھی، میری ساس اور شوہر کو تو مجھ جیسی ٹکی، زبان دراز عورت

مکمل ناول



سے ویسے ہی چھٹکارا کا بہانہ چاہیے تھا جو ان کے گھر کو گھر نہ بنا سکی تھی، سو میرے بانجھ پن کی صورت انہیں مل گیا اور انہوں نے تین لفظوں کا یہ کھیل ختم کرنے میں دیر نہ کی۔" تائی پل کے پل شرمندہ ہوتیں پھر اپنی جون میں پلٹ جاتیں، سیما کے ہاں پہلی بار جب بچہ آنے والا تھا، اس کے شوہر نے دورے کی کیفیت میں اسے دھکا دیا تھا، وہ تو جانبر ہو گئی مگر بچہ کھونے کے ساتھ اس صلاحیت سے بھی محروم ہو گئی تھی۔

اگر انسان یہ بات سمجھ جائے کہ ملتا وہی ہے جو ہمارے اپنے نصیب کا ہوتا ہے، دوسروں کا نصیب چھین لینے کی کوشش میں فقط انسان خود ذلیل ہوتا ہے، خسارے ہی ہاتھ آتے ہیں تو یہ قصہ ہی ختم ہو جائے، دنیا امن کا گہوارہ بن جائے، مگر انسان سوچے تب ناں، سیما کی طرف دھیان جاتے ہی وہ مزید افسردہ ہو گئیں مگر ایک اپنا دل اور سوچ ہی نہ بدل سکی تھیں۔

☆☆☆

"فریدہ کم بخت آج پھر دیر کر دی تم نے، پتہ بھی ہے کہ ذرا بھی دیر سویر ہو جائے زو (گلگت بلتستان کا مقامی پالتو جانور) دودھ نہیں دیتا اور تمہارا ابا چائے پیے بغیر کیسے کام پر جائے گا۔" مورے کے بھاری ہاتھ کی ضرب پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، رات بھر شدید ٹھنڈ میں وہ پتلا سا کمبل اس کڑاکے کی سردی کو روکنے میں ناکام ٹھہرا تھا جو اس بار اکتوبر کے اوائل میں ہی اپنا رنگ جما چکی تھی، اگرچہ وہ پہاڑی لوگ موسم اور حالات کی سختی سہہ کر ان پہاڑوں جیسے ہی سخت جان ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی جب سے مورے نے بڑے کمرے سے نکال کر اس کو اس سٹور میں شفٹ کیا تھا اس نے گزارا کر لیا تھا کہ وہ تو پیدا ہی وقت حالات اور رشتوں کی سختیوں کو جھیلنے کے لئے تھی، سردی کی پہلی برف باری نے جیسے ہی اپنی شکل دکھائی، بوسیدہ کمبل سردی روکنے کو ناکام ہوا اور بخار کی لپیٹ میں آ کر وہ بے سدھ ہو گئی، سرخ آنکھوں کو بمشکل کھول کر مورے کی بات پر غور کیا تو اسے سمجھ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، بھاری سر اور ٹوٹتے جسم کو سنبھالتے وہ کچھ کہے بغیر اٹھی اور جا کر زو کا دودھ نکال کر مورے کو دے آئی ان کے کہے بغیر اس کا اگلا کام پچھلے صحن میں جا کر نیچے گرا پھل اکٹھا کرنا تھا جو کل رات چلنے والی تیز ہوا کے نتیجے میں گر گیا تھا، سیب خوبانی اور ناشپاتی پر مشتمل یہ پھل ان کو اچھی خاصی آمدن تو نہیں دیتا تھا مگر کچھ نہ کچھ حاصل وصول ہو ہی جاتا تھا سکردو کی اس مقامی آبادی میں تو خیر اس پھل کا کہاں کوئی خریدار ہوتا کہ ان جیسا غریب طبقہ ہی آباد تھا زیادہ تر یہاں پاک فوج کی یونٹ یہاں ہونے کی وجہ سے بہت سے جوان جو فوج کے مختلف شعبوں سے وابستہ تھے نے اپنی فیملیز بھی رکھی ہوئی تھیں یہاں، فریدہ بھی گرمیوں کے موسم میں پھلوں کی ٹوکریاں بھر کر لے جاتی اور کالونی کے گھروں میں فروخت کر آتی تھی اب چونکہ پھل اترنا کم ہو چکا تھا سو کوئی ایک آدھی ٹوکری ہی جمع ہو پاتے، سردیوں اور خصوصاً برفباری کی آمد کے بعد تو یہ سلسلہ تین سے چار ماہ تک رک جاتا تھا، فریدہ کی اپنی ماں اس کی پیدائش پر چل بسی تھی، مورے اس کی سوتیلی ماں تھی اور اس سے ویسا ہی سلوک کرتی تھی جیسا عام روایتی سوتیلی مائیں عموماً روا رکھتی ہیں، سوتیلے بچوں سے، مورے کے اپنے بھی اب تین بچے تھے، جبکہ فریدہ کا باپ مقامی ایئر پورٹ پر درجہ چہارم کا ملازم تھا نہایت قلیل تنخواہ کے ساتھ گھر کا گزارہ بس مشکل سے ہی ہو رہا تھا، یہاں کے مقامی لوگوں نے کھلے آنگن والے اپنے گھروں کے ایک

کمروں کے الگ پورشنز بنا کر مختلف ملازمین کو کرایہ پر بھی دے رکھے تھے جو کہ دوسرے شہروں سے یہاں بسلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے، انہی میں سے ایک فریدہ کا گھر بھی تھا۔

☆☆☆

بچوں کے سیکنڈ ٹرم کے امتحان میں سکول کا پورا عملہ ہی بری طرح مصروف تھا، چھٹی ٹائم پر اس نے باقی ماندہ کام گھر کے لئے اٹھایا اور جس پل وہ گھر داخل ہوئی عصر ہونے میں بہت تھوڑا وقت باقی تھا، پھپھو جو تائی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں، اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں، محض اسی کے انتظار میں یہ خالصتاً زنانہ محفل برداشت کرتا ولید بھی کھل اٹھا تھا، تائی سے البتہ ان دونوں کا یہ والہانہ انداز برداشت نہ ہوا۔

"جاؤ بھئی حیا، فدا کب کا آ کے انتظار کر رہا ہے، تم بھی کھانا وانا کھا لو، تھکی ہوئی آئی ہو، تمہاری پھپھو شام تک یہیں ہیں، کہا بھی تھا کہ جیسے چل رہا ہے چلتا رہنے دو گھر کا سسٹم، ہم کون سا الگ چلواتے تھے کہ الگ ہو گئیں محترمہ حالانکہ مجھ سے ہو پاتا تھا یا نہیں دوپہر کا کھانا تیار کر کے رکھتی ہوں، کہ بچے تھکے ہارے آئیں تو بھوکے نہ رہ جائیں، مگر نہ جی نجانے کیا سمائی حیا بی بی کے سر میں کہ اچانک ہی الگ ہونے کا بھوت سوار ہو گیا اور اب فدا بیچارہ آ کے بھوکا ہی بیٹھا رہتا ہے یونیورسٹی سے آ کر کہ بہن آئے گی تو کچھ بنا دے گی، مجھے ہی خیال آتا ہے بچے کو خود جا کر کھانا دے کے آئی ہوں یا سیما بیچاری ہی فکر میں ہلکان ہوتی ہے۔" تائی نے بظاہر میٹھے لہجے میں حیا کو وہاں سے بھیجا تھا پھر پھپھو سے اس کی شکائتوں کا پلندہ بھی چھیڑ بیٹھی تھیں، باہر جاتی حیا کے کان میں ساری تو نہیں ایک دو باتیں پڑی تھیں، دل کیا پلٹ کر اپنے ان صبح سے لے کر رات گئے تک کیے جانے والے کاموں کی تفصیل تائی کو یاد دلا دے، جو آج سے محض ہفتہ بھر پہلے تک اسی کے ذمہ تھے، گھر کے کاموں اور سکول کے کام میں وہ اتنی بری طرح تھک جاتی کہ اسے لگتا نہ وہ دین کی رہی نہ دنیا کی، عشاء کی نماز سے پہلے ہی نیند کے جھولے بے حال کیے رکھتے تو فجر بھی ادھ کھلی آنکھوں سے پڑھ پاتی، فدا اور اسے آپس میں بات کیے کئی کئی دن گزر جاتے، بہت سوچنے کے بعد اس نے ہفتہ پہلے ہی ناشتے کی میز پر بات کی تھی کہ اس کے اور اس کے بھائی کی دیگر گھر کے لوگوں سے چونکہ روٹین مختلف ہے تو وہ اپنے وقت کے حساب سے فدا کا اور اپنا کھانا بنا لیا کرے گی، تائی تو جیسے کسی صدمے کی کیفیت میں رہ گئیں، مسلسل کئی سال سے گھر کی ذمہ داری کلی طور پر حیا کے سپرد کر دینے کے بعد وہ گھر اور گھر کے کاموں سے بری الذمہ ہو گئی تھیں، چار بجے سے ہی اٹھ کھڑی ہونے والی حیا دوپہر کے دو سالن تیار کر کے ناشتہ بناتی پھر ہی سکول جا پاتی تھی، یہاں تک تو چلو ٹھیک تھا، شام کو چائے بھی اسی نے بنانا ہوتی، رات کے کھانے پر کم از کم ایک ڈش بنتی وہ بھی اسی کے ذمہ ہاں ملازمہ صفائی اور برتن کے لئے مخصوص تھی اور ایک دو بار اس نے تنگی کا رونا روتے ہوئے تائی سے کہا تھا کہ کم از کم رات کے وقت روٹیاں ہی سیما پکا لیا کرے، تب تائی نے سیما کو کہنے کی بجائے کام والی ماسی کو ہی اضافی پیسے دے کر روٹیاں بنوانی شروع کر دی تھیں، ہاں حیا اپنی روٹی خود ہی پکاتی تھی، پھر پچھلے سال اس نے اپنی بی ایس سی کی ڈگری کو استعمال میں لانے کا سوچا تھا ایسے گھر میں کام کر کر کے وہ گھن چکر بنی تھی، اپنی اور فدا کی ہزار ضرورتوں کے لئے تائی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تھا، فدا ٹیوشنز کر کے بمشکل اتنا

کماتا تھا کہ اس کی یونیورسٹی کی فیس اور خرچ نکل آتا تھا، حالانکہ ابا اور تایا کا مشترکہ کاروبار تھا، ابا، اماں کی اچانک وفات جو کہ دس سال پہلے ہوئی تھی کہ بعد اچانک تایا پر انکشاف ہوا تھا کہ کاروبار تو کب سے نقصان میں جا رہا تھا، حیا کو آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اگر مالی حالات اتنے خراب ہو گئے تھے تو اپنے بچوں سے ہر چھوٹی سے چھوٹی بات شیئر کرنے والے ماں باپ ان سے کیسے چھپا سکتے تھے، کہ اماں کا تمام بھاری زیور بک کر بھی کاروبار میں ہونے والے نقصان کو پورا نہ کر سکا تھا، یہ تو وہ کہانیاں تھیں جو وہ اپنے والدین کی وفات کے بعد ان دونوں نے اپنے تایا اور تائی سے سنی تھیں، حیا اس وقت میٹرک میں اور فدا نویں جماعت میں تھا، کالج پہنچنے تک تو جیسے تیسے تایا، تائی نے اپنی دونوں بیٹیوں کی طرح ان کے ناز نخرے بھی اٹھائے تھے، تعلیمی اخراجات بھی پورے کیے تھے، جیسے ہی حیا نے ایف ایس سی میں شاندار نمبرز لئے وہیں تائی کی بڑی بیٹی ریما شاندار طریقے سے فیل ہو گئی تھی، دوسری بیٹی جو فدا کی ہم عمر تھی اس کی بھی پڑھائی میں دلچسپی واجبی تھی، بس پھر کیا تھا تایا، تائی کو لگنے لگا تھا کہ تعلیم حاصل کرنا کوئی اتنا ضروری امر نہیں ہے جس کے لئے اتنا روپیہ خرچ کیا جائے تایا نے بھی ان کی آواز پر لبیک کہا تھا، مگر حیا فدا کی نسبت زیادہ سمجھدار تھی، گھر کی بدلتی ہواؤں کا رخ دیکھ کر اس نے فدا کو بیٹھا کر سمجھایا تھا کہ ان کے مستقبل کی فکر کرنے والے منوں مٹی اوڑھ کر سو چکے اب جو کرنا ہے ان کو خود کرنا ہے ورنہ زمانہ انہیں روندتا ہوا گزر جائے گا، تائی نے جیسے ہی ان کے رکشہ اور کالج وین کی رقم روکی تھی ان دونوں نے کچھ ٹیوشنز کر لی تھیں اور سواری کی بجائے پیدل جانے لگے تھے، تائی کی دونوں بیٹیاں چونکہ گھر بیٹھ چکی تھیں، سو تایا، تائی کے پاس تعلیمی اخراجات کی مد میں رقم بھی ختم ہو چکی تھی، پھر حیا کا تعلیم میں اس قدر سنجیدہ انداز تائی کو نہ بھایا، انہوں نے گھر کے ان گنت کام اس کے ذمہ لگا دیئے اور خود بری الذمہ ہو گئیں، دونوں بیٹیوں نے ٹریننگ لینے کے لئے ایک پارلر جوائن کر لیا تھا اور وہیں پر ریما کی دوست کے بھائی کو وہ اس بری طرح سے بھائی کہ انہوں نے ریما کے رشتے کے لئے گھر کی دہلیز پکڑ لی، ریما نے الگ اس رشتے پر ہامی بھرنے کے لئے زمین آسمان ایک کر دیا مجبوراً تایا تائی کو اس کی مان کر اسی جگہ اس کی شادی کرنا پڑی ورنہ ان دونوں کا ارادہ پھپھو کے بیٹے ولید کو اپنا داماد بنانے کا تھا، مگر ریما نے ان کے ارادوں کو مٹی میں ملا دیا تھا، حیا کے لئے اب گھر کے کاموں اور کالج کی پڑھائی میں توازن رکھنا بے حد مشکل ہو رہا تھا کیونکہ بچوں کی ٹیوشن اور گھر کے کاموں کے ساتھ اسے رات کو پڑھنا بے حد مشکل لگتا، سارا دن کا تھکا ہارا جسم اور دماغ بستر دیکھتے ہی سب کچھ بھول جاتے وہ بھی اس صورت میں جب دو سے ڈھائی میل تک کا کالج کا فاصلہ دو [illegible] شام پیدل طے کرتی تھی، بی ایس سی کے دو سالوں میں اسے حقیقتاً دانتوں پسینے آ گئے تھے مگر تین ماہ بعد اس کا رزلٹ اس کی محنت کا ثمر دے رہا تھا، یونیورسٹی میں ایم ایس سی کرنا اس کا خواب تھا مگر نہ تو وسائل تھے نہ ہی وقت، سو پرائیویٹ طور پر ہی ایم اے انگلش کا ارادہ کر کے کتابیں منگوائیں اور گھر پر ہی پڑھنا شروع کر دیا کہ فدا کیونکہ انجینئرنگ کر رہا تھا تو اس کے اخراجات کے لئے دونوں کو پیسہ دانتوں سے پکڑ کر خرچ کرنا پڑتا تھا، حیا نے اپنی دوست کے توسط سے ایک اچھی ساکھ والے پرائیویٹ سکول میں جاب

کر لی تھی، فدا کو کمپیوٹر میں بے حد دلچسپی تھی، انجینئرنگ میں اس کا شعبہ بھی یہی تھا اب وہ مہارت سے کمپیوٹرز، لیپ ٹاپ ریپئر کرنے کا کام کر لیتا تھا پھر اس کے دماغ میں آئیڈیا آیا تو اس نے اس چیز کو اپنے مالی مفاد کے لئے استعمال کرنے کا سوچا تھا اور یونیورسٹی لیول پر اس کام کو کرتے کرتے اس نے پارٹ ٹائم ایک موبائل اینڈ کمپیوٹر ریپئرنگ شاپ پر سیکنڈ شفٹ میں کام شروع کر دیا تھا یوں دونوں بہن بھائی انتہائی مشکل مالی حالات سے گزرتے ہوئے اپنی زندگی کی گاڑی کو کسی ہموار راستے پر ڈالنے کے لئے کوشاں تھے۔



رات بھر شدید برفباری کے باعث علاقے کے گھروں، درختوں، راستوں اور پہاڑوں نے برف کی چادر اوڑھ رکھی تھی، بہت دن بعد آج تیز دھوپ نکلی تھی، موسم صاف ہونے کے باعث سردی بھی شدید تر تھی، مگر اس علاقے کے لوگ ایسے موسم کے عادی تھے سو فریدہ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی گھر کے بیرونی دروازے سے راستے تک بیلچے اٹھا کر برف صاف کی اور زرو کی رسی کھول کر اسے باہر ٹہلانے لے آئی، وہیں پتھروں کے ایک ٹیلے پر بیٹھ کر اس نے زرو کو چھوڑ دیا۔

"ارے واہ! آج تو خدا نے سن لی میری، دل سے دعا کی تھی کہ فریدہ رانی مل جائے۔" مورے کا ادھیڑ عمر بھائی نجانے کہاں سے آن ٹپکا تھا، فریدہ کو اس کے نسوار زدہ پیلے دانتوں سے کراہت آئی اس نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"واہ حسن ہو تو نزاکت بھی بھلی لگتی ہے، یہ نخرے چھوڑ اور میری رانی بننے کی حامی تو بھر...... خدا کی قسم پلکوں پر بٹھا کر رکھوں گا۔"

"شرم کر ماما شرم، اپنی عمر کا ہی کچھ لحاظ کر لے، تیری بھانجیوں کے برابر ہوں، ان کو کوئی تمہاری طرح کہے تو کیسے لگے گا تمہیں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"ہاہاہا، تیری یہی ادائیں تو مجھے پسند ہیں فریدہ! میری بھانجیوں کو بھی کوئی مجھ جیسا محبت کرنے والا مل جائے تو ابھی کے ابھی رخصت کر دوں گا۔" دلبر خان نے بے غیرتی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا دلبر خان، میں مر جاؤں گی مگر تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہونے دوں گی۔" تنفر سے کہتی وہ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور زرو کو اپنی مخصوص آواز میں ہانکتی وہاں سے چل دی، دلبر خان کو یہ جرأتیں اس کی سوتیلی ماں کی بخشی ہوئی تھیں، اس کا باپ کی پوری طرح سے اسی کے زیر تسلط تھا فریدہ شکایت کرتی بھی تو کس کو کرتی اور کس برتے پر؟ لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ مر کر بھی دلبر خان سے شادی کے لئے ہامی نہیں بھرے گی۔

اردو کی کتاب پر ہاتھ پھیرتی وہ نجانے کیا کیا سوچ رہی تھی، فریدہ گل کو شروع سے ہی پڑھنے کا بے حد شوق تھا، پرائمری تک مقامی سکول میں پڑھانے کے بعد مورے نے اسے سکول سے اٹھوا لیا تھا، مگر فریدہ کے اندر تعلیم حاصل کرنے کے شوق کو ختم نہ کیا جا سکا تھا، اس نے سکول جا کر ٹیچر سے ایک پرانا چھٹی جماعت کا کورس لیا اور خود ہی پڑھنا شروع کر دیا اگرچہ ریاضی اور انگریزی جیسے مضامین میں اسے بے حد مشکل پیش آئی مگر استانی جی کی مہربانی سے جب مورے اسے اپنی سب سے چھوٹی اولاد کو

باہر لے جا کر کھلانے کا کہتیں وہ سکول آ جاتی اور کلاس کی سب سے پچھلی بینچ کر بیٹھ جاتی، اگلی رو میں بیٹھی خوشحال اور آسودہ گھرانے کی بچیاں سارا دن سکول گزار کے بھی وہ سب کچھ نہ سیکھ سکی تھیں جو وہ غریب، حالات کی ستائی ہوئی فریدہ ایک گھنٹے میں سیکھ جاتی تھی، استانی کی مہربانی سے ہی اس نے ایسے ہی چھٹی، ساتویں اور سکول کا اور آٹھویں کا بورڈ کا امتحان پاس کیا تھا، نمبرز اگرچہ بہت اچھے نہ آتے تھے تو بہت برے بھی نہ تھے، آٹھویں کا داخلہ استانی جی نے اس پر ترس کھا کر پرائیویٹ ہی بھیجا تھا کہ پاس ہو گئی تو ٹھیک ورنہ سکول کے رزلٹ پر بھی برا اثر نہیں پڑے گا، مگر وہ پاس ہو گئی تھی مورے کی نظر میں اس کا پڑھنا اور امتحان دینا آیا تھا مگر اسے چونکہ گھر سنبھالنے اور کام سے غرض تھی اور اس میں فریدہ گل کوئی کوتاہی نہیں کرتی تھی سو اس نے اس بات پر کوئی حجت نہ کی تھی، اب نویں کی کتابوں کے لئے اس نے اپنے کرائے داروں والی باجی سے رجوع کیا تھا، جو ایک فوجی کی بیوی تھیں اور فریدہ گل ان کے پاس اپنے پھل فروخت کرنے جاتی تھی اس نے جب اپنے مسئلے کا ذکر کیا تو وہ گھر پر ویسے ہی فارغ ہوتی تھیں، سو بخوشی اس کو پڑھانے پر راضی ہو گئی تھیں، یوں فریدہ ان کے گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی سمیٹ دیتی اور اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے، بستی میں لڑکیوں کا سکول مڈل تک ہی تھا، اس لئے سکول والی ٹیچر سے پڑھائی میں مدد کا ایک سلسلہ تمام ہوا تو دوسرا کرائے داروں کے ہاں سے چل نکلا تھا، بے شک وہ قادر مطلق ایک در بند کر کے دس اور در کھول دیتا ہے بشرطیکہ نیت صاف ہو اور ارادے پختہ ہوں۔

☆☆☆

"حیا رکو بھئی، کب سے آوازیں دیتے جا رہا ہوں۔" اس نے تیز تیز چلتی حیا کو سڑک کنارے ہی روک لیا، بہت دنوں سے اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر نہ تو وہ کال اٹینڈ کر رہی تھی نہ ہی گھر پر اس سے ملاقات ہو پا رہی تھی، ایک دو بار گھر کا چکر لگایا بھی تھا مگر تائی ہمہ وقت سر پر سوار رہی تھیں سو وہ بات ہی نہ کر پایا تھا، حیا نے حیران ہو کر اسے دیکھا، تاہم کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ آ کر سڑک کنارے کھڑی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

"تم گئے نہیں ابھی تک واپس اور گاڑی کب لی؟"

"نہیں لمبی پر لیو گھر آیا ہوں، ابھی تیرہ چودہ دن باقی ہیں چھٹی کے اور گاڑی بھائی کی لے کر آیا ہوں آج، میں آتا ہوں کبھی کبھار لیو پر تو بائیک زندہ باد، ابھی ضرورت ہی نہیں گاڑی کی جب ہو گی لے لیں گے، تم سے ایک بے حد ضروری بات کرنی تھی مگر دوبارہ گھر آنے پر ممانی تمہارے سر پر کسی خدائی فوجدار کی صورت موجود رہیں، ایک آدھ دفعہ موقع بھی ملا تو فدا موجود تھا بات ہی نہیں ہو سکی، تمہاری پھپھو حضور اپنے فرزند کے سر پر سہرا سجانے کو بے تاب بیٹھی ہیں اور یہاں سہرے کی کلیاں ہی کھل کے نہیں دے رہیں۔" مہارت سے ڈرائیو کرتے ولید کی بات سن کر حیا بے اختیار ہنس دی۔

"سو ان کلیوں کا خیال چھوڑ کر کھلے ہوئے پھول جو تمہارے سہرے میں لگنے کے مشتاق ہیں، لگاؤ اور سہرے پہن لو۔" ولید نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تائی اپنی دختر نیک اختر

سے بیاہنے کی زبردست خواہاں ہیں اور میرے خیال میں تائی اپنا مدعا بھی پھپھو تک پہنچا چکی ہیں، صرف عملدرآمد ہونا باقی ہے، ایسے میں تمہاری یہ بات چہ جائے کہ معنی۔" حیا نے خاصے ہلکے پھلکے انداز میں کہا جس سے ولید جی بھر کر بدمزہ ہو گیا۔

"افوہ یار شادی میں نے کرنی ہے ممانی یا پھپھو نے نہیں اور میں نے اماں کو بھی کلیئر کر دیا ہے کہ اگر سیما آپ کی بھتیجی ہے تو حیا سے بھی آپ کا وہی رشتہ ہے، میں حیا سے ہی شادی کروں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے اماں بھی دل سے یہی چاہتی ہیں، بس ذرا ایدا دباؤ میں آ جاتے ہیں ہر دفعہ مامی جان کے..... قسم سے یہ جو مامی ہیں ناں، ہیں تو میری پھپھو مگر لگتا ہے کسی ایسے ادارے سے زبردست سی ٹریننگ لے کر آئی ہیں جہاں پہ گھول کر پلا دیا جاتا ہے کہ رشتوں کو کیسے اور کہاں ایکسپلائیٹ کرنا ہے اور ذریعہ کیا استعمال کرنا ہے کہ اگلا پوری طرح شکنجے میں جکڑا جائے، مگر میں بھی اسی پھپھو کا بھتیجا ہوں ان کے وار کو کیسے الٹانا ہے سب جانتا ہوں بس اپنی یہ مدر ٹریسا والی نیچر کو کنٹرول میں رکھنا اور جب ماموں میرے بارے میں پوچھیں تو پوری رضامندی کا اظہار کرنا ہے، ہر قسم کی احسان مندی والے ٹیپکل اسباق بھول کر، تم سے صرف یہی التجا کرنا چاہ رہا تھا۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"احسان مندی والے اسباق یاد کرنا ہماری مجبوری ہے ولید! ورنہ تم جانتے ہو کہ اس وقت ہم تایا کے رحم و کرم پر ہیں، فدا ابھی اپنے پاؤں پر نہیں کھڑا ہوا ابھی، اپنے کیریئر بنانے کی ابتدا پر میں اسے کسی ٹینشن میں نہیں ڈالنا چاہتی، کیونکہ اپنا کھانا پکانا الگ کر دینے کے بعد تائی ویسے غصے میں ہیں، سیما کے گھر کے حالات بہت خراب ہیں، ایسے میں تائی اگر سیما کے حوالے سے فکرمند ہیں تو ٹھیک ہی ہیں پھپھو اور تائی کی شادی کی پوری تیاری ہے، جبکہ میں جب تک فدا اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو جاتا، اپنے بارے میں کچھ اس قسم کا سوچ بھی نہیں سکتی، تو تم خوشی خوشی سہرا باندھ کر سیما بی بی کو رخصت کرا کے لے جاؤ۔"

اس کے اس طرح صاف ہری جھنڈی دکھا دینے پر وہ چڑ گیا اور گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی تھی۔

"ٹھیک ہے اب جو کرنا ہو گا میں خود کر لوں گا، تم جیسی بزدل سے تو مشورہ ہی فضول ہے جس کے دل میں دنیا کے ہر بندے کے لئے ہمدردی ہے سوائے اپنے۔" وہ ناراض ناراض سا بولا تھا۔

حیا مصلحتاً خاموش رہی تھی کیونکہ اس وقت اس کے جذبوں کی پذیرائی کا مطلب تھا بڑی مشکل سے اس کی بے حد کوشش کے بعد گھر میں پیدا ہونے والے سکون کو ایک ناقابل برداشت ہنگامے میں بدلنا اور ہو سکتا ہے تایا، تائی کی طرف سے کوئی سنگین ردعمل ہی عائد ہو جاتی، جبکہ وہ اس سٹیج پر جب فدا کو اس کے امتحانات کے لئے پوری یکسوئی دینا چاہتی تھی، وہ ایسا کوئی ماحول نہیں چاہتی تھی، جس سے وہ ڈسٹرب ہو، سو چپکی بیٹھی رہی، کیونکہ اس کا یقین تھا جو انسان کی قسمت کا ہوتا ہے وہ اسے بغیر ریاضت کے بھی حاصل ہو کر رہتا ہے اور جو نہیں ہوتا وہ ساری دنیا سے لڑ کر بھی نہیں لیا جا سکتا۔

☆☆☆

"آپ نے مجھے شروع سے ہی آزادی رائے کی عادت نہ ڈالی ہوتی اور میری فرمائشوں کو منہ سے کھلنے سے پہلے ہی پورا نہ کیا ہوتا پھر آپ کے اس طرح اپنی مرضی تھوپنے پر مجھے ہرگز بھی تکلیف نہ ہوتی، اب میری زندگی بلکہ پوری زندگی کا اہم ترین معاملہ آپ میری مرضی کے بغیر

کر رہے ہیں، میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔" حیا کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے دونوں طرف کا مقدمہ خود ہی لڑنے کا سوچا تھا، اس کی ماں نے اسے ہری جھنڈی دکھائی تھی کیونکہ دل سے وہ بھی حیا جیسی لڑکی کو ہی پسند کرتی تھیں مگر نند سے دبتی تھیں کیونکہ تائی نے جیسے عمر بھر تایا کو اپنی مٹھی میں رکھا تھا، میکے میں بھی ان کا کھونٹا اتنا ہی مضبوط تھا، ان کے خاوند جو تائی کے بھائی تھے گھر کے ہر معاملے میں اپنی بہن کے مشورے کو اہمیت دیتے تھے، بیٹے کی شادی جیسے اہم معاملے میں بھی تائی کی ہی چلتی نظر آ رہی تھی کیونکہ یسما ان کے خاوند کی چہیتی بھانجی تھی، ہو جاتے ہوئے بھی بیٹے کا ساتھ نہ دے پا رہی تھیں۔

"کیوں کیا کمی ہے یسما میں، خوبصورت سلیقہ مند بچی ہے، اپنے خاندان کی دیکھی بھالی ہے، کون سی ایسی خوبی ہے جو اس میں نہیں ہے۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں ابا کہ یسما میں کوئی خامی ہے، بس میں نے اس کے حوالے سے کبھی ایسے سوچا نہیں، رضا بھائی کو آپ ان کی پسند سے شادی کرنے دے سکتے ہیں تو مجھے کیوں نہیں، میں بھی کہہ رہا ہوں کہ شادی کروں گا تو حیا سے ورنہ آپ لوگ بھول جائیں کہ میں کبھی شادی کروں گا، اماں میرا سامان پیک کریں، مجھے آج ہی واپس جانا ہے، گھر چھٹی انسان ریلیکس کرنے کا سوچ کر آتا ہے، اپنی پریشانیوں میں اضافہ کرنے نہیں۔" وہ بگڑے موڈ کے ساتھ اٹھا۔

"شوق سے جاؤ میاں! مگر اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں اس جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہو کر اپنا فیصلہ بدل لوں گا تو نہایت غلط سوچ ہے تمہاری۔" پھپھو تو حواس باختہ ہو گئیں مگر ولید کے ابا کا اطمینان دیدنی تھا، انہوں نے بیٹے کے بگڑے مزاج کو در خور اعتنا نہ جانا تھا، وہ بیٹے کو روکنے اس کے پیچھے ہی چلی گئیں۔

☆☆☆

"بیٹھیے حیا! آپ کو ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے میں نے۔" حیا کی پرنسپل مسز شیرازی نے ابھی کچھ دیر قبل اسے آفس بلوایا تھا۔

"میری بہن نے رزلٹ ڈے پر آپ کو دیکھا تھا اور اس بری طرح گرویدہ ہوئیں آپ کی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے آپ کے رشتہ کی خواہاں ہیں، شکل وصورت دولت شرافت کسی چیز میں کوئی کمی نہیں میرے بھانجے میں، یہ تو آپ نے بتایا تھا کہ آپ کے پیرنٹس حیات نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کہیں انگیجڈ ہیں تو اب بتائیں کہ کب آپ کے تایا کے پاس آئیں کیونکہ میری بہن نے تو فون کر کر کے میرا جینا حرام کر رکھا ہے کہ چلیں چلیں، وہ تو میں نے ان کو روک رکھا ہے کہ پہلے بچی سے مجھے بات کرنے دو، وہ بھی اپنے گھر بتا دے، باقی آپ فکر مت کریں، شادی کے بعد اگر جاب جاری رکھنا چاہو گی تو بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میم! میں گھر بات کر کے آپ کو بتا دوں گی، مگر میری ایک شرط ہے۔" اس نے سوچنے میں کچھ پل لئے تھے پھر آہستہ سے کہا تھا۔

"ہاں، ہاں حیا! کھل کر بتاؤ کیا بات ہے۔" مسز شیرازی آگے ہوتے ہوئے بولیں، تب حیا نے دھیمے سے بتایا تھا کہ اس کے بھائی کا انجینئرنگ کا آخری سال ہے اس کی تعلیم مکمل ہونے تک وہ شادی نہیں کرے گی اور جب تک اس کی جاب نہیں ہو جاتی وہ جاب کر کے اس کی سپورٹ کرتی رہے گی، اس کے جھجک کر کہنے پر مسز شیرازی زور سے ہنس دی تھیں۔

"ارے حیا! تم تو ایسے ڈر ڈر کر کہہ رہی ہو جیسے نجانے کیسی کڑی شرط ہو، تم ابھی میری بہن سے ملی نہیں ہو اس لئے ایسے خدشات ہیں تمہارے دل میں، تمہاری خود داری قابل دید ہے حیا مگر یقین کرو جب تم اخوند گھرانے کی بہو بن جاؤ گی ساتھ ہی تمہاری اور تمہارے بھائی کی قسمت بھی بدلے گی، نوکری نہ ملنا، اس کی تلاش میں دھکے کھانا ہم مڈل کلاس لوگوں کا المیہ ہے، ان کے لئے تو یہ بالکل معمولی بات ہو گی، بہرحال تم اب ان معمولی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ کر گھر بات کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں اپنی بہن کو لے کر کس دن آؤں۔" مسز شیرازی نے کہا تو حیا نے آہستہ سے جی کہا تھا اور وہاں سے اٹھ گئی تھی، ایسی پیشکش کو ان حالات میں اس نے اللہ کی طرف سے غیبی مدد سمجھا تھا، کیونکہ چار دن پہلے ریما کو طلاق ہو گئی تھی اس کی وجہ سے گھر کا ماحول افسردہ تھا، پھر تائی کو سن گن ملی تھی کہ ولید نے حیا سے شادی پر اپنے ماں باپ سے اصرار کیا ہے اور بطور احتجاج واپس چلا گیا ہے، سن کر ان کو پتنگے ہی لگ گئے تھے، تیر کی تیزی سے وہ حیا کی طرف آئیں تھیں اور بے نقط سنائی تھیں، ان کے خیال میں اوپر سے بیبا بہروپ بھر کر اسے اپنی ماں کی طرح مردوں کو رجھانا آتا تھا کیونکہ حیا کی امی سے بھی اس کے ابو نے پسند کی شادی کی تھی اور یہ فن ان کے اور ان کے بیٹیوں کے پاس نہیں تھا، مزید انہوں نے حیا سے کہا تھا کہ وہ ولید سے شادی کے خواب دیکھنا چھوڑ دے کیونکہ وہ ان کی یسما کا نصیب ہے اور جلد ہی اسے گھر سے رخصت کرنے کا عندیہ بھی دے ڈالا تھا، وہ تو شکر ہے کہ فدا نہیں تھا ورنہ نقص امن کا خطرہ ہوتا کیونکہ فدا عموماً عورتوں کے معاملات اور گھریلو سیاست سے دور ہی رہنے والا اور اپنی ذات میں مگن رہنے والا بندہ تھا مگر اپنی بہن سے بہت محبت تھی اسے اور اس کی قربانیوں کی قدر بھی، تائی کی ایسی زبان اور ایسے رویے کو اس نے ہرگز برداشت نہیں کرنا تھا، حیا کے آخر کہنا ہی پڑا تھا کہ تائی جان آپ بے فکر رہیں میں آپ کی بیٹی کے نصیب میں ہرگز کوئی دلچسپی نہیں رکھتی، اگر اس کی ایسی کوئی خواہش ہے بھی سہی تو وہ تسلی رکھیں میں انکار کر دوں گی، تب جا کر کہیں تائی کو تسلی ہوئی تھی مگر پھر بھی وہ بولتی ہوئی اس کے کمرے سے باہر گئی تھیں، حیا کی آنکھیں اپنے والدین کو یاد کر کے بے ساختہ بھر آئیں تھیں۔

☆☆☆

وادی میں بہار کے شروع ہوتے ہی فطرت کے کئی خوبصورت رنگ جوبن پر تھے، نیلگوں آسمان کے سائے تلے سفید برف پوش پہاڑ پوری شان سے سر اٹھا کر نازاں تھے تو وادی میں موسمی پھولوں اور پھلوں کی بہتات تھی، دنیا بھر کے سیاحوں نے ادھر کا رخ کر لیا تھا، فریدہ گل اپنے اداس دل کی طرح اداس سردیاں ہی پسند تھیں جب برف کی سفیدی میں سناٹا ہوتا تب اس کی تنہائی بھی اس کی سنگی بن کر اپنے دکھڑے روتی تھی، گھنٹوں وہ برستی برف کے روئی کے گالوں جیسے قطروں نیچے بیٹھی رہتی، شدید موسم بھی اس کے اندر اور باہر کے جمود پر اثر انداز ہونے میں ناکام ہو جاتا تھا، دلبر خان کی جرأتیں بھی بڑھ گئی تھیں، ایک دن تو حد ہو گئی جب وہ فروٹ کی خالی ٹوکریاں اٹھائے تیزی سے پہاڑ سے نیچے اتر رہی تھی کہ گھر جا کر زو کے چارہ کا انتظام بھی کرنا تھا، جب وہ اچانک ہی اس کے راستے میں آیا تھا اور آتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اظہار محبت کرنا شروع کر دیا، گھر جانے کی جلدی، مورے کی ڈانٹ کا ڈر اور دلبر خان کی اچانک آمد نے اس

کے حواس اتنے مختل کیے کہ اس کا دلبر خان پر ہاتھ اٹھ گیا تھا، اس کے بعد وہ رکی نہیں تھی فوراً ہی گھر آ گئی تھی، پیچھے کھڑا دلبر خان گال پر ہاتھ رکھے کسی حتمی فیصلے کے بارے میں سوچنے لگا کیونکہ اتنی جرأت اسے اس کی بہن نے ہی دی تھی اور اسے کہا تھا کہ کچھ دن وہ اپنی نشے اور جوئے کی لت چھوڑ دے تاکہ فریدہ کے باپ سے رشتے کی بات کی جا سکے، اب وہ سرعام سگریٹ کے سوٹے لگاتا نظر نہیں آتا تھا، گھر کے بھی وہ تین کام بہنوئی کی موجودگی میں کر دیتے تھے جیسے جلانے کے لئے لکڑیاں لانا، ریوڑ کو چرانے لے جانا، اور ایک بار تو قسمت مہربان تھی کہ اسے اپنے بہنوئی کو بخار ہو جانے پر حکیم کے پاس لے جانا پڑا تھا، فریدہ کے ابا کی رائے اب کچھ کچھ دلبر خان کے بارے میں بدل گئی تھی اور مورے اسی سلسلے میں دراز رکھتے ہوئے اس سے فریدہ کا رشتہ دلبر خان سے منوانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ کیا بول رہی ہو۔'' تایا پہلے تو کچھ دیر بول ہی نہ سکے کہ بات ان کے اوپر سے گزر گئی تھی مگر جب دماغ نے تائی کی کہی بات کو تھوڑا قبول کیا تو وہ چلا اٹھے۔

''ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ دنیا میں ہر انسان اپنا فائدہ سوچتا ہے پہلے میرے سامنے ولید ہی بہترین رشتہ تھا اپنی بچی کے لئے اس لئے اتنا زور لگا رہی تھی اب جب قدرت میرے سامنے اس سے شاندار موقع لے کر آئی ہے تو کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں، ارے کیا ایسے ہیرے جڑے ہیں تمہاری بھتیجی میں میاں، جو میری بچی میں نہیں ہیں، وہ تو شکر ہے تمہیں بھیجنے کے بجائے میں خود ہی ان لوگوں کے گھر چلی گئی، گھر کیا تھا؟ مانو پورا عالیشان محل، یہ نوکروں کی فوج، پورچ میں کھڑی چار گاڑیاں اور سب سے بڑھ کر لڑکا دیکھ کر میری آنکھیں پھٹ گئیں، ایسا بانکا، سجیلا، تمیزدار بچہ، میں نے تو صاف کہہ دیا کہ حیا کا رشتہ تو اپنی پھپھو کے بیٹے سے طے ہے، بلکہ کچھ دنوں تک شادی بھی متوقع ہے، نجانے کیوں حیا نے آپ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا، ہاں میری بچی کا ابھی کہیں رشتہ طے نہیں ہوا، کچھ رشتے آئے ہوئے تو ہیں، ان کے بارے میں چھان بین کر رہے ہیں، پھر لگے ہاتھوں اپنے موبائل میں موجود سیما کی وہ تصاویر بھی دکھا دیں جو اس نے ایک بار اپنی دوست کی شادی کے موقع پر بنوائی تھیں، ساتھ ہی ساتھ دعوت نامہ بھی دے دیا کہ حیا کی شادی پر آپ کو بلائیں گے، ضرور آئیے گا، اب آپ کی بہن تو دل سے ویسے ہی نہیں چاہتی تھی بہو بنانا سیما کو، بیٹا بھی اسی ضد میں روٹھ کے چلا گیا کہ حیا سے ہی شادی کروں گا، صرف میرا بھائی ہی بیچارہ میری محبت میں بیوی بیٹے کے ترلے کر رہا ہے، سب کچھ میں ہی ٹھیک کر لوں گی تو بتاؤ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ اپنی بچی کا چھوڑ کے بہن اور بھتیجی کی محبت اُمڈی پڑ رہی ہے، ارے لوگ اپنی اولاد کے لئے کیا کیا نہیں کرتے اور یہاں میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ براہ مہربانی اپنی زبان بند رکھنا، اگر اپنی بیٹی کا کچھ اچھا سوچ رہی ہوں تو تمہاری بھتیجی بھی تو ٹھکانے لگے گی ناں میاں۔'' تائی نے ہاتھ نچا نچا کر تایا کو ایک بار پھر تفصیل اور اپنے ارادوں کے بارے میں بتایا۔

''ٹھیک ہے بھئی، جو مرضی آئے کرو، میری پہلے کبھی تم نے مانی ہے جو آج میں تم سے کوئی توقع رکھوں، میں تو صرف آپا کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ وہ کیا سوچیں گی، سیما کے رشتے کے لئے دباؤ ڈال کر تم نے ان کے گھر کا ماحول خراب کر دیا اور اب ایکدم پینترا بدل لیا اپنے فائدے کے لئے۔'' تایا جھلا کر بولے۔

''ہاں تو حل بھی تو نکال رہی ہوں ناں، حیا سے بات خود کرو، بہت پر پرزے نکال لئے ہیں اس نے اور سکول کی نوکری کے بعد ذرا زبان بھی زیادہ چلنے لگی ہے، باقی تمہاری بہن اور اپنے بھائی سے میں خود بات کرتی ہوں اور سو ایک اور سوچ بھی میرے دماغ میں آئی ہے، یہاں بیٹھو ذرا آپ۔'' تائی نے ہاتھ پکڑ کر تایا کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور آہستہ آہستہ آواز میں کچھ سمجھانے لگیں، تایا نے پوری بات سنی، ہاں اور ناں کے لئے بغیر ان کے ماتھے کی شکنیں بتا رہی تھیں کہ جتنا بھی چیخ چلا لیں تایا، آخرکار جیت انہی کی ہو گی۔

''یہ بات تو بعد کی ہے، بعد میں اس پر سوچیں گے، تم پہلے ایک بار پھر حیا والے معاملے پر سوچ لو، وہ اتنے دولت مند ہیں، ان کو تو اچھے سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے سوسائٹی میں، آخر ہمارے جیسے مڈل کلاس گھر کو ہی کیوں منتخب کیا انہوں نے، یہ نہ ہو دولت کے چکر میں بچی کو اندھے کنویں میں دھکیل دو تم، میں تو حیا کے لئے بھی ہچکچا رہا تھا، اسی لئے تمہیں بھیجا تھا کہ جا کر جانچ پڑتال کر کے آؤ کہ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں، باقی لڑکے کی تو میں چھان بین کرا چکا ہوں، بہت بڑا بزنس ہے، اس کی ماں ہی کرتا دھرتا ہے سارے کاروبار کی، لڑکا کبھی آیا ہی نہیں آفس، سب ٹھیک تھا پھر بھی دل کو ایک گھبراہٹ سی تھی کہ اتنے امیر لوگ ہو کر ہماری ہی بچی کا رشتہ کیوں چاہ رہے ہیں، یتیم بچی ہے، آج اس کے حق میں کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو کیا منہ دکھاؤں گا میں روز حشر اپنے بھائی کو.....'' تایا آبدیدہ ہو گئے۔

''اے بس کرو میاں، یہ جذباتی مکالمے، بس دیکھ بھال لیا گھر اور اپنی بچی کے لئے پکا بھی کر دیا، جیسے ہی وہ لوگ سیما کے لئے سوال ڈالتے ہیں میں تو کر دوں گی وہاں، قدرت اسے موقعے کسی کو بار بار نہیں دیتی، انہوں نے تو جلد ہی ہمارے ہاں آنے کا عندیہ بھی دے دیا ہے۔'' تائی کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی سب کچھ ٹھیک کر کے سیما کی رخصتی اس گھر میں کر کے حیا کو جلدی چلتا کر دیں۔

☆☆☆

''آپ نے تو بتانا ہی گوارا نہیں کیا بھیا کہ ولید سیما سے نہیں حیا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور آپ سے لڑائی کر کے نوکری پر واپس چلا گیا ہے، مگر دیکھ لیں ایسی باتیں چھپتی کہاں ہیں، پہنچ ہی گئی ناں ہم تک بھی۔'' تائی کو زندگی کی بساط پر حالات کو اپنی مرضی سے ڈھالنے کے لئے ساری چالیں ازبر تھیں کہ کس وقت کس مہرے کو کیسے آگے کرنا ہے، کیسے پیچھے، اب بھی وہ یہی کر رہی تھیں، لڑکے کی ماں کا رضامندی میں فون آنا ہی تھا کہ انہوں نے فوراً اپنے بھائی بھابھی کو ہنگامی طور پر بلوایا اور اب ان کو گھیرے میں لئے بیٹھی تھیں، پھپھو تو چپ بیٹھی رہ گئیں، ہاں ان کے بھائی ضرور گربڑا گئے کہ گھر کی انتہائی ذاتی نوعیت کی بات چیت ان تک کیسے پہنچی۔

''ارے آپا! بچے ہیں ان کو کیا پتہ کیا ٹھیک ہے کیا غلط، ہو سکتا ہے ولید نے ایسی کوئی بات کر دی ہو، مگر آپ جمع خاطر رکھیں، سیما ہی ہماری بہو بنے گی، ولید کی اگلی چھٹی تک آپ شادی کی تیاری کر رکھیں۔'' بھیا نے بہن کو غصے میں دیکھ کر بات سنبھالنا چاہی۔

''رہنے دو میاں، ایسی باتیں ایسے ہی نہیں چھپتیں، کوئی نہ کوئی سر پیر ضرور ہوتا ہے ان کا بھی تو پھلتی پھولتی ہیں، ہماری ایک بچی کا حال دیکھ

بچے تم لوگ، ناکردہ گناہوں کی سزا کے طور طلاق کا داغ لگا دیا ظالموں نے، اب دوسری کو زبردستی آپ کے بیٹے کے سر نہیں منڈھ سکتی، ابھی آپ کے دباؤ میں تو وہ شادی کر لے بعد میں ساری عمر پوچھے بھی ناں تو کیا کریں گے ہم، جیتے جی مر جائیں گے، ولید اگر حیا کے لئے کہتا ہے تو وہ بھی ہماری بچی ہے ہمیں پہلے بتا دیتے تو ہم سیما کے لئے کہتے ہی کیوں، جوان بچے کو ناراض کر دیا، بڑے کی بھی پسند سے لائے تھے بیوی تو چھوٹے نے کیا گناہ کیا ہے، جلدی سے بلواؤ اسے اور بات پکی کر کے حیا کو بیاہ لے جاؤ ہمارا بھی کچھ بوجھ ہلکا ہوا، جوان بچی کی ذمہ داری بہت مشکل بات ہے، تائی نے ایسے طریقے سے ان میاں بیوی کو گھیرا کہ پھپھو تو خوشی کے بے پایاں احساس سے گھر گئیں اور تائی کے بھائی بیچارے خواہ مخواہ احساس جرم کا شکار ہو گئے، ہزاروں میل ماں باپ اور حیا سے تھا ولید اور سکول میں بچوں سے سر کھپاتی حیا کو اندازہ نہیں تھا کہ ان کی قسمت کا جو فیصلہ آسمانوں پر طے ہو چکا تھا اب زمین پر تکمیل پانے کو تھا، حیا اس سارے گورکھ دھندے سے لاعلم تھی کیونکہ مسز قریشی اپنی بہن کو جب تائی کے گھر رشتے کے لئے لے آئی تھیں اس سے اگلے ہفتے ہی ان کو بیرون ملک مقیم اپنے بچوں کے پاس جانا پڑا تھا، ان کی بہن کی اور تائی کی بعد کی ملاقاتیں ان کے بغیر ہوئی تھیں اب تو خیر سے وہ خاتون تائی سے مسلسل ٹیلی فونک رابطے میں تھیں، زبانی کلامی رشتہ بھی طے پا چکا تھا بس تائی ان کو گھر حیا کے کسی حتمی فیصلے کے بعد ہی بلانا چاہتی تھیں، سو اپنے بھائی کو حیا کے حق میں ہموار کرنے کے بعد وہ حیا کے پاس آ گئی تھیں۔''

آج فدا کا آخری پیپر تھا، سو وہ گھر پر نہیں تھا، حیا تھوڑی دیر قبل ہی سکول سے آئی تھی، فریج میں سے سالن نکال کر اس نے گرم کیا، ایک تازہ روٹی ڈالی اور چائے بننے کے لئے رکھ دی تھی۔

جب چائے مگ میں نکال کر فدا کے بارے میں سوچنے لگی، تائی کی آمد سے چونکا گئی تھی، وہ کم ہی مطلب کے بغیر اس کے کمرے میں آتی تھیں جب سے حیا نے اپنا کھانا پینا الگ کیا تھا، وہ رہی بات چیت بھی اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، اس نے تائی کو بیٹھنے کے ساتھ چائے کی بھی آفر کی تھی جس کو انہوں نے شرف قبولیت بخش دیا تھا، پھر انہوں نے شہد لہجے میں گفتگو شروع کی اس کا لب لباب یہ تھا کہ مسز قریشی اپنی بہن کے ساتھ آئی تو حیا کے لئے رشتہ کے لئے تھیں مگر ان کو سیما بہت پسند آگئی ہے سو وہ سیما کے رشتہ کے لئے بضد ہیں، دوسری طرف وہ یہ بھی سنے بیٹھی ہیں کہ ولید بھی حیا میں انٹرسٹڈ ہے تو وہ چاہتی ہیں سیما کا رشتہ مسز قریشی کی بہن کے ہاں طے پا جائے اور حیا اپنی پھپھو کے گھر بہو بن کر جائے اسی میں سب کی بہتری پوشیدہ ہے کیونکہ مرضی کے رشتے نہ کیے جائیں تو زندگی مشکل بن جاتی ہے، تائی کے اس سارے خوشدلانہ بیان کو غور سے سنا تھا حیا نے۔

''میرے لئے اب کیا حکم ہے تائی۔'' ان کے منصوبے کے اسباب اور نتائج ایک لمحے میں ہی اخذ کر لئے تھے اس نے، اگرچہ دل نے ولید کا ساتھ اچانک مل جانے کی خوشی میں لوٹنیاں لگانا شروع کر دی تھیں، مگر اس نے اپنے تاثرات نارمل ہی رکھے تھے، تائی کی لالچی فطرت سے وہ واقف تھی سو فوراً ہی جان گئی تھی کہ تائی اخوند فیملی کی امارت پر ہی ریجھ گئی ہوں گی اور انہی کی ہی کوئی چال ہو گی جس سے وہ سیما کا رشتہ وہاں کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں گی۔

''ارے حکم کیوں بچے، ہماری بچی ہو تم،

بس یہ درخواست ہے کہ سیما کے ساتھ مل کر اپنی شادی کی تیاری کرو، جلد ہی ہم تمہیں رخصت کرنا چاہتے ہیں تاکہ پھر سیما کا بھی کچھ سوچ سکیں۔''

تائی کا انداز ہی بدلا ہوا تھا اس پل، حیا کو حیرت ہو رہی تھی کہ اپنے مطلب کے لئے لوگ اتنے بھی بدل سکتے ہیں کل جو تائی ولید کو اپنی بیٹی کا نصیب کہہ کر اسے خوب سنا کے گئی تھی آج کیسے آسانی سے اسی ولید کے ساتھ اس کا نام جلد از جلد جوڑ کے بیٹی کی آگے کی راہ ہموار کرنا چاہتی تھی مگر فدا کی آمد کے باعث وہ تائی سے کچھ بھی نہ کہہ پائی، آج تو فدا سے بھی تائی کا انداز جدا تھا بولنے کا۔

''آ گیا میرا چاند، کیسا ہوا پرچہ؟ محنت کر کر کے کیسے اتنا سا منہ نکل آیا ہے بچے کا، ایسا کرو بچے منہ ہاتھ دھو لو، میں کھانا بھجواتی ہوں، بہن بھی تمہاری تھکی ہاری آئی ہے، اب کیا ہانڈی چولہا دیکھے گی اس وقت۔''

''کیا تائی کی کایا کیسے پلٹ گئی آج۔'' ان کے جانے کے بعد فدا نے حیرت سے حیا سے سوال کیا۔

''تمہاری سمجھ سے اوپر کی باتیں ہیں یہ سب، سو رہنے دو اور فریش ہو جاؤ، میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔''

''کھانا تو تائی بھجوا رہی ہیں، آپ صرف چائے بنا دیں، آج میں نے جی بھر کے سونا ہے، شاپ پر بھی شام کو نہیں جاؤں گا، کال کر کے کہہ دیا ہے۔'' وہ جوتے، جرابیں اٹھا کر باہر جاتے ہوئے بولا، حیا بھی سر ہلاتے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

''اف میرے خدا، حیا تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ آج میں کتنا خوش ہوں اور تم یقین بھی نہیں کر سکتیں کہ آج سے پہلے میں کتنا پریشان تھا، تم نے ہری جھنڈی دکھا دی تھی، اماں ابا نے منہ موڑ لیا تھا، انسان ہیں ناں تو انسان کی تو سرشت ہے آزمائش میں اکیلے چھوڑ دینا، رحمان نہیں چھوڑتا، اپنے بندے کو کسی بھی حالت میں اکیلے نہیں چھوڑتا بس ہم انسان ہی ناشکرے بے صبرے اور نافرمان ہوتے ہیں، مجھے نہیں معلوم تھا حیا کہ میں اپنے رب کو اتنا عزیز ہوں کہ اس نے چند دن بھی مجھے اذیت کی اس کیفیت میں نہیں رہنے دیا، جو تمہارے ردعمل اور امی ابا کے بائیکاٹ کے بعد مجھ کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔'' اس کی آواز بھرا گئی، حیا نے اس کی ان کیفیات کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا اس پل اور ولید اس کی تو آواز اس کا مسلسل بولنا اس کی خوشی اور شدت جذبات کو ظاہر کر رہا تھا۔

''تم لوگ سب سمجھے ہو گے کہ ممانی نے ہمیشہ کی طرح اپنا مطلب دیکھ کر پینترا بدلا اور حالات کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے حق میں ڈھال لیا، مگر کوئی بھی نہیں جانتا کہ میں انسانوں سے مایوس ہوا تھا، تخلیق کرنے والے سے نہیں، میری دعائیں تھیں اور جذبوں کی شدت تھی جس نے میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ممانی کی سوچوں کا رخ بدل دیا، اب چھٹی کی درخواست اپروو ہوتے ہی میں نے تمہیں اپنا بنا کے لے آنا ہے، مبادا کل ممانی کی سوچ بدل جائے، اماں نے جب سے مجھے خوشخبری سنائی ہے میں اڑ کر یہاں آنے کو بے تاب ہوں، اب جب سب ٹھیک ہو گیا ہے حیا تو ایک پھانس ہے دل میں گڑی، وہ نکال سکتا ہوں تمہارے سامنے۔''

''جی کہیے۔'' وہ ابھی بھی محتاط تھی۔

''اگرچہ ہمارے درمیان رسمی محبت نہیں تھی، کوئی وعدے وعید بھی نہیں مگر پھر بھی مجھے لگتا تھا

کہ تم میرے جذبوں سے بے خبر نہیں ہو بلکہ کسی حد تک میری رفاقت کی چاہ رکھتی ہو، یہ جو جذبوں کی زبان ہوتی ہے ناں محبت کرنے والے کو خود بخود سب سمجھا دیتی ہے تو مجھے بتاؤ حیا اپنے اس وجدان میں، میں کس حد تک سچا ہوں۔'' اس کے انداز میں ایک اصرار پنہاں تھا، چاہے جانے جیسے حسین احساس کی چاہ پنہاں تھی۔

''بالکل سچ کہہ رہے ہو ولید تم، تمہارا وجدان بھی ٹھیک تھا، مگر مشرقی لڑکی کبھی بھی اپنے جذبوں کو اپنے منہ سے بیان نہیں کرتی، وہ بھی مجھ جیسی لڑکی جس کے سر پر اس کی ڈھال کے لئے ماں باپ جیسا سایہ بھی نہ ہو۔''

''بس جس زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مجھ جیسے مست ملنگ بندے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اسی میں خوش ہو لیتے ہیں، شادی کی تیاری کرو اور سارے ابہام ذہن سے جھٹک دو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' ولید نے پورے خلوص سے کہا اور پھر اسے بتایا کہ اس نے کب سے اس کے بارے میں سوچنا شروع کیا، کب وہ اسے اچھی لگنے لگی، زندگی میں پہلی بار حیا نے اس کی پوری بات بغیر کسی خدشے اور خوف کی سنی تھی اور فون بند کرتے ہوئے پورے دل سے مسکرائی تھی۔

☆☆☆

ولید کی چھٹی پر آتے ہی چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا تھا، ان کی شادی پر ہی سیما اور کامران کا نکاح بھی ہو گیا تھا، رخصتی ان کی شادی کے ایک ہفتہ بعد تھی، تائی اتنا امیر داماد پا کر اتراتے نہ تھک رہی تھیں، سیما کی شادی کے ہوتے ہی ولید اسے لے سکردو آ گیا جہاں پر آج کل اس کی پوسٹنگ تھی، برف پوش پہاڑوں سے گھری وہ خوبصورت وادی حیا کو اور خوبصورت لگنے لگی تھی کہ من پسند ساتھی کا ساتھ تھا، زندگی کا سفر حسین کیوں نہ لگتا، ڈیوٹی کے بعد وہ اور ولید گھومنے نکل جاتے حسین مناظر، فلک کو چھوتے سفید پہاڑ، موسمی پھلوں سے لدے درخت، آنکھیں اور دل دونوں ہی سیر نہ ہو پا رہے تھے، ان خوبصورتیوں کو خود میں سموتے اس بار اکتوبر میں ہی موسم کی پہلی برف باری کو دیکھ کر حیا دیوانی ہو اٹھی، تواتر سے دھند میں اٹے آسمان سے گرتے ننھے ننھے روئی کے گالے، ہتھیلیاں پھیلا پھیلا کر ان کو محسوس کرتے وہ خود بھی باہر آ گئی۔

''کیا جنت کے کسی ٹکڑے کو میرے رب نے زمین پر اتار دیا ہے۔'' سر سبز درختوں کو تیزی سے ڈھانپتی برف کو دیکھ کر اس نے سوچا، تب ہی اس کی سوچوں کے ارتکاز کو توڑتی وہ بے حد حسین لڑکی چلی آئی جس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی اداسی اس کے حسن کو مزید جلا بخش رہی تھی، وہ ان کے مالک مکان کی بیٹی تھی جس نے اپنا نام فریدہ گل بتایا تھا، جس کے گھر کے حالات تو حیا کے سامنے ہی تھے کہ جب ولید ڈیوٹی پر چلا جاتا تو وہ بعض اوقات بور ہو کر ان کے گھر آ جاتی گھر کیا ایک ہی گھر کے دو حصے تو تھے جن میں سے ایک میں حیا رہائش پذیر تھی اور ایک دروازہ ہی پار کرنا پڑتا تھا، وہ اس اداس آنکھوں والی لڑکی کو ہمہ وقت اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی ناز برداری میں اور گھر کے کاموں میں مصروف نظر آتی تھی اور صرف تین دن پہلے ہی تو فرسٹ ائیر کی انگلش کی کتاب لے کر وہ اس کے پاس آئی تھی اور درخواست کی تھی کہ انگریزی کے مضمون میں وہ چونکہ کمزور ہے تو وہ اس کی مدد کر دیا کرے، اس سے پہلے وہ اپنی تعلیم میں اس کرائے دار باجی سے مدد لیتی رہی تھی جو اس سے پہلے یہاں رہائش پذیر تھے اور اب بوجہ پوسٹنگ دوسرے شہر جا بسے تھے، حیا کو اس کی تعلیم حاصل کرنے کی اس قدر لگن اور کوشش نے حیران کر دیا تھا کہ کسی قسم کی مدد، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے بغیر وہ میٹرک پاس کر کے اب فرسٹ ائیر میں تھی، حیا نے بخوشی اس کی مدد کا وعدہ کرتے ہوئے اتنی سی عمر میں اس کی اس اداسی کا سبب کیا پوچھا کہ سب کچھ بتاتے ہوئے وہ رو پڑی تھی، دلبر خان نے اس کی سوتیلی ماں کے بعد اب اس کے باپ کو بھی مٹھی میں کر لیا تھا، مالی مدد کے ساتھ ساتھ اب وہ ان کی گھر کی بہت سی ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے تھا، اپنی جوئے اور نشے جیسی سرگرمیوں کو اب اس نے کھلے عام ترک کر دیا تھا، اس وقت اس کی شادی میں اگر رکاوٹ تھی تو صرف مورے اپنے اس آرام سے اتنی جلدی ہاتھ نہیں دھونا چاہتی تھی جو اسے فریدہ گل کی صورت میں مفت میں ملا ہوا تھا، دلبر خان بھی اس کا بھائی تھا اس نے ضد کی تھی کہ ابھی صرف نکاح کر دیا جائے رخصتی ایک آدھ سال تک ہو جائے گی، فریدہ کے ماں باپ بخوشی مان گئے تھے اور ابھی پچھلے ہفتے ہی فریدہ گل کا نام دلبر خان کے نام سے جڑ گیا تھا، فریدہ گل نے تو دلبر خان کے ڈر سے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا، بغیر کسی حق کے وہ اتنی جرأتیں دکھا جاتا تھا تو اب جب اس کا مجازی خدا تھا تو نجانے کیا رنگ دکھانے والا تھا، سو گھر کے سارے کام ویسے ہی کرتی مگر فروٹ لے جا کر فروخت کرنے اور ڈوز کو چرانے کا کام اس نے چھوڑ دیا تھا، مورے لاکھ کہتی رہ جاتی وہ ان سنی کیے رہتی، اور ایک دن تنگ آ کر کتابیں لے کر حیا کی طرف نکل آئی تھی اور حیا چونکہ پہلی باجی سے بھی زیادہ اچھی تھی سو وہ اب موزانہ ہی جب ولید ڈیوٹی پر ہوتا اسے باہر جاتے دیکھ کر کتاب لے کر حیا کی طرف آ جاتی، سو نکاح کے بعد دلبر خان فریدہ گل سے اکیلے ملاقات کا خواہاں تھا مگر اس کی احتیاط پسندی نے فی الحال اسے دلبر خان سے کسی بھی ٹاکرے سے بچا رکھا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا کہہ رہی ہیں تائی جان، میں مانتا ہوں کہ آپ میری ماں کی جگہ پر ہیں مگر اتنی غیر مناسب تجویز پتہ نہیں آئی کیسے آپ کے ذہن میں، ریما کا طلاق یافتہ ہونا ہی ایک وجہ نہیں ہے، میرے انکار کی، میرے لئے اس گھر کی تمام لڑکیوں کے لئے ایک ہی سوچ تھی اور ہے کہ وہ میری بہنیں ہیں حیا کی طرح، وہ مجھ سے پانچ سال بڑی ہیں، یہ بھی بھلا دیا جائے تو اتنے عرصہ سے جو رشتہ میں نے دل اور دماغ میں بنائے رکھا ہے اسے ختم کرنا ناممکن ہے میرے لئے۔''

فدا کو کل ہی ایک نجی کمپنی میں جاب کی آفر آئی تھی، ایک ہفتے کے اندر اندر جوائن کرنا تھا، اس نے گھر آ کر یہ خبر تائی تایا کو سنانے کے بعد فون پر حیا کو سنائی تھی، وہ تو خوشی کے مارے رو ہی پڑی تھی، جان سے عزیز بھائی کے کیریئر کی پہلی سیڑھی پر وہ اس کے پاس نہیں تھی جس کے لئے ان دونوں بہن بھائیوں نے بہت محنت کی تھی، بہت قربانیاں دی تھیں، اب بھی اسے فدا کی بے حد فکر تھی وہ اتنا خود دار تھا کہ تائی کا احسان اسے گوارا ہی نہیں تھا سو مسلسل باہر کے ہی کھانے کھا رہا تھا اور پارٹ ٹائم جاب بھی ویسے کی ویسے ہی جاری رکھی تھی، حیا اب اس کی جاب کے ملتے ہی اس کی شادی کی خواہاں تھی کہ فدا کی مستقل فکر اسے اپنی ازدواجی زندگی کو بھرپور طریقے سے محسوس کرنے ہی نہیں دے رہی تھی، وہ فون پر اسے مبارکباد دیتے ہوئے آبدیدہ ہو گئی تھی۔

''اس دن کے لئے میں نے بہت انتظار کیا، بہت دعائیں کی ہیں فدا! بس ولید کی چھٹی

ملتے ہی میں نے آکر اپنی پیاری سی بھابھی تلاش کرکے اپنے شہزادے کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔" وہ ہنستے روتے ہوئے بولی، فدا اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔

"حیا! آپ بھول گئیں کہ ہاتھ پیلے لڑکیوں کے ہوتے ہیں، لڑکوں کے نہیں۔"

"تم غلط محاورے کا کہہ رہے ہو، میرا تو وہ حال ہے خوشی کے مارے کہ بول کچھ کچھ رہی ہوں اور زبان سے کچھ ادا ہو رہا ہے۔" خوشی کی وجہ سے حیا کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے فدا، جوائن تو تم نے نیکسٹ ویک سے کرنا ہے ناں تو میرے پاس کیوں نہیں آجاتے، آج ہی..... آج ہی تیاری پکڑو اور پہنچو میرے پاس۔" اس کے جوش سے بولنے کی وجہ سے فدا نے مسکرا کر اثبات کا عندیہ دیا اور ابھی موبائل بند کرکے بستر پر دراز ہوا ہی تھا کہ تائی چائے لے کر آگئی تھیں اور آتے ہی شہد آگیں لہجے میں ریما کے لئے شادی کی بات کی تھی کیونکہ طلاق ہو جانے کے بعد وہ مختلف نفسیاتی عوارض کا شکار ہو گئی تھی، مگر فدا نے صاف انکار کر دیا تھا اور تائی کے جاتے ہی اس نے ایک چھوٹے سے بیگ میں اپنے دو سوٹ، موبائل کا چارجر ایک دو ضرورت کی چیزیں رکھیں اور برآمدے میں کسی سوچ میں گم بیٹھی ریما کو بتا کر باہر آگیا کہ تائی کو بتا دیں وہ چند دن کے لئے حیا کے پاس جا رہا ہے۔

موسم کی خرابی کے باعث فلائٹ تو کہاں ہی ملنی تھی اسے بس پر ہی سفر کیا تھا اس نے جس نے اس کا انجر پنجر ہلا کر رکھ دیا تھا، مسلسل تیس گھنٹے کا سفر کرکے وہ اسکردو پہنچا تھا، بے حد تھکا ہونے کے باوجود اس علاقے کی بے تحاشا خوبصورتی نے اسے مبہوت کر دیا تھا۔

پتھروں کی چھوٹی چھوٹی دیواروں سے وہ خوبصورت گھر جو اطراف سے سفید برف میں گھرے ہوئے تھے جبکہ درمیان میں سے آمد و رفت کا راستہ صاف تھا مگر ہلکا گیلا تھا، اکتوبر میں بلا کی سردی تھی تو آگے نجانے سردی کی شدت کیا رنگ دکھانے والی تھی، ولید نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور حیا کی سمجھداری کو دل میں سراہا جس نے اسے سردی کی نوعیت سے آگاہ کرتے ہوئے وہاں کی سردی کے حوالے سے گرم کپڑے لے آنے کو کہا تھا، ورنہ تب تو وہ اس کی بات سن کر ہنس دیا تھا۔

"خدا کا خوف کرو حیا! مارچ سے آنے والی گرمی اب اکتوبر میں بھی بڑے مزے سے براجمان ہے یہاں اور تم کوٹ شال اور جیکٹس کا ذکر کر رہی ہو۔" اس نے حیا کی بات کو ہنسی میں اڑانا چاہا تھا مگر اس نے سختی سے تاکید کی تھی سردی کے لوازمات رکھنے کی سو اس نے ایک گرم جیکٹ رکھ لی تھی، محدود سا علاقہ تھا، سو فوراً ہی وہ گھر مل گیا تھا، درختوں میں گھرا وہ چھوٹا سا ایک خوبصورت پورشن تھا کسی گھر کا، اندازے سے وہ آگے آیا کیونکہ کھٹر پٹر کی آوازیں اسی چھوٹے سے گھر سے آرہی تھیں۔

"ہیلو حیا! جلدی سے کڑک چائے بلوائیں، آپ کا شہزادہ ہزاروں میل کا سفر کرکے آپ کے پاس پہنچ چکا ہے۔" اس کی جوش آواز پر حیا کے لئے چائے کپ میں ڈالتی فریدہ گل کا ہاتھ لرزا اور کپ زمین بوس ہو گیا، اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ تو کبھی ولید بھائی نے بھی نہیں کیا تھا اور وہ تو تھا ہی اجنبی اس کے لئے، جبکہ وہ خود حیران پریشان کھڑا اس حسینہ کو سر جھکائے لرزتے ہوئے دیکھ رہا تھا، ایک لمحہ کے لئے اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں وہ کسی غلط گھر

میں تو نہیں آگیا مگر ذہن میں بیرونی دروازے پر لگی کیپٹن ڈاکٹر ولید کی نیم پلیٹ اس نے خود دیکھی تھی۔

"وہ سوری..... آپ کون ہیں؟ حیا کہاں ہے؟ یہ ولید کا گھر ہے ناں، ڈاکٹر ولید کا۔" اس نے کھنکھار کر پوچھا، فریدہ گل نے تیزی سے سر ہلایا۔

"ارے فدا، میری جان، میرا بچہ، کب آئے تم۔" حیا کی پرجوش آواز پر فدا تیزی سے مڑا اور بہن کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی، جواب اس سے لپٹ کر دھواں دھار رو رہی تھی، فدا کی اپنی آنکھیں بھی بھر آئیں، صرف دو سال ہی بڑی تھی وہ اس سے مگر ابا اماں کے مرنے کے بعد اس نے ان دونوں کی جگہ سنبھال لی تھی فدا کے لئے، ماں بن کر محبتیں لٹاتی نہ تھکتی تو باپ کی سی شفقت اور معاشی مسائل کا حل بھی اسی نے ڈھونڈا تھا اس کے لئے، اب شادی کے بعد پہلی بار اس سے مل رہی تھی، بہت دیر بعد حیا کو خیال آیا کہ وہ مسلسل سفر کرکے تھکا ہوا آیا ہے اور وہ رو کر پریشان کر رہی ہے تو آنسو پونچھتے ہوئے اس سے الگ ہوئی اور فریدہ کو چائے بنانے کا کہہ کر اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی، بہن بھائیوں کی محبت کے اظہار کے وہ اتنے خالص اور خوبصورت لمحات تھے جو فریدہ کے دل و دماغ پر نقش ہو گئے تھے اس نے بھلا کب دیکھی تھی رشتوں میں ایسی محبت اور اظہار، سو آنسو صاف کرتی دوبارہ سے چولہے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

"کیا کہہ رہی ہو ریما میری بچی، ایک ماہ ہو گیا تمہاری شادی کو، تم نے فون پر سب اچھا ہے کی رپورٹ دی، میں خوش ہوں، جیسے گانے گا کر ہمیں مطمئن کر دیا، وہ بار تو ہم سب ملنے آئے تم سے مگر گھر پر موجود نوکروں نے بتایا کہ ملک سے باہر گئے ہیں، تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا، کیوں نہیں وہ گھر چھوڑ کر چلی آئیں؟"

"کیا کرتی گھر چھوڑ کر اماں، قسمت کا لکھا تو یہی رہنا تھا۔" وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ کھوجتے ہوئے بولی، شادی کے بعد وہ پہلی بار میکے آئی تھی، ولیمے کے اگلے روز ہی وہ لوگ گھومنے پھرنے نکل گئے تھے، تائی اپنے آپ کو بروقت اقدام پر شاباش دیتے نہ تھکتی تھیں سیما کی شادی کے بعد، اب صرف ریما کو ہی ٹھکانے لگانا تھا، اس کی بھی منصوبہ بندی کر لی تھی انہوں نے کہ اچانک سیما کی آمد نے گھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی، مگر اس کا بجھا بجھا انداز اور بے رونق چہرہ تائی کی تشویش کو بڑھا گیا، بمشکل تایا کے باہر جانے کا انتظار کیا تھا انہوں نے اور کریدنے پر جو کچھ سیما نے ان کو بتایا تھا، اسے سن کر ان کے ہوش اڑ گئے تھے، اس کی سسرالی فیملی واقعی بے حد امیر تھی، جس پر ریجھ کر تائی نے سیما کو بیاہا تھا وہاں، کامران بھی خوبصورت اور اکلوتا وارث تھا مگر وہ شیزوفرینیا کا مریض تھا جس کو عرصہ دراز سے اس موذی بیماری نے اپنے جال میں پھنسا رکھا تھا، اس کی ساس کو کسی نے مشورہ دیا تھا کہ اس کی شادی کر دی جائے ہو سکتا ہے اس کی ذہنی حالت پر اچھے اثرات مرتب ہوں، اگرچہ ڈاکٹرز نے ان کو اس امر سے منع کیا تھا، مگر وہ بضد تھیں کہ کامران ان کی اکلوتی اولاد تھا، ان کی اتنی بڑی جائیداد کا اکلوتا وارث، وہ اپنی دولت کے لئے وارث چاہتی تھیں کیا کمی تھی ان کے گھر میں، کسی بھی گھر کی لڑکی با آسانی راضی ہو جاتی، اتنے عیش و آرام کے ساتھ اگر شوہر کا کبھی کبھار ناروا سلوک برداشت کرنا پڑتا تو اس میں کوئی قباحت نہیں تھی، اس سے زیادہ برے حالات میں تو وہ

عورتیں بھی گزارا کرتی تھیں جن کے شوہر ذہنی مریض نہیں تھے پھر بھی بے حد برا سلوک روا رکھتے تھے، اپنی بیویوں کے ساتھ، بس اس سوچ کے ذہن میں آتے ہی انہوں نے ایسی لڑکی کی تلاش شروع کی جو ایک تو غریب گھر سے بھی پھر اس کے ساتھ زیادتی کی صورت میں اس کی پشت پر کھڑا ہونے والا کوئی نہ ہو، قرعہ فال حیا کے نام نکلا تھا جو ان کی بہن کے سکول میں ٹیچر تھی، سفید پوش لوگ تھے، ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں تھا، پھر وہ تھی بھی کم گو اور سادہ، اس کی دھیان انہیں ان کی بہن نے دلایا تھا اور حیا کے بارے میں ساری معلومات بھی فراہم کی تھیں، ابتدائی بات چیت کے بعد جب حیا کی تائی ان کے گھر آئی تھی تو اس نے خود ہی اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کر دیا تھا حیا کے پہلے سے طے شدہ رشتے کی بابت بتا کر، ان کی زیرک نگاہوں نے تائی کے لالچ کو بھانپ لیا تھا اور جب لڑکی سے ملیں تو وہ بھی اپنی ماں سے مختلف نہ تھی، دولت بھلا جتنی بھی خرچ کرنی پڑتی، پاگل بیٹے کے لئے صحیح سلامت بہو مل جاتی، یہ سودا مہنگا نہ تھا، سو انہوں نے رشتہ طے ہوتے ہی لڑکی اور اس کی ماں کے لئے تحائف کا ڈھیر لگا دیا تھا جو کہ سونے کے زیورات اور قیمتی اشیاء پر مشتمل تھا بس پھر کیا تھا دنوں میں ہی سیما کو بہو بنا کر لے آئی تھیں، سیما پر کامران کی اصل حقیقت شادی کے ایک ہفتہ اور کھلی تھی جب وہ لوگ ملک سے باہر ہنی مون کی غرض سے آئے تھے اس کی ساس بھی ہمراہ تھیں جب ایک رات کامران نے اٹھ کر اسے مارنا شروع کر دیا تھا کہ وہ اسے قتل کرنے کے ارادے سے اس گھر میں گھسی ہے وہ اسے مار دے گا، خوف کے مارے سیما کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں، گہری نیند سے اٹھ کر ایسی افتاد کا آن پڑنا اس نے بمشکل اس کے ہاتھوں کے شکنجے سے اپنی گردن چھڑائی اور بمشکل بھاگتی ہوئی اپنی ساس کے کمرے کو جا کر بے دردی سے دروازہ پیٹ ڈالا تھا، وہ حواس باختہ سی کمرے میں آئی تھیں، سیما تو مارے خوف کے کمرے میں جا ہی نہ سکی تھی ہوٹل کے ٹھنڈے یخ بستہ کوریڈور میں کھڑی روتی رہی تھی، آدھے گھنٹے بعد جب اس کی ساس بصد اصرار کمرے میں لے گئی تھیں تو وہ گہری نیند سو رہا تھا، انہوں نے نظریں چراتے ہوئے اسے اس کی بیماری کے متعلق آگاہ کیا تھا، سیما خوب چیخی چلائی تھی، ان کو برا بھلا کہا تھا، گھر چھوڑنے اور طلاق لینے کی دھمکی تک دے ڈالی تھی، مگر اس کی ساس نے جو کچھ اس سے کہا تھا اس نے اس کی بولتی بند کر دی تھی۔

"اتنی بھولی اور بے وقوف نہیں تھی تمہاری ماں جو یہ نہ سمجھ سکتی کہ اتنے زیادہ معاشی اور طبقاتی فرق کے باوجود بھی ہم بخوشی تمہارا رشتہ لے رہے ہیں اور شادی سے پہلے یہ لاکھوں تم پر لٹا رہے ہیں تو کوئی تو وجہ ہوگی ناں، مگر نہیں، تم لوگوں نے پوچھنا تو ایک طرف اس بارے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کیا کہ تم لوگوں کو دولت سے غرض تھی اور مجھے اپنے بیٹے کے لئے بیوی کی، سو اس معاملے میں جتنی میں قصوروار ہوں تم لوگ بھی اتنے ہی ہو۔" ٹھنڈے لہجے میں کہی گئی باتیں سیما پر جیسے ٹھنڈا پانی انڈیل گئیں۔

"بخوشی طلاق لے کے جا سکتی ہو مگر سوچ لو کہ ایک بہن تمہارے گھر میں پہلے ہی طلاق یافتہ موجود ہے، زمانہ تم لوگوں کو ہی برا کہے گا، تم لوگوں کی طرف ہی انگلی اٹھے گی، یہاں تمہیں کیا کمی نہیں ہے، ایسے لائف کا تم نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا جو تمہیں یہاں میسر ہے، پرس نوٹوں سے بھرا رہتا ہے، اعلیٰ ڈریسز سے وارڈ

روب بھری ہوئی ہیں، گاڑی بمعہ ڈرائیور تمہیں میسر ہے، پھر کامران ہر وقت اور ہمیشہ ایسے نہیں ہوتا، ایک ماہ ہو گیا تمہاری شادی کو کبھی تمہیں لگا کہ وہ ذہنی طور پر بیمار ہے، وہ ریکور کر رہا ہے، ہو سکتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بیماری دم توڑ جائے، بس کچھ احتیاطی تدابیر ہوں گی جن پر عمل کرو گی تو وہ تم سے ایسا بی ہیو نہیں کرے گا، فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ، یہ صبح تک سویا رہے گا، صبح اٹھے گا تو فریش ہوگا۔" انہوں نے ہر چیز واضح اور کھل کر بتائی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، بس ایک جھوٹ بولا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ ٹھیک ہو جائے گا باقی سب سچ اور ان سے جڑے حقائق اس کی سماعتوں میں انڈیل کر چلی گئی تھیں، وہ رات اس نے ڈر ڈر کے جاگتے گزاری تھی، مگر واقعی صبح جب وہ اٹھا تو بالکل فریش تھا رات والی بات یا واقعے کا شائبہ تک نہ ملا تھا اس کے چہرے یا لہجے پر، اس کے بعد صرف ایک دفعہ پھر اسے دورہ پڑا تھا مگر اس پر حملہ ہونے سے پہلے ہی اس کی ساس نے اسے ایک انجکشن لگا کر بے سدھ کر دیا تھا، ان دو دوروں کا درمیانی دورانیہ پندرہ سے سترہ دن تک تھا، باقی واقعی اس ساس کے کہنے کے مطابق انہوں نے پاکستان واپس آ کر اسے اس گھر والوں کے لئے الگ خریداری کروائی تھی وہاں سے بھی بہت کچھ لائے تھے، صرف چند دن لگے اسے اس حقیقت کو سمجھنے اور قبول کرنے میں کہ واقعی صرف ایک کمی سے ہی تو نگاہ چرانی تھی اسے اور گھر پر تو باقاعدہ ایک میل نرس کا بندوبست بھی کر رکھا تھا جو اسے دورے کی حالت میں سنبھالتا تھا اور ڈاکٹر کی ایڈوائز کے مطابق دورے کی کیفیت جانچ کر فوری ٹریٹمنٹ بھی دیتا تھا جیسے اگر دورے کی کیفیت ہلکی نوعیت کی ہوتی تو وہ اسے باتوں سے بہلا کر دوائی کھلا دیا کرتا تھا، شدید کیفیت میں اسے انجکشن دینا پڑتا اور یہ کیفیت مہینے میں ایک آدھ بار ہوتی جبکہ عمومی طور پر اسے بچوں کی طرح بہلا کر باتوں میں لگایا جا سکتا تھا، بیماری سے قطع نظر وہ ایک اچھا محبت کرنے والا انسان تھا وہ اپنی بیماری کو شکست دے کر جینا چاہتا تھا مگر نارمل حالات میں کیے گئے سب وعدے اسے دورے کی حالت میں بھول جاتے اور وہ کئی بار کئی ملازموں کو زخمی کر چکا تھا، سیما نے ڈیڑھ ماہ کے اس عرصہ میں زندگی کی بہترین سے بہترین آسائشات کو اتنے قریب سے دیکھا اور برتا تھا کہ اب وہ باقی کی عمر بھی ایسے ہی گزارنا چاہتی تھی پھر اس کی ساس نے اسے تسلی دلائی تھی کہ ڈاکٹرز کے کہنے کے مطابق کامران کچھ عرصہ تک ایک نارمل زندگی بسر کر سکے گا، سو اب جب اس نے تائی کو کامران کی بیماری کے متعلق بتایا تو انہوں نے اس کی ساس کو خوب برا کہا اور فوراً ہی طلاق دینے کی بات کی تھی مگر جب سیما نے ان کی تسلی کرائی اور اپنی شاہانہ زندگی کو کھول کر بیان کیا تب وہ چپ تو ہو گئی تھیں تاہم موڈ پھر بھی بگڑا ہوا ہی تھا ان کا۔

☆☆☆

رات دیر تک ولید وہ اور حیا جاگ کر باتیں کرتے رہے تھے پھر بھی اس کی آنکھ اپنے مخصوص وقت پر ہی کھلی تھی، نماز گھر پر ہی ادا کی اس نے کہ مسجد کا صحیح اندازہ نہیں تھا کہ کہاں اور کس طرف ہوگی، سو نماز ادا کرنے کے ساتھ ہی حیا کو بتا کر باہر نکل آیا۔

اف اتنا خوبصورت اور دل موہ لینے والے نظارہ اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا، آسمان سے زمین تک ہر منظر نے سفید برف کا

پیرہن اوڑھ کر ایک جادوئی سماں باندھ لیا تھا، حیرت انگیز طور پر سردی کی شدت کم تھی وہ ڈھلان پر آرام آرام سے پاؤں جماتا نیچے اترنے لگا، جب اس کی سماعتوں نے ایک ناخوشگوار سا شور سنا تھا، دفعتاً ایک لڑکی آ کر زور سے اس سے ٹکرائی اور نیچے گر گئی، ابھی فدا اس افتاد کو سمجھنے نہ پایا تھا کہ اس نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو ہانپتے کانپتے نیچے اترتے دیکھا، اس آدمی کو دیکھ کر اس لڑکی کے چہرے پر ہراس پھیل گیا مگر وہ گھٹنے پر چوٹ کے باعث اٹھ نہیں پا رہی تھی، دوسری بار بھی اس لڑکی سے اس کا ٹکراؤ عجیب سا تھا، اس آدمی نے جب نیچے پڑی لڑکی کو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹ شروع کیا تب فدا ہوش میں آیا۔

"ارے ارے جناب! کیا کر رہے ہیں؟ کون ہیں یہ لوگ اور کیوں آپ ان کو ایسے کھینچے جا رہے ہیں، جبکہ وہ زخمی بھی ہیں۔" اس شخص کے رویے نے اس کو کوفت میں مبتلا کیا تو لہجے میں ہلکی سی ناراضی در آئی تھی۔

"جاؤ مارا! اپنا کام کرو، ہمارا بیوی ہے یہ خانہ خراب کی بچی، تم کون ہوتا ہے ہمارے بیچ بولنے والا۔" فدا کو ڈانٹ کر وہ نیچے پڑی فریدہ گل کو پھر سے کھینچنے لگا۔

"صاحب مجھے بچا لو، اس ظالم آدمی سے، ہمارے بابا نے نکاح ضرور کیا ہے ہمارا مگر ابھی شادی نہیں ہوا ہماری، ہمیں ہمارے بابا کے پاس لے چلو خدا کے لئے، ہم اس کی ساری بدمعاشی اس کو بتائے گا۔" وہ زور زور سے روتے ہوئے بولی، فدا کو تو اس لڑکی کی بات سن کر اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا بلکہ اچھا خاصا دکھ ہوا تھا اس کو نجانے کس جھونک میں آ کر اس نے اس تنومند شخص کو پیچھے دھکیلا۔

"دیکھو مسٹر، چھوڑ دو اسے، اور اس کو اس کے گھر جانے دو، وہ پھر چاہے اس کے والد اسے تمہارے ساتھ بھیج دیں میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا مگر اس وقت میں تمہیں ان کو لے جانے نہیں دے سکتا۔" اس کے مضبوط لہجے نے دلبر خان کو اور غصہ دلا دیا، اتنے دن بعد تو وہ گھر سے باہر اسے اکیلی نظر آئی تھی اب ہاتھ آیا شکار کون جانے دیتا ہے، سو نیفے میں اڑسا خنجر نکال لیا، جسے دیکھ کر فریدہ تو زرد پڑ گئی اور روتے ہوئے زور زور سے اسے اس امر سے باز رکھنے کو کہنے لگی پھر بیٹھے بیٹھے مڑ کر فدا سے کہا کہ وہ واپس چلا جائے وہ خود اس سے نپٹ لے گی مگر فدا کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ ایک مجبور، بے بس لڑکی کو اس ظالم شخص کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے جس کے نجانے کیا مقاصد تھے اور لڑکی بھی وہ جو اسے پہلی نظر میں بہت اچھی لگی تھی، دل پر اس کے نکاح کی خبر نے اچھی خاصی قیامت ڈھائی تھی اوپر سے وہ بیہودہ شخص جو حرکتیں کر رہا تھا اس نے اسے اچھا خاصا تاؤ دلایا اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کے ہاتھ سے خنجر لینا چاہا، دلبر خان ہرگز اس کی طرف سے غافل نہیں تھا سو جھکائی دیتے ہوئے الٹا خنجر کا وار کر دیا، بازو پر تیز دھار خنجر لگنے سے ایک کراہ سی فدا کے منہ سے نکلی۔

"تمہارا بیڑہ غرق دلبر خان، تم نے مہمان کو زخمی کر دیا بے غیرت انسان۔" فریدہ گل چیخ پڑی، دفعتاً پہاڑی پر سے دو آدمی نمودار ہوتے تو دلبر خان کو لگا کہ اسے اب یہاں سے جانا چاہیے کیونکہ اسے فریدہ گل مطلوب تھی وہ مفت کا خون خرابا نہیں چاہتا تھا، سو خنجر کو دوبارہ نیفے میں اڑس وہ ان دونوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھتا نیچے کھوہ میں ہی غائب ہو گیا۔

☆☆☆

"اف میرے خدا! یہ کیا کر دیا، تمہیں کیا ضرورت تھی فدا پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی، فریدہ گل مانے یا نہ مانے اب اس کی بیوی ہے، اصل چیز تو نکاح ہے ناں جو کہ ہو چکا ہے، رخصتی تو اس کی ماں نے اپنے مطلب کے لئے روک رکھی ہے کہ مفت کی ملازمہ سے اتنی جلدی ہاتھ نہیں دھونا چاہتی۔" حیا اس کے بازو کو پائیوڈین سے صاف کرتی ڈانٹ رہی تھی۔

"مگر میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا کہ کوئی میری مدد مانگے اور میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ کے آ جاؤں، آپ فکر نہ کریں حیا، جیکٹ تھی اوپر اس لئے زخم ہلکا ہے، ٹھیک ہو جائے گا، مجھے لگتا ہے کہ آپ کو اس لڑکی کی خبر گیری کو جانا چاہیے، آخر کو آپ کی سٹوڈنٹ بھی ہے اور مالک مکان بھی۔" وہ بے چین سا ہو کے بولا تھا۔

"جس گاؤں جانا نہیں اس کے کوس کیا گننا، وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے، تم نے اس کی مدد کر کے تم نے اس کی مشکلات کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے فدا، یہاں زندگی قطعاً ہماری شہری زندگی سے مختلف ہے، تمہاری ذرا سی مدد کو نجانے کیا رنگ دیا جائے گا، تم آرام کرو، میں جاؤں گی وہاں، وہ بہت غلط اور خطرناک آدمی ہے دلبر خان، فریدہ کی ماں کی آنکھوں پر تو بھائی کی محبت کی پٹی بندھی ہے مگر اس کا باپ نجانے کیوں سب جان کر بھی اندھا بن گیا ہے۔" وہ اسے مختصر سا فریدہ کے بارے میں بتا کر کمرے سے جا چکی تھی مگر فدا کے دل میں اس کے حالات سن کر تفکر سے جاگا تھا، وہ لیٹنے کی بجائے اٹھ کر بیٹھ گیا اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا، حیا گئی تھی فریدہ کے گھر، ساری بات سن کر اس کی سوتیلی ماں نے فریدہ کو خوب مارا تھا اور اس کے باپ نے بھی برا بھلا کہا تھا، دلبر خان نے اپنا جرم چھپانے کے لئے پوری بستی میں پھیلا دیا تھا کہ اس کی بیوی کا شہری لڑکے سے چکر چل رہا تھا، اس نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اور مزاحمت پر نوجوان کو زخمی کیا تھا کیونکہ اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ اس کی بیوی ایسے کسی غیر کے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھرے، پھر اسے خوف تھا وہ ڈاکٹر صاحب کا رشتے دار تھا، جو فوج میں تھے تو اسے سزا دلوا سکتے تھے سو اس نے ایک کہانی تیار کر کے سب کو سنا دی تھی اور اب فریدہ گل کے والدین پر دباؤ ڈالا تھا کہ اپنی بچی کی رخصتی جلد کریں ورنہ وہ پنچائیت بلوا کر فیصلہ کروا کے اپنی بیوی کو لے جائے گا، باہر تو بہت معمولی چوٹ آئی تھی اسے گھٹنے پر، مگر اب جب حیا نے اسے دیکھا تو اس کے جسم اور چہرے پر جا بجا نیل پڑے ہوئے تھے۔

"دیکھو بی بی! تم ہمارے کرایہ دار ضرور ہو مگر ہم نے اپنی عزت نہیں بیچ دی تم لوگوں کو، ہم پہاڑی لوگ عزت اور غیرت کے لئے جان دینا بھی جانتے ہیں اور لینا بھی، اپنے رشتہ دار کو واپس شہر بھیج دو اور اس سے کہو ہمارے معاملوں میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔" فریدہ گل کی ماں نے حیا سے کہا تھا، وہ لاکھ صفائیاں دیتی رہ گئی کہ اس کے بھائی کو ابھی آئے بمشکل چوبیس گھنٹے ہی ہوئے تھے اس نے پہلی بار ہی فریدہ گل کو مشکل میں دیکھا کہ ایک لڑکی کو کوئی ہراساں کر رہا ہے تو اس نے اخلاقی تقاضے کے تحت اس کی مدد کی، وہ تو جانتا بھی نہیں تھا کہ وہ دونوں کون ہیں، مگر فریدہ گل کی ماں نے اس کی ایک نہ سنی بھی حالانکہ اس سے قبل وہ حیا سے بہت اچھے طریقے سے بات کرتی تھی کیونکہ حیا کے گھر میں کھانے پینے سے لے کر راشن میں بھی جو چیز اضافی ہوتی وہ فراخدلی سے ان کے گھر بھجوا دیا کرتی تھی کیونکہ ان دو لوگوں کے لئے وہ تمام

ضرورت سے زیادہ ہوتا تھا، فریدہ گل نے ہی اس سے التجاء کی تھی کہ وہ خاموشی سے واپس چلی جائے کیونکہ وہ لوگ اپنے مطلب کے لئے کچھ بھی کر دینے والے لوگ تھے جن کے نزدیک نہ رشتے اہمیت رکھتے تھے اور نہ احساس۔

☆☆☆

"اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم لوگ ابھی تک ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھے ہو، اس لفنگے نے اچھا خاصا زخمی کر دیا فدا کو، مجھے ایک فون کال ہی کر دی ہوتی، اگر جو زیادہ نقصان ہو جاتا تو۔" ولید تو شام کی ڈیوٹی سے آ کر غصے سے پھٹ پڑا جب یہ ساری صورتحال سنی، فوراً ہی فون اٹھا کر اپنے دوست کو کال کرنے لگا، یہ پوچھنے کہ اس قسم کے کیس میں پولیس سے کیسے کانٹیکٹ کیا جائے کیونکہ اس کی حال ہی میں پوسٹنگ ہوئی تھی اس کی تو اپنی ڈیوٹی کے علاوہ کسی اور طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا، پھر یہ تھا بھی ایک ایسا علاقہ جہاں کے مقامی لوگ عام طور پر اپنے معاملات پنچائیت میں ہی سلجھا لیا کرتے تھے کہ عرصہ دراز سے قبیلہ سسٹم ہی رائج تھا یہاں، مگر اس کی بات شروع کرنے سے پہلے ہی حیا نے اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"چھوڑیں رہنے دیں آپ، میرے بھائی کی جان بچ گئی، وہی کافی ہے، دیکھا نہیں آپ نے فریدہ بتاتی ہے کہ ایسے معاملوں میں لڑکا لڑکی دونوں کو کاری کر دیا جاتا ہے، اللہ نہ کرے جو یہ معاملہ بڑھے، یہ تو ہم جانتے ہیں ناں کہ ہمارا بچہ بے قصور ہے، یہاں کے لوگ تو وہی سنیں گے جو انہیں بتایا جائے گا، میرا پہلے فدا کو ایک ہفتہ پورا یہاں روکنے کا ارادہ تھا، مگر اب میں اسے کل ہی واپس بھیج رہی ہوں، مجھے اس کی جان سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہے۔" وہ جذباتی ہو کر بولی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو، جو خود بھی معمولی بات سے ڈر گئی ہو اور اسے بھی ڈرا رہی ہو، گھومنے آیا ہے بچہ، گھومنے دو اسے، بیٹھنے دو پنچائیت، ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہنی ہوئیں، دلبر خان کو بھی سب جانتے ہیں یہاں، ایک نمبر کا آوارہ، نشئی اور جواری بندہ ہے، اسے فدا سے کوئی پرخاش نہیں ہے فریدہ سے مطلب ہے بس وہ فدا درمیان میں آ گیا تھا بس۔" اب یونہی اس ڈر خوف والے لیکچر سنتے پڑیں گے یا کچھ کھانے پینے کا بندوبست بھی ہے۔" ولید نے قصداً اپنا لہجہ خوشگوار بنایا۔

"بلکہ کل کے لئے گاڑی کا ارینج کر لیا ہے میں نے، فدا کو شنگریلا کی سیر کراتے ہیں، اب آیا ہے تو خدا کی جنت کا زمین پر عکس دیکھ کے جائے ناں۔" ولید نے مسکراتے ہوئے فدا کا کندھا تھپکا۔

☆☆☆

حیا اور ولید کے ساتھ بہت خوبصورت وقت اور جنت کی مانند وہ نظارے بھی اس کے دل پر پڑے بوجھ کو کم نہ کر سکے تھے، فریدہ گل کی معصوم صورت نے اس کے دل پر ایسا شب خون مارا تھا کہ وہ اس کے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ کر پایا تھا، پھر اس کے نکاح کی خبر نے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے تھے جب دلبر خان سے اس کی نسبت کا پتہ چلا تھا ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بھی اس بے جوڑ شادی کے لئے ہرگز راضی نہیں تھی، بجھے دل سے ہی سہی اس نے اپنی جاب کا آغاز کر دیا تھا، اس سے فون پر رابطہ تھا اس کا، پھر ایک دن اس نے بتایا تھا کہ فریدہ گل کی شادی ہو رہی تھی، اگلی بات سنے بغیر اس نے ڈھیلے ہاتھوں سے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

"بات سنو میری تو غور سے ریما، ماں باپ کسی کے پاس سدا نہیں رہ جاتے، سیما کا جیسا تیسا سہی اپنا گھر تو ہے ناں، اچھی خاصی جائیداد بھی اس کے پاس ہے اور اللہ کے کرم سے وہ اب ماں بھی بننے والی ہے، جبکہ تمہارے پاس ایسا کچھ بھی نہیں جس کے سہارے تم زندگی گزار سکو۔" انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا، ریما نے شاکی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ کو معلوم بھی ہے کہ میں ماں نہیں بن سکتی امی پھر بھی بار بار میری اسی محرومی کا ذکر کر کے میرے زخموں کو کرید ڈالتی ہیں اور میرا گھر بھی اسی وجہ سے ٹوٹا، میں نے تو حسن کو اجازت دی تھی کہ وہ چاہے تو دوسری شادی کر لے مگر اس نے میری ایک نہ سنی، اس کی ماں نے کہا نہ تو میرے بیٹے کی اتنی کمائی ہے کہ وہ دو بیویاں رکھ سکے ان کے خرچے پورے کر سکے نہ تم میں کوئی ایسے گن ہیں کہ تم پر ترس کھا کر تمہیں رکھ لیا جائے۔" روتے ہوئے وہ آج کھل کر اپنی طلاق پر بات کر رہی تھی، ورنہ تو جب سے آئی تھی ایک چپ کے حصار میں تھی۔

"اسی لئے تو، اسی لئے تو میری بچی، میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ اپنا مارتا بھی ہے تو چھاؤں میں بھی ڈالتا ہے، میں تمہاری طرف سے بے فکر ہونا چاہتی ہوں، ولید کو وہ کم بخت حیا لے اڑی، حالات ہی ایسے بن گئے تھے کہ مجھے خود ہی یہ شادی کرانا پڑی ورنہ میرا بھائی میری ایک نہیں ٹالتا، میرا ارادہ فدا سے تمہیں بیاہنے کا ہے، جو باتیں تم ابھی نہیں دیکھ رہی ہو، وہ میں نے ابھی سے بھانپ لی ہیں کہ میرا تجربہ اور عمر تم سے کہیں زیادہ ہے، کل اگر فدا کو تمہارے بانجھ پن کا پتہ چلتا بھی ہے تو بھلے دوسری شادی کرے گا مگر تمہارے پہلے میاں کی طرح تمہیں ٹھوکر مار کر باہر نہیں کر دے گا، جب تک ہم زندہ ہیں ہماری نظروں کے سامنے بھی رہو گی۔"

"اپنے ہی منصوبے بتائے جا رہی ہیں آپ، میرے ماننے سے کیا ہوتا ہے اماں، آپ نے بات کی تو تھی اس نے فٹ سے انکار کر دیا تھا۔" وہ نیم رضامندی سے بولی تھی، حالات کی نہج پر اس کے لئے واقعی ایک گھر ضروری تھا۔

"وہ تم مجھ سے چھوڑ دو اور جیسے میں کہتی جاؤں ویسے کرتی جاؤ، ایک دفعہ تمہارے باپ کی نظروں میں گر گیا وہ تو پھر لامحالہ اسے تمہیں اپنانا ہی پڑے گا، آج سے ہی ویسا کرو جیسے میں کہتی جاؤں، یہ نہ ہو دیر ہو جائے کیونکہ تمہاری پھپھو بتا رہی تھیں کہ حیا کا اس بار چھٹیوں میں آ کر فدا کی شادی کا ارادہ ہے، اب تم نے یہ کرنا ہے کہ....."

اب وہ اسے بتا رہی تھیں کہ کسی وقت موقع پا کر فدا کو اپنے گھیرے کہ ان دونوں کو تایا ساتھ دیکھ لیں اور بعد میں وہ فدا پر الزام لگائے کہ اس نے اس سے غلط قسم کی حرکت کرنے کی کوشش کی ہے، صرف یہی نہیں تائی نے فدا کی روٹین اس کا گھر سے جانا، واپس آنا، کس وقت اور کیسے یہ کرنا ہے سب تفصیل سے بتا دیا تھا، ریما بھی ہمہ تن گوش سب کچھ کسی متاع کی طرح دماغ میں بسا رہی تھی یہ سوچے بغیر کہ گھر وہی کامیاب ہوتے ہیں جن کی بنیاد اخلاص اور سچ پر رکھی جائے، جھوٹ اور فریب کی بنیادوں سے بنائے جانے والے گھر تو ریت کے گھر کی مانند ہوتے ہیں، نجانے کہاں سے حالات کی تند و تیز لہر انہیں بہا لے جائے، جیسے ہی ریما نے کہا کہ وہ سارا پلان سمجھ گئی وہیں باہر کھڑے تایا کا سر شرم سے جھک گیا، گھریلو معاملات سے بے خبری پر، یتیم بچوں سے اپنے گھر میں ہمیشہ ایسے سلوک پر یا اولاد کی ایسی

تربیت پر، سب سے بڑی بات فدا بھی ان کے ساتھ ہی تھا، وہ تایا بھتیجا ایک ساتھ گھر داخل ہوئے تھے، تایا نے ہی اسے کہا تھا کہ وہ اکیلا گیا اپنے پورشن میں جا کر فریز کیا ہوا کھانا گرم کرے گا، ان کے ساتھ ہی چلے کہ تائی نے آج دن کی فرمائش پر پلاؤ بنایا ہے، اسے کیا اعتراض ہوتا، ساتھ ہی چل دیا، مگر لاؤنج کے دروازے پر لٹکے پردے کے پیچھے تایا نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا، اصل میں تایا نے تائی کے منہ سے اپنا نام سنا تھا وہ سمجھے کہ حسب معمول انہوں نے خرچ میں کوئی گڑبڑ کی ہے ان سے چھپا کر، خرچ کی مد میں جو رقم وہ ان کو دیتے ان سے انہوں نے بچت کر کے کمیٹیاں ڈالی ہوتیں مگر تایا کو بھی ضرورت پڑتی تو صاف مکر جاتیں کہ وہ تو خرچ ہی اتنا کم دیتے ہیں کہ گزارا مشکل سے ہوتا ہے، بچت کہاں سے آئے، پھر ایک بار تایا کو وہ ہمسائی سے کمیٹی لیتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھیں، آج بھی تایا کو ایسا ہی کوئی شک گزرا تھا، مگر جو کچھ انہوں نے سنا تھا اس ان کو لگا جیسے وہ پورے زمین میں گڑ گئے ہوں، کاش وہ فدا کو نہ روکتے، کم از کم ایک بھرم تو رہ جاتا، انہوں نے نظریں چراتے ہوئے فدا کو دیکھا تو وہ تاسف سے ایک نظر پردے پر اور ایک ان پر ڈال کر اپنے پورشن کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

برف کا موسم گزر چکا تھا، اب ہر طرف پھول تھے، پھل تھے رنگ اور خوشبو تھی، مگر وہ اس سارے منظر میں سے کوئی بھی دلکشی محسوس کرنے میں ناکام تھی، زندگی کا دائرہ حیات اس پر پہلے سے زیادہ تنگ کر دیا گیا تھا، کیونکہ میں شادی والے دن دلبر خان نے نشہ کر کے جھگڑا کیا تھا اور اپنے ایک ساتھی کے ہاتھوں مارا گیا تھا، دلہن بنی فریدہ گل سہاگن بننے سے پہلے ہی بیوہ ہو گئی تھی، ایک منحوس کا ٹیگ تھا جس پر تصدیق مہر لگ گئی تھی، اور اب تو وہ بیوہ بھی تھی، ان کے قبیلے میں بیوہ کا دوبارہ نکاح کا رواج نہیں تھا جو قبیلے کے رسوم و رواج سے انحراف کرتا اسے قبیلے کا عمر بھر کا قطع تعلق برداشت کرنا پڑتا تھا، حیا جس نے فریدہ گل کی محبت اپنے بھائی کے دل میں دیکھی تھی کو نجانے کیوں دلبر خان کے مرنے پر عجیب سا اطمینان ہوا تھا جس کی اس نے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگی تھی، کچھ دن گزرنے کے بعد اس نے فریدہ گل کے باپ کو ولید کی موجودگی میں بلوایا تھا، وہ بھی بیٹی کے غم پر افسردہ تھا مگر افسوس کہ اب بھی اسے ہنستے بستے نہیں دیکھ سکتا تھا، اس نے قبیلے کے سارے اصول اور پاسداری کے انحراف کی سزا بتا کر حیا سے معذرت کر لی تھی ہاں فریدہ کی مورے بھائی کے مرنے پر تو افسردہ تھی مگر دل سے بہت خوش تھی، کہ عمر بھر شادی نہ ہونے کی صورت میں مفت کی ایک ملازمہ اسے مل چکی تھی دفعتاً کھنکھارنے کی آواز پر وہ چونکی، وہ اجنبی سامنے تھا جو کچھ عرصے سے اجنبی نہ رہا تھا، دل کا مکین بن چکا تھا، چادر ٹھیک کرتے ہوئے اس نے اپنا آدھا منہ چھپایا اور گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے ارے بھائی رکو، سارا راستہ دعا کرتا آیا ہوں کہ ڈار سے بچھڑی کونج جیسی لڑکی آج بھی اپنی مخصوص جائے پناہ پر مل جائے، اب میرے مالک کے کرم کر دیا دعا قبول کر کے تو تم بھاگ رہی ہو، مت پوچھو تمہاری عدت کا عرصہ دل پہ کیسے صبر رکھ کے گزارا ہے، بہت سی باتیں کرنی ہیں، بہت سے معاملے کلیئر کرنے ہیں، تمہارے یہاں کے لوگ رائی کے بغیر بھی پہاڑ

بنانے کے ماہر ہیں اور یہاں رائی کی صورت میں، میں موجود ہوں، سو جلدی سے گھر چلو، حیا تمہارے انتظار میں ہوں گی۔'' وہ ایسے بے تکلفی سے اس سے مخاطب تھا جیسے برسوں کی آشنائی ہو، فریدہ گل حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی، پھر اس کی شرارتی مسکراہٹ کی تاب نہ لا کر اس کے قدم تیز تیز حیا کے گھر کی طرف اٹھنے لگے اور فدا مسکراتے ہوئے ذرا فاصلہ رکھ کر پیچھے چل دیا، آخر کو پچھلا تجربہ خاصا تلخ رہا تھا اس کا پچھلے کچھ ماہ اس پر سخت گراں گزرے تھے جب سے تائی کی سازش کا پتا چلا تھا اس نے گھر میں دیوار اٹھوا دی تھی، پھر حیا کے دیوار کے حوالے سے استفسار پر اس نے ساری کہانی سنائی تھی، وہ بھی اتنی دور بیٹھے پریشان ہو گئی تھی، وہ فوراً ہی فدا کی شادی کرنا چاہتی تھی، پھر دلبر خان کے مرتے ہی حیا فریدہ کے بابا کے پاس گئی تھی مگر ان کے صاف انکار کے بعد جب وہ مایوس ہوئی تو اس نے فدا کو سب بتا دیا تھا، مگر فدا نے اسے کچھ عرصہ روک دیا تھا، فریدہ کی عدت گزرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی قسمت آزمانا چاہتا تھا اور اب ایک صبر آزما انتظار کے بعد وہ ایک بار پھر یہاں موجود تھا۔

حیا نے ایک طویل لیکچر دیا تھا فریدہ گل کو، وہ چپ بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی تھی، پھر فدا نے حیا کو اشارہ کیا کہ وہ بات کرنا چاہتا ہے، حیا چائے بنانے کے بہانے اٹھ گئی تھی۔

''حیا بھی بہت بار تم سے بات کر چکی ہیں، مجھے لگا مجھے بھی آپ کو بتانا چاہیے، آپ سے بات کرنی چاہیے کہ قسمت بار بار آپ کے دروازے پہ بار بار دستک نہیں دیتی، میرا اور آپ کا ملنا ایسے ہی کہیں تھا فریدہ گل، قدرت کے اشارے کو سمجھنے کی کوشش کرو، میں ہمیشہ لڑکیوں میں رہ کر پڑھا ہوں، مگر زندگی میں پہلی بار تم کو دیکھ کر دل نے کہا کہ ہاں یہی ہے جس کے لیے میں نے اپنے خالص جذبات سنبھال کر رکھے تھے حالانکہ نہ تمہیں پہلے کبھی دیکھا تھا، نہ تمہارے بارے میں کچھ جانتا تھا، پہلے پہل میں اسے ایک وقتی پسندیدگی سمجھا تھا مگر۔'' وہ رکا فریدہ گل نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو بمشکل روکا، بالکل ایسی ہی تو اس کی حالت تھی بس وہ مرد ہونے کے ناطے کھل کر بیان کر رہا تھا جبکہ وہ شرم و حیا میں چپ تھی مگر دل مسلسل اس سے ہم کلام تھا۔

''دلبر خان سے تمہارے نکاح کی خبر نے دل پر ایک قیامت سی ڈھا دی تھی۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''دل تمہاری جیسی لڑکی کی قسمت پر روتا تھا یا اپنی قسمت پر دہائیاں دیتا تھا جس نے اپنی محبت کو پاتے سے پہلے ہی کھو دیا تھا، کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی، پھر میری دعاؤں کو ایسے قبول ہونا تھا یا دلبر خان کا مرنا ایسے لکھا تھا کہ مجھے امید کا ایک جگنو نظر آیا جس کے سہارے میں یہاں تک چلا آیا اور اب ہم لوگ ایک فرسودہ اور بیہودہ رسم کے پیچھے میری اور تمہاری زندگی برباد کرنا چاہتے ہیں۔'' فدا جیسا سنجیدہ بندہ بھی جذباتی ہو گیا۔

''دیکھو فریدہ یہاں کے لوگ رسم و رواج کی جس کڑی زنجیر سے بندھے ہیں اس کو میں توڑنے پر قادر نہیں ہوں کہ اس عمل کے لیے صدیاں درکار ہیں، علم کا شعور چاہیے، سوچ کی تبدیلی چاہیے کیونکہ جو رواج آپ کی خوشیوں اور زندگی کو زنگ آلود کر دیں ان کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے پھر بھلے برادری اور قبیلے کو ترک کیوں نہ کرنا پڑے۔'' فریدہ گل نے چونک کر فدا کو دیکھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں فریدہ، سوچو آج تمہارا باپ زندہ

ہے، زندگی کو بقا نہیں، کل وہ نہیں رہے گا تو کیا تم ساری زندگی اپنی ماں کے بچے پالتے ہوئے، پہاڑوں میں بھیڑیں چراتی بوڑھی ہو جاؤ گی۔''
فریدہ سسک اٹھی۔

''اپنی خوشیوں پر اور زندگی پر تمہارا بھی دوسرے انسانوں جیسا ہی حق ہے فریدہ، خون کے رشتے کبھی ختم نہیں ہو سکتے، برادری تم سے تعلق توڑ بھی دے تمہارے باپ کا رشتہ تم سے کبھی نہیں ٹوٹے گا، خوشیوں کو مت لوٹاؤ فریدہ مجھے خالی ہاتھ مت لوٹاؤ فریدہ، میں وعدہ کرتا ہوں کہ دنیا بھر کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا، پڑھی لکھی ہو، باشعور ہو جانتی ہو ناں نکاح کا حق رکھتی ہو، یہ حق تمہیں مذہب دیتا ہے اور تمہیں کسی برادری کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، باقی رہے تمہارے بابا تو ان کو حیا اور ولید منا لیں گے، تم یہاں نہیں آسکو گی، فیصلے کے قانون کی رو سے لیکن تمہارے بابا تو شہر آسکیں گے ناں۔'' فریدے گل نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

''کیا تم بابا کو منا لو گے۔'' اس کے منہ سے پہلی بار یہ بات نکلی۔

''ہاں ہاں فریدہ، حیا اور ولید، بلکہ میں خود بھی جاؤں گا ان کے پاس، بس ایک دفعہ تم ہاں کر دو۔'' اس کے لجاجت بھرے انداز پر فریدہ گل نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا، ندا نے ہرا کا نعرہ لگایا تھا جسے سنتے ہی حیا اندر آ گئی تھی اور حیا سے سرخ پڑتی فریدہ کو دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس کا بھائی یہ بازی جیت چکا تھا، اس نے فریدہ کو گلے سے لگا لیا، آگے کی زندگی بہت حسین گزرنے والی تھی، یہ ان تینوں کو یقین تھا کیونکہ پھول کھلنے کا موسم آ چکا تھا۔

☆☆☆

خواہشوں کی خوشبو

مبشرہ ناز



صاف شفاف سڑک پر مناسب اسپیڈ سے گاڑی بڑھاتے ہوئے وہ اس وقت خاصے خوشگوار موڈ میں تھا چہرے سے ٹکراتے ہوا کے جھونکوں میں در آنے والی ٹھنڈک نے موسم کے بدل جانے کی اطلاع دی تھی، گرمی نے اسے اچھا خاصا بیزار کر دیا تھا، اس پر مستزاد شاہ میر کی غیر موجودگی وہ صرف اور گھر اور آفس تک ہی محدود ہو کر رہ گیا، آج موسم کی خوشگواری کو محسوس کرتے ہوئے وہ نہا دھو کر اٹھا، لانگ ڈرائیو اور تھوڑی سی شاپنگ کا ارادہ کر کے وہ اپنے دھیان میں سبک رفتاری سے ڈرائیو کر کے وہ مارکیٹ پہنچنے ہی والا تھا جب اس کا موبائل بج اٹھا۔

''کیا کر رہا تھا یار سن۔'' اس کی ہیلو کے جواب میں شاہ میر کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

''فی الحال تو ڈرائیو کر رہا ہوں۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کہاں جا رہا ہے؟''

''شاپنگ کرنے۔''

''میرے لئے کیا خریدے گا؟'' دوسری طرف ضرورت سے زیادہ بے تکلفی تھی۔

''کچھ نہیں میرے پاس فالتو پیسے نہیں ہیں۔'' اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے وہ دوبدو بولا، تو شاہ میر جو اس کے لہجے سے اس کی مسکراہٹ کو پہچان گیا تھا مصنوعی خفگی سے بولا۔

''کنجوس اعظم دل رکھنے کے لئے ہی کہہ دیتا کہ تو میرے لئے مارک اینفر کی شرٹ، سابچی کا والٹ اور سی کے کی گھڑی خریدے گا۔''

''او کیا کہنے جناب کے، میں حرام نہیں کماتا جو تیرا دل رکھنے کے لئے یہ سب کچھ خرید کر بھر دوں۔''

''کچھ کم بھی نہیں کماتا۔'' دوسری طرف سے کھٹ سے جواب حاضر تھا، حسنین آفندی بے ساختہ مسکرایا لیکن جواب میں کچھ نہ کہا، چین والی کی پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کر کے اس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کر دیا تھا، گاڑی لاک کر کے وہ انٹرنس ڈور دھکیل کر وہ اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں اپنی شاپنگ پوری کر کے اس نے شاہ میر کے لئے اس کی خواہش کے مطابق مارک اینفر کی ایک خوبصورت سی شرٹ خریدی اور ابی جان کے لئے بھی ایک سوٹ خرید کر جب اس نے گھڑی دیکھی تو چھ بج رہے تھے، شاپنگ کرتے ہوئے اسے ٹائم کا پتا ہی نہ چلا گھڑی پر نگاہ پڑتے ہی اس نے کاؤنٹر پہ جا کر پے منٹ کی اور تیزی سے گلاس ڈور دھکیلتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا، گلفشن کی صاف شفاف سڑک پر پھسلتی اس کی پراڈو تیزی سے قیصر آفندی کی طرف بڑھ رہی تھی اور جس وقت وہ قیصر آفندی کے گیٹ پر ہارن دے رہا تھا وہ اسے سامنے سے ابی جان کے ساتھ وہ آتی نظر آئی اس نے ایک نگاہ حسنین آفندی پہ ڈالی اور بے نیازی سے رخ پھیر کر ابی جان کو الوداع کہتی رخ پھیر کر چلی گئی وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا سوائے اس کے اس کا نام منابل رحیم تھا اور وہ ابی جان کی بہترین دوست تھی، حسنین آفندی اس کی بے نیازی کو پس پشت ڈال کر پراڈو اندر لے گیا جہاں چوکیدار دروازہ کھولے اس کا منتظر تھا۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا اس نے سوچا تھا خوب دیر تک سوئے گا کیونکہ شام کو شاہ میر آ رہا تھا تو اس کے ساتھ بھی ایک لمبی نشست لگنی تھی لیکن اپنے مخصوص ٹائم پر پورے آٹھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی تھی کچھ دیر تو وہ بستر میں لیٹا رہا، جبھی اس کو کچھ کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں، اس نے بیڈ سے اتر کر دروازہ کھولا اور باہر لابی میں آ کر ریلنگ سے نیچے جھانکا تو وہ اسے سامنے ہی کچن میں کھڑی نظر آ گئی حسنین آفندی کو دیکھ کر جہاں اس کے چہرے پہ بے نیازی نظر آئی تھی آج وہاں شوق اور محبت کی کرنیں پھیلتی ہوئی تھیں وہ تندہی سے سوجی بھون رہی تھی ساتھ ساتھ گل خان (ملازم) کو ہدایت بھی دے رہی تھی ابی جان سامنے ڈائننگ چیئر پر بیٹھے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، ابی جان نے اسے کھڑے اور پھر واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا لیکن وہ جان کر بھی انجان بنے ہوئے تھے۔

''موں بس کرو بیٹا تھک جاؤ گی۔'' (وہ اسے محبت سے موں کہہ کر بلانے لگے تھے) ابی جان نے ہی کل اسے رخصت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ان کا گھر کی بنی ہوئی حلوہ پوری کھانے کا بہت دل چاہ رہا ہے اور یہ کہ حسنین کی صبح اتوار ہونے کی وجہ سے بارہ بجے سے پہلے ہرگز نہیں ہو گی، حسنین آفندی کے دیر سے سو کر اٹھنے کی وجہ سے اس نے ان کے اتنے اصرار اور چاہت پر بلانے سے ان کے ہاں آنے کی حامی بھری تھی ورنہ وہ ان کے گھر کبھی نہ آتی، پوریوں کا آٹا وہ گھر سے گوندھ کر لے آئی تھی اور آلو کی بھجیا بھی بنا کر لے آئی تھی، اب صرف پوریوں کو تلنا اور حلوہ بنانا باقی تھا، وہ اپنا یونیورسٹی کا کوئی قصہ سنا رہی تھی ساتھ ہی گل خان کو ہاتھ سے کڑاہی میں تیل ڈالنے کا کہہ کر اس نے سوجی میں مناسب مقدار رکھ کر پانی ڈالا اور جوش دے کر آنچ دھیمی کر دی، گلابی کلر کے کڑاہی والے سوٹ میں وہ اپنے لمبے گھنے بالوں کا جوڑا بنائے بڑی مہارت سے اب پیڑے بنا کر رکھ رہی تھی، ساتھ ہی اس نے گل خان کو سرونگ ڈش میں حلوہ وغیرہ ڈالنے کا کہا اور خود کڑاہی میں پوریاں ڈالنے لگی، چار پانچ پوریاں تیار کرنے کے بعد اس نے ڈائننگ ٹیبل پہ پلیٹ لا کر رکھی پھر ابی جان کو بلانے لگی جو شاید انتظار میں بیٹھے بیٹھے ہی نیند میں چلے گئے تھے، اس نے بلند آواز میں پکارا۔

''ابی جان جلدی آئیں پوریاں ٹھنڈی ہو رہی ہیں، آؤ گل خان۔'' اس نے ساتھ ہی گل خان کو بھی اشارہ کیا جو مستقل اس کی مدد کروا رہا تھا۔

''نہیں باجی ام بعد میں کھائے گا پہلے آپ اور ابی جان کھا لو۔'' (وہ ابی جان کو ابی جان اور حسنین کو حسنین بھائی کہہ کر بلاتا تھا پہلے پہل جب نے ان دونوں کو صاحب کہہ کر بلایا تو ابی جان اور حسنین دونوں نے اسے منع کر دیا تھا) اس لئے وہ اب منابل کو بھی کبھی منابل باجی کبھی موں باجی کہتا تھا، اس کے بلانے پر وہ جھینپ گیا۔

''آ جاؤ گل خان بچ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور اب مجھے بہت شدید بھوک لگ رہی ہے۔'' اس نے دہائی دی گل خان کو بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ دوبارہ اٹھ کر تیزی سے کچن میں گئی اور مزید چار پانچ پوریاں بنا کر لے آئی، ابی جان نے انتہائی رغبت سے ناشتہ کیا تھا اور اب وہ نہایت اطمینان سے چائے پی رہے تھے، ابھی اس نے ایک پوری ہی کھائی تھی جبھی اس کی نظر سامنے کھڑے حسنین آفندی پہ چلی گئی جو نجانے کب وہاں آ گیا تھا، اس نے ہاتھ میں پکڑی پوری آہستگی سے پلیٹ میں رکھی اور نامحسوس انداز میں کھڑی ہو گئی، ابی جان نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ بولی۔

''ابی جان! مجھے ابھی یاد آیا آج ہاسپٹل میں ڈاکٹر ماریہ کے بدلے مجھے ڈیوٹی دینی ہے تو

اس لئے مجھے دیر ہو رہی ہے اب آپ مجھے اجازت دیں۔" اس نے شائستگی سے کہتے ہوئے بہانہ گھڑا، لیکن ابی جان بھانپ چکے تھے کہ وہ حسنین کی وجہ سے بہانہ بنا کر وہاں سے جانا چاہتی ہے سو انہوں نے اسے اجازت دینے کے بجائے حسنین کے لئے پوریاں بنانے کا آڈرر جاری کر دیا ان کے آرڈر پر جہاں اس کے چھکے چھوٹے تھے وہیں زیرلب مسکراتا دیکھ کر اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی جسے اس نے سرعت سے سمیٹ لیا کیونکہ ابی جان کی نگاہیں اسی پر تھیں۔ وہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی اس نے چار پانچ پوریاں تل کر گل خان کے آگے رکھیں کہ وہ اسے ڈائننگ ٹیبل تک پہنچا دے اور مزید پوریاں تلتے ہوئے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پوریوں کی جگہ حسنین آفندی کو تل دے اس نے جلدی جلدی چار پانچ پوریاں مزید بنائیں اور ابی جان کو خدا حافظ کہہ کر بیگ اٹھائی بغیر کسی کی طرف دیکھے نکلتی چلی گئی، ابی جان جہاں حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے وہیں حسنین آفندی اطمینان سے پوریوں سے انصاف کر رہا تھا کیونکہ اسے بہت عرصے بعد من پسند ناشتہ نصیب ہوا تھا۔

☆☆☆

شام کی سنہری دھوپ یکدم سیاہ بادلوں میں چھپ گئی تھی سورج اور بادل کی اس آنکھ مچولی نے شام کے منظر کو حسین تر بنا دیا تھا، وہ ٹیرس پہ کھڑی تھی جبھی اسے سامنے سے ابی جان آتے نظر آئے، اس نے سوچا کہ وہ نگاہیں چرا لے لیکن وہ بھی اسے دیکھ چکے تھے چنانچہ ان کے ہاتھ ہلانے اور نیچے آنے کا اشارہ کرتے پر وہ انہیں انکار نہ کر سکی اس نے ایک نظر اپنے لباس پہ ڈالی بلیک ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر پہ وائٹ اپنے سے کئی گنا بڑی شرٹ پہنے وہ اس میں چھپ سی گئی تھی گلے میں بلیک کلر کا اسکارف ڈالا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے آتی ہوں کا اشارہ کرتی صغریٰ ماسی کو ہدایت دیتی وہ نیچے آ گئی۔

"السلام علیکم لٹل فرینڈ!" انہوں نے اسے سلام کرتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا، سلام دعا کے بعد وہ دونوں خاموشی سے چلنے لگے ان کا رخ قریبی پارک کی طرف تھا۔

"ہماری بیٹی ہم سے ناراض ہے کیا؟" انہوں نے محبت بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو ابی جان، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" ان کے محبت بھرے انداز پہ اس کو اپنا کل کا رویہ یاد آیا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"اچھا پھر مجھے ہی ایسا لگا ہوگا۔" انہوں نے خودکلامی کی جو پارک میں داخل ہوتے ہوئے مناہل نے بغور سن لی تھی، پارک میں داخل ہوتے ہی قریبی سنگی بنچ پہ ان کو بٹھاتے ہوئے اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھامے اور خود بھی ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"ابی جان آپ مجھے بہت عزیز ہیں اور مناہل پوری دنیا سے ناراض ہو سکتی ہے اپنے بیسٹ فرینڈ سے ناراض نہیں ہو سکتی اوکے۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھ گرمجوشی سے دباتے ہوئے کہا تو وہ افسردہ انداز میں مسکرا دیئے لیکن ان کی یہ افسردگی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

"ابی جان کیا بات ہے آپ آج بہت زیادہ ڈس ہارٹ (شکستہ دل) لگ رہے ہیں اور کمزور بھی کیا اپنی دوست کو بھی نہیں بتائیں گے۔" اس نے ان کے بوڑھے جھریوں زدہ چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر پوچھا تو دو آنسو اس کے ہاتھوں کے پیالے میں آ

گرے جسے اس نے مقدس شے کی طرح تھام لیا، مناہل کی اس محبت پر انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا اور اپنے پاس بٹھا لیا، اس عرصے میں وہ اپنے آپ کو کمپوز کر چکے تھے۔

"کچھ نہیں بیٹا اصل میں آج میرے بیٹے اور بہو کی برسی ہے تو آج ان کی یاد کچھ زیادہ ہی حاوی ہو گئی تھی مجھ پر۔"

"آپ کے بیٹے اور بہو کو کیا ہوا تھا ابی جان۔" اس نے جھجکتے ہوئے ان سے سوال کر ہی لیا تھا جو وہ نہ جانے کب سے پوچھنا چاہ رہی تھی، لیکن پوچھ نہیں پا رہی تھی۔

"ذکاء اللہ آفندی۔" (ابی جان) بھی کسی غمگسار کے گویا منتظر تھے اس کے پوچھنے پر انہوں نے اس سے کچھ بھی نہ چھپایا۔

"ذکاء اللہ آفندی ملک کے بہت بڑے صنعتکار تھے، ان کا ایک ہی بیٹا تھا عمر آفندی اور بہو نمرہ آفندی زندگی مکمل طور پر خوشیوں خوابوں اور رحمتوں کے ساتھ قصر آفندی پہ سایہ فگن تھیں کہ ننھے حسنین آفندی کی آمد نے آفندی ہاؤس کی خوشیوں میں چار چاند لگا دیئے، ذکاء اللہ آفندی اٹھتے بیٹھتے اللہ کا شکر ادا کرتے اور اپنے گھر کی خوشیوں کے لئے دعائیں مانگتے لیکن زندگی میں کچھ پل ایسے بھی آتے ہیں کہ جن میں انسان بھی روزمرہ کی مانگی جانے والی دعاؤں سے غافل ہو جاتا ہے اور اسی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تقدیر نے ان پر ایسا کاری وار کیا تھا کہ آج تک ان کے اندر رستے زخم زندگی کے ماہ و سال بھی نہ بھر سکے تھے، ذی قعدہ کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، عمر آفندی اور نمیرہ آفندی کی خواہش تھی کہ وہ سب مل کر حج کر آئیں اور اس رب کے پاک دربار میں اس کی نعمتوں اور احسانوں کا ویسا ہی شکر ادا کریں جیسا کہ ادا کرنے کا حق ہے، پاسپورٹ اور ویزہ تیار ہو کر آ چکا تھا اب صرف ٹکٹ خریدنے کا مرحلہ باقی تھا اچانک ہونے والے انجائنا اٹیک کی وجہ سے ڈاکٹروں نے ان کے سفر پر پابندی لگا دی تھی اور ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے عمر اور نمیرہ آفندی نے بھی اپنے جانے کا ارادہ کینسل کر دیا تھا، وہ ذکاء اللہ آفندی کے بغیر نہیں جانا چاہتے تھے، لیکن دور کھڑی تقدیر نے مسکرا کر ان کے ارادوں کو سنا اور ان کے ارادوں کو اپنی طاقت سے مسمار کرتی مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی عمر اور نمیرہ آفندی کے حج کا ارادہ کینسل کرنے کی خبر جب ذکاء اللہ آفندی کو ہوئی تو انہوں نے ان کو پرزور اصرار کے ساتھ نہ صرف حج کے لئے آمادہ کیا بلکہ اپنی طبیعت کو پس پشت ڈال کر وہ بیٹے اور بہو کو خود ائیرپورٹ بھی چھوڑ کر آئے۔"

ننھا حسنین مستقل ان کے سینے سے لگا ہوا تھا اور انہوں نے بھی اسے بازوؤں میں متاع حیات کی طرح سمیٹا ہوا تھا وہ خوش بھی تھے کہ بیٹے اور بہو کو حج کی سعادت نصیب ہوئی تھی وہیں ان دونوں کی غیر موجودگی بھی انہیں اداس کر گئی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح عجیب سی تھی نہ جانے کیوں انہیں ہر شے اداس پھیکی اور بے جان سی معلوم ہو رہی تھی، ننھا حسنین بھی نہ جانے کیوں وقفے وقفے سے روئے جا رہا تھا، حسنین کی طبیعت کے پیش نظر انہوں نے اپنے آفس نہ آنے کا منیجر کو فون کر دیا تھا، وہ نڈھال سے صوفے پر بیٹھے تھے، ملازم کے ہاتھ انہوں نے حسنین کو قریبی اسٹور روانہ کر دیا تھا تاکہ اس کے لئے چاکلیٹ چپس اور جوس وغیرہ دلوا دے، فون کی بجتی بیل نے ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

"آر یو ذکاء اللہ اسپیکنگ۔" دوسری طرف

سوال کیا گیا تو انہوں نے یس کہا۔

''مکہ سے مدینہ جانے والی بس ایکسیڈنٹ میں موجود زائرین میں عمر آفندی اور نمیرہ آفندی کی وفات ہوگئی ہے۔'' یہ کہہ کر دوسری طرف سے لائن ڈراپ ہوگئی اور ذکاء اللہ آفندی کو لگا ان کا دل بند ہو جائے گا سینے میں اٹھنے والی ٹیسوں سے بے حال ہو کر وہ صوفے پر ہی لڑھک گئے تھے ان کو نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا تھا، وقت کا کام گزرنا تھا سو وہ بھی گزرتے وقت کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گئے تھے، ننھے حسنین کی خاطر انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالنا ہی تھا، اسے ایک کامیاب انسان بنانا تھا، انہیں اب سمجھ میں آیا کہ ان کا بیٹا حسنین کو ان کے پاس کیوں چھوڑ کر گیا تھا، انہیں بیٹے کی محبت پر رونا بھی آرہا تھا اور بے تحاشا پیار بھی اور وہ مطمئن تھے کہ وہ اپنے بیٹے کے سامنے سرخرو ہیں اس کے بیٹے کو ایک اچھا اور کامیاب انسان بنا کر۔''

اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا کر وہ نڈھال سے بینچ کی پشت سے ٹیک لگا گئے تھے ان کے چہرے پر پھیلنے والی تکلیف سے اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تو اس نے فوراً پاکٹ سے موبائل نکال کر ایمبولینس کو کال کی تھی، موبائل پاکٹ میں رکھ کر وہ ان کا چہرہ تھپتھپانے لگی۔

''ابی جان! ابی جان پلیز آنکھیں کھو لیں۔''

وہ ایک مضبوط اعصاب کی لڑکی ہونے کے ساتھ ایک پروفیشنل ڈاکٹر بھی تھی لیکن اس وقت ذکاء اللہ آفندی کی حالت سے پتا نہیں کیوں اس کے ہاتھ پیر کانپنے شروع ہو گئے تھے اس پل سے شدت سے احساس ہوا کہ وہ ان سے اتنی محبت کرنے لگی ہے کہ انہیں کھونے کے خوف نے اس کی حالت خراب کر دی تھی، ایمبولینس دور سے سائرن بجاتی ہوئی آرہی تھی قریب آ کر اس نے ہیلپر کی مدد سے ان کو ایمبولینس میں لٹایا اور ڈرائیور کو تیز چلانے کی ہدایت کرتی وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی، ایمبولینس میں موجود سامان کی مدد سے انہیں فرسٹ ایڈ دینی شروع کر دی تھی ایمبولینس جوں ہی ہاسپٹل کے قریب پہنچی اس نے فوراً ڈاکٹر ماریہ کو ایمرجنسی کال کی تھی یہی وجہ تھی کہ جب اندرونی گیٹ کے پاس پہنچ کر ایمبولینس کا دروازہ کھولا تو گیٹ پہ ہی ڈاکٹر ماریہ ڈاکٹر اسامہ اور ڈاکٹر رضا الرٹ کھڑے تھے ذکاء اللہ آفندی کو فوراً آئی سی یو کی طرف لے جایا گیا تھا، دو ڈھائی گھنٹے لگے تھے ان کو ٹریٹمنٹ دینے میں، ڈھائی گھنٹے کے بعد جب آئی سی یو سے باہر آئی تو اس نے لینڈ لائن نمبر پر فون کر کے گل خان کو فون کر کے حسنین کو اطلاع دینے کی ہدایت کی اور واپس خود آئی سی یو کی طرف ہی آگئی اس نے بیڈ کے قریب چیئر رکھی اور ذکاء اللہ آفندی کا ہاتھ تھام کر وہ نجانے کیوں بے ساختہ روتی چلی گئی اتنی دیر میں وہ بالکل نڈھال ہو چکی تھی، حسنین آفندی جس وقت روم میں داخل ہوا وہ آنکھیں بند کیے نڈھال سی ذکاء اللہ آفندی کے ہاتھ پہ چہرہ ٹکائے ہوئے تھی، حسنین آفندی نے اس کو بغور دیکھا جوڑا ڈھیلا ہو کر گردن پہ جھول رہا تھا، اطراف میں لٹیں نکل نکل کر اس کے گالوں کو چوم رہی تھیں، وائٹ ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر گلے میں اسکارف ڈالے متورم سوئی آنکھیں وہ کوئی چھوٹی بچی لگ رہی تھی نظروں کی تپش پہ اس نے ابی جان کے ہاتھ سے چہرہ اٹھایا تو سامنے ہی حسنین آفندی کھڑا تھا۔

''سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔'' حسنین نے فوراً معذرت کی۔

''واٹس او کے آپ ابی جان سے مل لیں میں راؤنڈ لے کر آتی ہوں۔'' وہ کنی کترا کر فوراً باہر نکل گئی اور حسنین آفندی سرد آہ بھر کر رہ گیا، وہ اس کی شکل دیکھ کر کیوں بے نیاز بن جاتی ہے اور منظر سے ہٹ جاتی ہے یہ بات حسنین کی سمجھ سے باہر تھی، وہ جو لڑکیوں سے الرجک تھا اور سب کو ایک فاصلے پہ رکھ کر ملتا تھا، نہ جانے کیوں مناہل رحیم کو دیکھ کر اپنے اصولوں سے انحراف کرنے لگا۔

آج تیسرا دن تھا، ذکاء اللہ آفندی کی حالت اب بہت بہتر تھی، لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ جہاں حسنین نے ان کی ٹریٹمنٹ ٹیسٹ اور دوائیوں اور دیگر کاموں کے لئے رات دن ایک کیا ہوا تھا، وہیں مناہل نہ صرف خود اپنا آپ بھلا بیٹھی تھی بلکہ اس نے اپنے ساتھی ڈاکٹرز کو بھی الرٹ کر رکھا تھا، ہر ایک گھنٹے اور کوئی نہ کوئی ڈاکٹر بلڈ پریشر و شوگر اور ای سی جی وغیرہ چیک کر رہا ہوتا مناہل ہر دو گھنٹے بعد بھی انہیں جوس دیتی، سوپ تو کبھی کچھ اور آج بھی وہ صبح سو کر اٹھے تو انہیں کمرہ عام دنوں سے زیادہ روشن لگ رہا تھا جگہ جگہ غبارے لگے ہوئے تھے اور دیگر آرائشی سامان سجا ہوا تھا تھوڑی دیر بعد ایک میل نرس آیا تھا، ان کا منہ ہاتھ دھلوانے اور کپڑے چینج کروانے انہوں نے اس سے پوچھا۔

''آج کوئی خاص بات ہے بیٹا، جو میرا کمرہ اتنا سجایا جا رہا ہے یا پھر میں یہ سمجھوں کہ میرے جانے کی خوشی میں اس کو ڈیکوریٹ کیا گیا ہے۔'' انہوں نے مصنوعی ناراضگی اپناتے ہوئے خفگی سے کہا۔

''نو سر ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ سب سرپرائز ہے ڈاکٹر مناہل اور ان کے فرینڈز کی طرف سے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی اور ذکاء اللہ آفندی کے کپڑے اٹھا کر باہر نکل گیا، تھوڑی دیر میں مناہل دوسرے ساتھی ڈاکٹرز کے ہمراہ اندر آگئی۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ڈیئر ابی جان، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' اس نے پیروں کے پاس بنی فائل ٹیبل پہ رکھ کر کورس میں گا کر ان کو وش کیا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیئے اس کے بعد باقی ڈاکٹرز جو مناہل کے قریبی ساتھی تھے انہوں نے ان کو پھول اور گفٹ دیئے، انہوں نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تو کونے میں حسنین آفندی کھڑا تھا، انہوں نے مناہل کو اپنے پاس بلایا اور اسے دائیں بازو کے گھیرے میں لے لیا پھر سر کے اشارے سے حسنین کو بلایا تو اس کے قریب آنے پر انہوں نے شفقت سے دوسرے بازو میں سمیٹ لیا، حسنین آفندی کو اتنے قریب پا کر اس نے ابی جان کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کی لیکن گرفت مضبوط تھی سو وہ ناکام ہو گئی۔

''چلیے بیٹا موون چھری اٹھایئے۔'' انہوں نے مناہل سے انتہائی محبت بھرے انداز میں کہا وہ موون اس کو اس وقت کہتے تھے جب انہوں نے اس سے کوئی بات منوانی ہوتی تھی۔

''دس از ناٹ فیئر ابی جان (یہ بالکل صحیح نہیں ہے ابی جان)، سالگرہ آپ کی ہے تو کیک بھی تو آپ کو ہی کاٹنا چاہیے نہ کہ مجھے چلیے شاباش۔'' مناہل نے پس پشت سے کام لیا، تو انہوں نے اس کے ساتھی ڈاکٹرز کی طرف جو دلچسپی سے ان کی نوک جھونک دیکھ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے پھر سب ڈاکٹرز بچے سن لیں میں تم سب لوگوں سے ناراض ہوں اور میں اب کسی قسم کی کوئی پرہیز نہیں کروں گا گھر جا کر گل خان سے کہہ کر کریم کیک، پوریاں، مٹھائیاں

سب منگوا کر کھاؤں گا پھر دیکھوں گا کہ کون مجھے روکتا ہے جب کوئی مجھ بوڑھے کی بات نہیں مان سکتا تو پھر میں بھی کسی کی بات نہیں مانوں گا۔'' انہوں نے ڈاکٹرز اسامہ اور ماریہ وغیرہ کو دیکھتے ہوئے آنکھ ماری اور مناہل کو وزیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے درحقیقت ان سب کو اور پس پردہ اس کو سنایا تھا، وہ بھی سمجھ گئی تھی وہ اسے بلیک میل کررہے ہیں، اس نے خاموشی سے چھری اٹھالی اس کے ہاتھ پر ابی جان کا ہاتھ اور ابی جان کے ہاتھ پر حسنین نے ان کے حکم پر ہاتھ رکھ دیا یوں تالیوں کی گونج میں ہنستے مسکراتے تینوں نے مل کر کیک کاٹا تھا، کیک کٹنے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے مناہل نے ہچکچاتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

''ابی جان آپ کے لئے سرپرائز ہے پہلے آپ وعدہ کریں آپ ناراض نہیں ہوں گے۔'' ان کے دونوں ہاتھ تھام کر وعدہ لیتے ہوئے وہ انہیں کوئی چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔

''ابی جان میں اگلے ماہ دسمبر میں اسپشلائزیشن کے لئے لندن جارہی ہوں۔'' اس کے منہ سے اسپشلائزیشن کا سن کر وہ چپ بیٹھے رہ گئے، انہوں نے ایک نظر سامنے کھڑے حسنین پہ ڈالی اور دوسری اس پر۔

ڈاکٹرز اسامہ اور ڈاکٹر ماریہ وغیرہ پہلے جا چکے تھے۔

''ابی جان آپ ناراض ہوگئے۔'' اس نے کسی خدشے کے سبب پوچھا۔

''نہیں بیٹا میں ناراض نہیں ہوں مگر میں تھک گیا ہوں اس لئے آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' گویا یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ وہ دکھی ہوئے ہیں اس کی بات سے اور مزید اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے اور ان کے اس طرح دکھی انداز پر جہاں حسنین تیزی سے وہاں سے نکلا تھا وہیں مناہل بھی بوجھل قدموں کے ساتھ باہر آگئی اس خوشگوار دن کی صبح جتنی خوبصورت تھی شام اتنی ہی اداس تھی۔

☆☆☆

آج وہ پورے دس دن بعد قیصر آفندی آئی تھی اور اس کے آنے کے بعد سے تمام ملازمین بشمول گل خان نہ صرف اس کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے، بلکہ اس کے نہ آنے کی وجہ بھی دریافت کررہے تھے اور وہ مسکرا کر اپنی مصروفیت کا ذکر کرنے لگی، تھوڑی دیر بعد وہ ابی جان سے بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کررہی تھی، جب گل خان نے حسنین کے فون کا بتا کر کارڈلیس ان کے ہاتھ میں لاکر تھما دیا۔

''ہاں بیٹا کہو اچھا، اچھا چلو ٹھیک ہے ہاں ضرور بیٹا مجھے تو بہت اچھا لگے گا تھوڑی رونق بھی ہوجائے گی، ہاں اس کی تم فکر نہ کرو وہ میرے سامنے ہی ہے۔'' وہ بغور ابی جان کو دیکھ رہی تھی جواب اس کو دیکھتے ہوئے حسنین کو اس کے بارے میں بتا نہیں کیا بتارہے تھے اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن ابی جان نے ہاتھ پکڑ کرا سے روک دیا۔

''اچھا چلو بیٹا اللہ حافظ۔'' فون بند کرنے کے بعد انہوں نے اسے بتایا کہ حسنین کے کچھ دوست ابی جان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے آنا چاہ رہے تھے کہ حسنین نے ان سب کو ڈنر پہ ہی انوائیٹ کرلیا، انہوں نے گل خان کو بتا کر رات کا مینو بتانا چاہا تو وہ جو ابی جان سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کررہی تھی خاموشی سے انہیں گل خان کی مدد کا اشارہ دے کر کچن کی طرف آگئی اور اس کی محبت و اپنائیت پر ابی جان بے ساختہ مسکرا دیئے، گل خان کو مصالحے وغیرہ نکالنے کا کہہ کر اس نے فریزر کھولا تو سامنے ہی مٹن چکن اور فش نظر آگئی، اس نے مٹن بریانی بنانے کا ارادہ کرکے بریانی کا مصالحہ تیار کرنا شروع کیا، مصالحہ تیار کرکے فش کو میرینٹ کیا اور ساتھ ہی چکن کو میرینیٹ کرکے اس کو اسٹیم بھی دے دیا، گل خان کو دودھ بوائل کرنے کا کہہ کر اس نے فریج میں سلاد کے لئے ساری سبزیاں نکال کر کاؤنٹر پہ رکھیں، ابی جان کے لئے اس نے چکن و جنجبیل سوپ کے ساتھ لائٹ سی چکن بھی فرائی کرلی تھی۔

''مناہل بیٹا!'' ابی جان جو تھوڑی دیر کے لئے باہر کا کہہ کر نکلے تھے پکین برابر میں رہنے والے پاشا صاحب کے ساتھ شطرنج کی بازی لگائے بیٹھے تو انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور وہ دو ڈھائی گھنٹے کے بعد واپس آئے تھے جب مناہل کا ڈنر آخری مراحل میں داخل ہونے لگا تھا۔

''دیکھو ذرا مجھے اپنی بچی سے باتیں کرنی تھیں اور کیا کیا پکالیا میری بچی نے۔'' اشتہا انگیز خوشبوؤں سے پورا کچن مہک رہا تھا۔

''کیا کیا بنایا بیٹا آپ نے اپنے ابی جان کے لئے۔'' انہوں نے شرارت سے اسے دیکھا کیوں کہ انہیں پتا تھا کہ یہ سب ان کے لئے کھانا منع ہے، وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اس لئے خود بھی ہائی فائٹ سے پرہیز کرتے تھے، لیکن اس وقت منائل کو تنگ کرنا بھی مقصود تھا، اس نے مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھا وہ بھی ان کی شرارت سمجھ گئی تھی۔

''آپ کے لئے وائٹ چکن اور جنجبیل سوپ تیار کیا ہے اور میٹھے میں کھیر تو ہے ہی اور حسنین بیٹا کے دوستوں کے لئے۔'' انہوں نے دعوت کا مینو پوچھا۔

''بریانی، چکن کٹ مصالحہ اور فرائی فش کے ساتھ مٹن قورمہ بھی تیار ہے۔'' اس نے قورمہ کے اندر آخر میں کیوڑہ کے چند قطرے ٹپکا کے ڈھکن بند کردیا تھا اور تیزی سے سلیب سمیٹنے لگی، ابی جان پھرتی سے اسے سلیب سمیٹتا دیکھ رہے تھے اور اسے اس گھر میں ہمیشہ لانے کی خواہش ایک بار پھر سر اٹھانے اور دل کی خواہش لبوں پر آنے لگی تھی کہ وہ سرعت سے مڑ گئے، ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی حسنین کی گاڑی رکنے کی آواز آئی اور اس کے پیچھے کے بعد دیگرے کئی گاڑیاں رکی تھی، منائل نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا تو وہ لوگ حسنین کی معیت میں ڈرائنگ روم میں داخل ہورہے تھے جہاں ابی جان ان سب کے ہی منتظر تھے، منائل نے سلاد کی ڈشز تیار کرنے گل خان کو سروسنگ ڈشز اور دوسرے برتن نکالنے کا کہا اور خود ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی اس نے ڈائننگ روم کی گلاس وال سے لان میں نگاہ ڈالی تو پورا لان موتیا گلاب اور چنبیلی کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا، بہار اپنے عروج پہ تھی اس نے ڈائننگ ٹیبل کے درمیان میں رکھے اس خالی اداس مگر خوبصورت ترین واز کو دیکھا اور مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی، تھوڑی دیر بعد کرسٹل کا وہ بلوری گلدان موتیا، گلاب اور چنبیلی کے خوبصورت پھولوں سے بچ گیا تھا اپنے وجود کے اس طرح سجنے پر اس بلوری گلدان نے مسکرا کر اسے دیکھا تو نہ جانے کتنے عرصے بعد منائل رحیم بے ساختہ ہنستی چلی گئی تھوڑی دیر بعد اس نے سروسنگ ڈشز لاکر رکھیں پوری ڈائننگ ٹیبل تیار تھی اب صرف حسنین اور اس کے دوستوں کو بلانا باقی تھا، قریب تھا کہ گل خان انہیں بلانے جاتا اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور خود کچن کی طرف بڑھ گئی تھوڑی دیر بعد جب وہ باہر آئی تو بڑی والی کینڈلز کا پورا پیکٹ تھا اس کے

ہاتھ میں اس نے گلدان کے اردگرد ایک خوبصورت سا دائرہ بنا دیا تھا کینڈلز کا اور کینڈلز جلا کر گل خان کو اشارہ کیا کہ وہ حسنین اور اس کے دوستوں کو بلا لائے اور خود وہ کچن کی طرف بڑھ گئی ابھی وہ اپنے لئے اور ابی جان کے لئے ٹرالی سیٹ کر رہی تھی جبھی اسے ملی جلی آوازیں سنائی دیں۔

''واؤ اٹس سو بیوٹی فل حسنین اتنا خوبصورت کینڈل لائٹ ڈنر کروانا تھا تو پہلے بتاتے میں اپنی گرل فرینڈ کو ہی لے آتا۔'' یہ شاہ میر کی آواز تھی اور اس کے مصنوعی گھر کنے پہ ڈائننگ ہال مردانہ قہقہوں سے گونج اٹھا اور کچن میں کھڑی مناہل مسکرا کر ٹرالی گھسیٹتی ابی جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، ابی جان کے ساتھ کھانا کھا کر وہ واپس کچن میں آئی اس نے کافی تیار کی اور ساتھ میں تھوڑی سی چائے تیار کر کے تھرماس میں بھر دی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس میں سے کون کافی پسند کرے گا اور کون چائے، شاہ میر کے بارے میں اسے اندازہ تھا کہ چونکہ وہ گاؤں سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وہ چائے کو ہر چیز پہ ترجیح دے گا جبکہ حسنین کافی کا شوقین تھا، ڈنر کے بعد بھی لوگ ڈنر اور اس کی پریزنٹیشن کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔

''ویسے حسنین یہ کس نیک دل پری نے کیا یہ تو ہمیں پتا ہے کہ ابی جان یہ سب کر نہیں سکتے تمہیں یہ سب آتا نہیں اور گل خان سے تو ایسا تصور ہی محال ہے۔'' شاہ میر کی آواز پر ڈائننگ روم میں داخل ہوتے گل خان فوراً بول اٹھا۔

''یہ ہماری مون باجی نے کیا ہے وہ بہت اچھی ہے اس نے ہمیں بھی بولا کہ گل خان میں تم کو پڑھاؤں گی اور سکھاؤں بھی سب کچھ۔'' گل خان مناہل کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا، جبھی حسنین نے اسے ٹوکا۔

''جاؤ گل خان دیکھو ابی جان بلا رہے ہیں تمہیں۔'' گل خان جی اچھا کہہ کر وہاں سے چلا گیا، جبھی شاہ میر جو اس سے کچھ پوچھنے والا تھا، اس کی نگاہوں کا مفہوم پا کر خاموش ہو گیا، تھوڑی دیر میں ہی وہ لوگ ادھر اُدھر کی اور پھر بزنس کی باتیں کرنے لگے۔

☆☆☆

شام کے سائے پر پھیلانے لگے تھے، قیصر آفندی پر ایک مرتبہ پھر خاموشی اپنے پر پھیلانے لگی تھی، لان میں بیٹھے حسنین نے آم کے درخت پر بیٹھی چوں چوں کرتی چڑیا کو دیکھا اور جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر کھڑا ہو گیا، اس نے کلائی موڑ کر ٹائم دیکھا پانچ بج رہے تھے، مناہل رحیم کے آنے کا یہ مخصوص ٹائم تھا اس سے پہلے کہ وہ آتی اور ابی جان کو نہ پا کر واپس چلی جاتی حسنین تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ اسے باہر ہی مل گئی۔

''السلام علیکم مس مناہل!'' حسنین نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو وہ جو اپنی سوچ میں مگن چل رہی تھی کہ آج ابی جان کو بتا دے گی کہ اس کا ویزہ آ گیا ہے حسنین کے سلام کرنے پر یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''وعلیکم السلام خیریت سے ہیں آپ۔'' اس کے سلام کے جواب میں مناہل نے بھی اس کی خیریت دریافت کی۔

''الحمدللہ آپ سنائیں۔'' چلتے چلتے دونوں واپس قیصر آفندی تک آ گئے تھے، جبھی حسنین نے کہا۔

''ابی جان گھر پر نہیں ہیں پاشا انکل کے گھر گئے ہیں، شطرنج کھیلنے ہو سکتا ہے وہیں سے پارک چلے گئے ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو مل کر پارک چلتے ہیں تھوڑی سی واک ہو جائے گی اور آپ ابی جان سے بھی مل لیجئے گا۔'' حسنین نے اسے ابی جان کے بارے میں بتانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی بھی آفر کر دی، مناہل نے خاموشی سے اسے دیکھا اور اوکے کہہ کر آگے بڑھ گئی، کچھ دیر خاموشی سے چلنے کے بعد حسنین نے کہا۔

''میں آپ کو اسپیشلی تھینکس کہنے والا تھا۔''

''کس لئے؟'' مناہل نے ہوا سے سرسراتے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

''ابی جان کی اتنی کیئر کرنے اور میرے فرینڈز کو اتنا خوبصورت کینڈل لائٹ ڈنر کروانے کے لئے۔''

''اس میں تھینکس کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے میں نے جو کچھ بھی کیا ابی جان کے لئے کیونکہ آفٹر آل میں ابی جان سے بہت محبت کرتی ہوں۔'' اس نے نہ جانے کس رو میں اعتراف کیا تھا۔

''آپ کا ویزہ آ گیا؟'' حسنین نے ایک بار پھر سوال کیا تو مناہل نے حیرت سے اسے دیکھا اس کے ساتھ مناہل کی اتنی بے تکلفی تو کبھی نہ تھی، آج اسے کیا ہو گیا تھا جو وہ سوال در سوال کر رہا تھا، پھر جی کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''اور ٹکٹس؟''

''جی ایک ہفتے بعد کی آئی ہیں۔'' مناہل نے خود ہی تفصیلی جواب دیا۔

''لیکن پلیز آپ ابی جان کو مت بتائیے گا۔'' اس نے حسنین کو تنبیہہ کی۔

''اوکے لیکن آپ اتنی اچھی ڈاکٹر ہیں تو آپ کو اسپیشلائزیشن کی کیا سوجھ گئی اور اگر آپ چاہیں تو آپ اسپیشلائزیشن کے لئے کچھ عرصے بعد بھی جا سکیں گی (میرے ساتھ ہنی مون بھی منا لیجئے گا)۔'' حسنین نے دل ہی دل میں آخری جملہ کہا۔

''وہ کس لئے۔'' مناہل نے سوال کیا تو حسنین گڑبڑا گیا، (میرے دل کی خوشی کے لئے) حسنین نے پہلا جملہ دل میں کہا اور بولا۔

''نہیں وہ ابی جان آپ سے بہت زیادہ اٹیچ ہو گئے ہیں ناں تو وہ آپ کے اتنی دور چلے جانے کا سن کر اداس ہو گئے ہیں۔'' (اور میں بھی اور نہ جانے کب یہ واردات میرے دل پر ہوئی مجھے خبر نہ ہو سکی)۔

''ہم م م...... اداس تو میں بھی ہو جاؤں گی لیکن اسپیشلائزیشن میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے اور میں اس خواب کو ضرور پورا کرنا چاہتی ہوں۔'' مناہل نے آسمان کی وسعتوں پر نگاہ جماتے ہوئے کہا وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کب پارک پہنچے پتا ہی نہیں چلا سامنے ہی ابی جان پاشا انکل کے ساتھ کھڑے باتیں کر رہے تھے، ان دونوں کو ساتھ آتے دیکھا تو یکدم چونک گئے حسنین کے چہرے پہ ایک انوکھی سی مسکراہٹ تھی ایسی مسکراہٹ جسے دیکھنے کے لئے وہ ایک عرصے سے بے تاب تھے۔

''السلام علیکم ابی جان اور پاشا انکل۔'' مناہل نے دونوں کو ساتھ سلام کرتے ہوئے ان کے آگے سر جھکایا تو ابی جان کے ساتھ پاشا انکل بھی سلام کے جواب کے ساتھ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر دعا دی تھی، حسنین نے بھی اس کی تقلید کی تو ابی جان کو ایک حیرت نے گھیر لیا ان کا یہ نخریلا اور حساس پوتا اس کیوپڈ کا شکار ہو گیا تھا جسے عرف عام میں محبت کہتے ہیں، شام گہری ہو چکی تھی اس لئے متفقہ رائے یہی تھی کہ قیصر آفندی مل کر چلتے ہیں اور پھر ایک لمبی نشست کے ساتھ مل کر کافی پیتے ہیں مناہل اور حسنین تو ان کی رائے پر متفق تھے، لیکن پاشا صاحب نے پھر بھی مل کر

بیٹھنے کے وعدہ پر اپنے گھر کی راہ لی تھی، واپس آنے کے بعد مناہل نے سب سے پہلے کافی بنا کر ان دونوں کو سرو کی کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہی اس نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے اس نے ابی جان سے جانے کی اجازت مانگی تو وہ اسے کھانے پر رکنے کا اصرار کرنے لگے دس بجے اس کا ڈیوٹی ٹائم شروع ہوتا تھا آج اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی حسنین نے بھی اسے ڈنر ساتھ کرنے کا کہا تو وہ ان دونوں کے اصرار پر رک گئی۔

گل خان لاؤنج میں ہی ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا، ابی جان نے اس سے پوچھا گل خان کھانے میں کیا پکایا ہے۔

''بھنڈی پکائی تھی صاحب۔''

''نہیں۔'' ابی جان نے دل پہ ہاتھ رکھ کر مصنوعی دہائی دی تو وہ ان کی ایکٹنگ پر ہنستی چلی گئی۔

''آپ ہارٹ اٹیک کو آواز نہ دیں ابی جان میں آپ کو اچھا سا ڈنر کروا دیتی ہوں۔'' مناہل نے انہیں اوپن آفر کی۔

''دل خوش کر دیا میری بیٹی نے اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے سدا آباد رہو۔'' آمین کی زوردار آواز پر ان دونوں کے ساتھ حسنین نے بھی چونک کر دیکھا تو ان تینوں کے ایک ساتھ دیکھنے پر گل خان یکدم جھینپ گیا اور اس کے جھینپنے پر مناہل ایک بار پھر ہنس دی۔

اور گل خان کو کچن میں چلنے کا اشارہ کر کے خود بھی کچن کی طرف بڑھ گئی، اس نے فریزر کھول کر دیکھا سامنے ہی مٹر اور چکن رکھی ہوئی تھی، اس نے مٹر پلاؤ کے ساتھ چکن کڑاہی بنانے کا ارادہ کیا، کیونکہ اس کے پاس ٹائم کم تھا اور مینو بھی اچھا بنتا تھا، جس وقت وہ کھانا بنا کر فارغ ہوئی ہاسپٹل سے ایمرجنسی کال آ گئی وہ گل خان کو بتا کر اور اسے ٹیبل پہ کھانا سیٹ کرنے کی ہدایت دے کر لاؤنج میں آ کر اس نے ابی جان کو ایمرجنسی کال کا بتایا تو وہ اسے کھانے کے لئے اصرار بھی نہ کر سکے اس کے جانے کے بعد ابی جان کچن کی طرف بڑھ گئے اپنی نگرانی میں انہوں نے گل خان سے مناہل کے لئے کھانا پیک کروا لیا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اب اسے کتنی دیر کھانے پینے کی ہوش نہیں رہے گی کھانا پیک کروا کر انہوں نے گل خان کو کھانا لگانے کا کہا وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اس لئے انہیں بھوک کا احساس ہوتے ہی فوراً کھانا کھانا پڑتا تھا، حسنین جو اتنی دیر سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا ان کی فکر مندی پر یکدم بول اٹھا۔

''ابی جان آپ آرام سے کھانا کھائیں میں خود جا کر کھانا دے آؤں گا۔''

''تم۔'' ابی جان نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

''جی میں بذات خود۔'' اس نے بھی انہیں مصنوعی ناراضگی دکھائی تو وہ ہنس دیئے۔

''ویسے ابی جان جن محترمہ کی آپ اتنی فکر کر رہے ہیں وہ اگلے ہفتے کی فلائٹ سے لندن جا رہی ہیں اسپیشلائزیشن کے لئے۔'' حسنین نے بم پھوڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ نہ سہی مگر ابی جان ضرور کامیاب ہو جائیں گے اسے روکنے میں اور وہ اسے کیوں روکنا چاہتا تھا، وہ مناہل رحیم کو اپنے آس پاس کیوں ہر وقت دیکھتے رہنا چاہتا تھا، یہ وہ خود بھی نہ سمجھ پا رہا تھا۔

''اگلے ہفتے۔'' ابی جان کو یکدم شاک لگا تو اس خبر پر انہوں نے خاموشی سے کھانے پہ سے ہاتھ کھینچ لیا وہ کھانا جو انہوں نے فرمائش سے بنوایا تھا وہی کھانا اب کے حلق سے اترنا مشکل ہو گیا

تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' انہوں نے حسنین پہ کچھ بھی نہ ظاہر ہونے دیا لیکن وہ درحقیقت سن کر شاکڈ ہو گئے تھے کہ کیا خواب دیکھ لیے تھے انہوں نے مناہل اور حسنین کے حوالے سے اور اس وقت ڈائننگ چیئر پہ بیٹھے بیٹھے انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ مناہل کو لندن جانے سے روک لیں گے چاہے اس کے لئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے اور یہی سوچ کر انہوں نے حسنین کو جانے سے منع کر دیا تھا اور خود ہی ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

خلیل جبران کہتا ہے۔

''محبت صنوبر کے درخت کے شاخوں کی طرح دل سے شاخ در شاخ پھوٹتی ہے کچھ روز بعد وہاں سے ایک نئی کونپل پھوٹتی ہے سو میرے لئے محبت صنوبر کے درخت کی مانند ہے، تمہارا کیا خیال ہے ماریہ۔'' مناہل نے خلیل جبران کی کتاب ''ٹوٹے ہوئے پر'' کو سامنے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''خیریت تمہیں کیسے یاد آ گئی خلیل جبران کی۔'' ماریہ نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

''تم سے جو بات پوچھی جائے اس کا جواب دینا ہے تو دو ورنہ خاموش رہو۔'' مناہل نے اس کی طرف دیکھا تو ماریہ جو بغور اس کو دیکھ رہی تھی نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے بولی۔

''میں تو ابھی محبت کی منکر ہوں اور میں خلیل جبران سے بھی سو فیصد متفق ہوں مگر میرا خیال ہے کہ مناہل رحیم نہ صرف اس خیال سے متفق نہیں بلکہ دل میں پھوٹنے والی اس روشن کونپل کو بھی قبول کرنے پر تیار نہیں جس نے اس کی آنکھوں کو ایک نئی چمک اور چہرے کو خوبصورتی عطا کر دی ہے۔'' ماریہ نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے سنجیدہ قسم کا تجزیہ کیا تو مناہل اس کے اتنے درست تجزیے پر ہکا بکا رہ گئی اور اثبات میں سر ہلانے کے بجائے ٹیبل پہ رکھی کتاب کو بلاوجہ کھولنا اور بند کرنا شروع کر دیا، کمرے میں پھیلی خاموشی اس بات کی گواہ تھی کہ ماریہ نے جو کچھ کہا وہ حقیقت ہے لیکن اسے قبول کرنا مناہل رحیم کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

وہ اٹھ کر تیزی سے دروازہ کی طرف بڑھی تو پیچھے سے آتی ماریہ کی آواز نے اس کے قدموں کو روک دیا، نظریں چرانے اور فرار حاصل کرنے سے حقیقت نہیں بدلتی مناہل مان لو کہ ابی جان کے ساتھ ساتھ تم حسنین آفندی کی بھی چاہ میں بھی گرفتار ہو، اس نے پر خلوص انداز میں مناہل کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ دروازہ پر رکھے اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو ماریہ کہ میں کسی بھی انہونی صورتحال کا سامنا نہیں کرنی چاہتی کیونکہ میں نے زندگی میں بہت سے پیاروں کو کھویا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور باہر کھڑے ذکاء اللہ آفندی جو سب کچھ سن کر شاکڈ کھڑے تھے یکدم دروازہ کھلنے کی آواز پر بیدار ہو گئے، دروازہ کھول کر مناہل جوں ہی باہر نکلی تو باہر کھڑے ذکاء اللہ آفندی کو دیکھ کر یکدم ٹھٹک گئی اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس وقت اس کے ہاسپٹل آ جائیں گے اور اس پر مستزاد سب کچھ سن بھی لیں گے ان کی آنکھوں میں شکوہ تھا اس بات کا کہ اس نے انہیں کیوں نہیں بتایا اور دکھ اس بات کا تھا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی وہ ان محبتوں سے منہ موڑنا چاہتی ہے۔

''ابی جان آپ اس وقت۔'' وہ ان کی

آنکھوں سے چھلکتے شکوے اور چہرے پہ لہراتے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"اگر اب بھی نہ آتا مون تو پھر کب آتا جب تم میری اور حسنین کی محبتوں سے منہ موڑ کر ہمیں چھوڑ کر چلی جاتیں مجھ بوڑھے پر ترس کھاؤ بچے میری آنکھوں کے خواب ہو تم دونوں میرے کلیجے کی ٹھنڈک ہو، مجھ بوڑھے کو یوں بے موت نہ مارو مون۔" انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تھے، مناہل نے تڑپ کر ان آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں میں سمیٹا اور ان سے لپٹ کر خود بھی رو دی، وہ اسے باہوؤں میں سمیٹے اس کے بالوں کو سہلاتے خود بھی رو رہے تھے، تھوڑی دیر بعد ماریہ نے ہی آگے بڑھ کر ان دونوں کو الگ کیا تھا، وہ جانتی تھی ذکاء اللہ آفندی ہارٹ پیشنٹ تھے وہ انہیں تھام کر اندر لائی انہیں چیئر پہ بٹھایا اور روم فریج سے دو جوس نکال کر ایک پیکٹ ایمن کی طرف بڑھایا اور دوسرا ٹیبل پر رکھ دیا، اس نے خود آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے انہیں جوس پلایا اب صورتحال یہ تھی کہ وہ ان کو خود تو جوس پلا رہی تھی لیکن آنسو بارش کی طرح قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

ماریہ نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا اور کمرہ لاک کر کے باہر آ گئی، وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے خود ہی سب کچھ شیئر کر لیں گے انہوں نے خاموشی سے جوس پیا اور جوس پی کر انہوں نے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں اس کے شفاف چہرے کو تھاما تو دو آنسو ان کے ہاتھوں میں آن گرے جسے انہوں نے مقدس شے کی طرح تھام لیا، اس کی پیشانی چومی اور اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر اسے اپنے پاس بٹھایا اس عرصے میں وہ اپنے آپ کو کمپوز کر چکے تھے۔

"مناہل بیٹا اپنی جان کو نہ بتاؤ لیکن اپنے بیسٹ فرینڈ کو تو بتا دو کہ تم سب کچھ جانتے بوجھتے محبتوں سے منہ موڑ کر کیوں جانا چاہتی ہو، ایسا کیا راز ہے کہ تم لندن کی اجنبی فضاؤں میں گم ہو کر اپنے آپ کو بھی کھو دینا چاہتی ہو۔" مناہل نے حیرت سے انہیں دیکھا کتنا صحیح تجزیہ کیا تھا انہوں نے اس کے بارے میں، یہی تو وہ چاہتی تھی فرار اپنے آپ سے بھی اسے لگا کہ انہوں نے اس کا دل بھی پڑھ لیا اور اپنی ذات کے اتنے گہرے تجزیے پر وہ ان کی محبت پر حقیقتاً ایمان لے آئی تھی اور پھر وہ خاموش نہ رہ سکی تھی۔

☆☆☆

شیخ عبدالرحیم کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا، ان کا ایک بیٹا شہریار تھا اور ایک بیٹی عفرہ تھی، ان کی بیگم ریحانہ گھریلو خاتون تھیں بہت خوشحالی نہ تھی تو بہت تنگی بھی نہ تھی، وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہا تھا، ایک بیٹی اور ایک بیٹے کے بعد خدا نے ایک بار پھر اپنی رحمت مناہل کی صورت میں نوازا تھا، مناہل پیدائش کے وقت بہت کمزور تھی جبھی اس کو مستقل انکوبیٹر میں رکھا جا رہا تھا، لیکن دن بدن بڑھتے اکھڑتے سانس کی وجہ سے ڈاکٹر اس کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تھے اور ڈاکٹرز نے شیخ عبدالرحیم کے ساتھ ان کی اہلیہ ریحانہ بیگم اور ان کی والدہ سے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کے بچنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہے اگر مزید دو دن بچی میں زندگی کے آثار نظر آئے تو ٹھیک ورنہ اس کو فارغ کر دیا جائے گا اور وہ دن ایک ماں کے آنسوؤں اور دوسری ماں کے طویل سجدوں پر عرش سے اترنے والے فرشتوں نے اس کی طرف بڑھتی موت کو پیچھے دھکیل کر اس نے زندگی کی گود میں ڈال دیا، لیکن اس کو زندگی ملنے کے باوجود ریحانہ بیگم اس کی طرف سے اتنا ڈر گئی

تھیں کہ انہوں نے اسے اپنی ماں کی گود میں یہ کہہ کر ڈال دیا کہ یہ آپ کے طویل سجدوں اور دعاؤں کا اعجاز ہے، وقت کا کام گزرنا تھا سو گزرنے لگا۔

اماں جانی نے اس کو حقیقتاً آنکھ کا تارا بنا کر رکھا تھا بے انتہا لاڈ و پیار کے ساتھ اس کی ہر فرمائش کو پورا کرنا فرض کیا تھا گویا لیکن زمانہ لاڈلوں کے ساتھ کبھی بھی لاڈ بھرا سلوک نہیں کرتا یہ بات وہ نہیں جانتی تھی، اس کا ایف ایس سی کا رزلٹ آیا جب اماں جانی (نانو) خالق حقیقی سے جا ملی تھیں، وہ اس خوشی کو مکمل طور پر محسوس بھی نہ کر پائی تھیں اور اماں جانی سے ملنے والی محبتوں کو مکمل طور پر جذب بھی نہ کر پائی تھی اسے لگا وہ ٹوٹ جائے گی ایک تو اماں جانی کی جدائی اور پھر اپنے آنگن سے بھی جہاں وہ اپنی گڑیا سے کھیل کر بڑی ہوئی تھی، جدائی انسانوں کی ہو یا مٹی سے بنے در و دیوار کی جان لیوا ہی ہوتی ہے، اسے ایف ایس سی میں اسکالرشپ ملا تھا، وقت لگا تھا اسے اپنے آپ کو سنبھالنے میں، لیکن آخر میں اس نے اپنے آپ کو سنبھال ہی لیا تھا، وقت دوبارہ اپنی رفتار سے چلنے لگا تھا اسے ڈاکٹر کی ڈگری ملی تو ماما جانی اسے چھوڑ کر دنیا سے چلی گئیں، اسے لگا کہ اسے خوشیاں راس نہیں شاید جب بھی اسے زندگی کی کوئی بڑی خوشی ملتی تو کوئی اپنا اسے چھوڑ کر چلا جاتا، ڈاکٹر بننے کے بعد اسے شہر کے نامور ہاسپٹل سے ہاؤس جاب کی آفر آئی تھی سو اس نے قبول کر لی اور یوں وقت ایک بار پھر رواں ہو گیا، اس کا ہاؤس جاب چل رہا تھا کہ پاپا جانی شدید بیمار پڑ گئے، اس نے ان کی خاطر جاب چھوڑنی چاہی، لیکن انہوں نے منع کر دیا اور وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا اس کے اندر خوف کنڈلی ڈال کر بیٹھ گیا تھا، اس کا ہاؤس جاب کمپلیٹ ہو گیا تھا اور اسی ہاسپٹل کے ایگزیکٹو نے اسے اپنے ہاسپٹل میں جاب آفر کی تھی، جسے اس نے کچھ پس و پیش کے بعد قبول کر لیا تھا وہ اس کی جاب کا پہلا دن تھا جب اس کے باپ کی حالت بگڑی وہ ان کو اسی ہاسپٹل میں لائی تھی لیکن نہیں جانتی تھی کہ خوف حقیقت کا روپ دھارنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہے اور اس کی جاب کے پہلے ہی دن اس کے پاپا جانی بھی اسے چھوڑ کر چلے گئے اور یوں وہ مکمل طور پر گوشہ نشین ہو گئی اس کی زندگی کا محور جاب اور گھر ہو گیا، اس کے کسی بھی ساتھی ڈاکٹر کو کوئی بھی ایمرجنسی ہوتی وہ اسے ہی یاد کرتا اور وہ دل و جان سے نہ صرف تیار ہو جاتی بلکہ اسے غنیمت سمجھتی تھی کہ وہ کام میں گم رہے گی تو وہ یادوں سے بھی محفوظ رہے گی، ذکاء اللہ آفندی سے دوستی کرنے میں بھی مناہل کا کوئی کمال نہ تھا بلکہ یہ دوستی ذکاء اللہ آفندی کی ہی کاوشوں کا نتیجہ تھی، مناہل نے ان سے کترانے کی بہت کوشش کی لیکن پھر ان کی محبتوں کے آگے ہار گئی تھی، حسنین آفندی کی آنکھوں کی چمک سے وہ انجان نہ تھی لیکن انجان بن جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ ان دونوں کے ساتھ کچھ بھی برا ہو یہی وجہ تھی کہ جب ان کی محبتوں کی زنجیریں اس کے گرد کسنی شروع ہوئیں تو اس نے لندن جانے کے لیے سر توڑ کوششیں شروع کر دیں اور یہی وجہ تھی کہ آج وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی، اس نے سوچا کہ وہ چلی جائے گی تو وہ کچھ ہی عرصے میں وہ دونوں اسے بھول جائیں گے لیکن وہ غلط تھی وہ اس سے صرف محبت ہی نہیں کرنے لگے تھے بلکہ وہ دونوں اس کے عادی ہو چکے تھے، عادتیں بھی کبھی جان لیوا ہو جاتی ہیں، اس بات سے مناہل رحیم انجان تھی، آنسوؤں کے بیچ اپنے بارے میں سب کچھ بتانے کے بعد

وہ نجانے کب ان کے کاندھے پر سر رکھ کر سو گئی اسے خود بھی پتا نہ چلا اور اس کے خوف کو سوچتے ہوئے ذکاء اللہ آفندی نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ نہ صرف اس کے خوف کو ختم کریں گے بلکہ بہت جلد اسے حسنین سے منسوب کر کے اس کے ساتھ ہی لندن چلے جائیں گے تاکہ وہ لندن کی آزاد فضاؤں میں گھوم پھر کر اپنے اس خوف کو باہر نکال سکے جو نجانے کب سے اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا تھا۔

☆☆☆

رات کے دس بج رہے تھے نکاح ہو چکا تھا سب لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے اور اپنی خوشی و سرمستی میں سب ہی لان میں آ گئے جہاں ریفریشمنٹ کا انتظام کیا گیا تھا، منابل کی شادی پر پورا اسٹاف ہی نہیں آیا تھا بلکہ اس کے سینئرز کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی آئے تھے جو اس کے زیر علاج تھے لیکن وہ لوگ اپنی بیماری بھلا کر اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی میں شرکت کرنے آئے تھے، ذکاء اللہ آفندی بہت خوش تھے وہ فرداً فرداً سب سے مبارکباد وصول کر رہے تھے۔

کمرے میں اب صرف وہ تنہا رہ گئی تھی اسے صبح کا وہ منظر یاد آیا جب وہ ذکاء اللہ آفندی کے کاندھے پہ سر ٹکائے ہی سو گئی تھی جب وہ سو کر اٹھی تو ذکاء اللہ آفندی نے اسے سمجھایا کہ کسی بھی انسان کی زندگی یا موت یا اس کو ملنے والا غم یا خوشی کسی دوسرے انسان کے اعمال سے ہرگز مشروط نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ ہوتی ہے، اس کی اماں جانی اور ماں باپ کی موت ان کے مقرر کردہ وقت اور ان کے اعمالوں سے مشروط تھی نہ کہ منابل کے اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا اور اگر خدا نے اس سے یہ رشتے لے کر اسے آزمائش میں ڈالا ہے تو وہ یقیناً اس کے خاص بندوں میں شمار ہو گئی اور خدا کسی کو ساری زندگی خوشیاں نہیں دیتا اور نہ کسی کو ساری زندگی غم کی دور اور مدنی دور ہر انسان کی زندگی سے مشروط ہوتا ہے بس خدا سے ہمیشہ یہی دعا کرنی چاہیے اگر ہمیں ہمارا مکی دور (یعنی آزمائش) دے تو صبر کے ساتھ گزارنے والا بنائے تاکہ جب ہمارا مدنی دور (یعنی خوشیاں) دی جائے تو ہم مکی دور کو یاد کر کے مدنی دور گزارتے ہوئے زیادہ شکر گزار بن جائیں اور اب منابل کی آزمائشوں کا دور گزر چکا ہے خوشیاں ہاتھ باندھے اس کے سامنے آ کھڑی ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لے اور زندگی کے رنگوں سے محبتوں اور خوشیوں کے رنگ وصول کرے اور اس نے ان کی اس بات سے انکار نہیں کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ آج وہ پور پور بھی حسنین آفندی کے انتظار میں تھی۔

☆☆☆

دروازے پر آہٹ ہوئی اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا حسنین آفندی اس کے سامنے کھڑا تھا سفید کرتا شلوار میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا منابل رحیم نے جانے کس سوچ میں گم تھی جبھی حسنین آفندی اس کے قریب آ گیا، اس نے پہلے جھک کر اس کے نرم و گداز ہاتھوں کو تھام کر لبوں سے لگایا پھر بولا۔

”منابل رحیم آپ کا یہ احسان جو آپ نے مجھے اس زنجیر (نکاح) سے باندھ کر مجھ پر کیا ہے میں ساری زندگی نہیں بھولوں گا اور آج اس احسان کے بدلے میں حسنین آفندی پورے ہوش و حواس میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ کی خواہش کے بدلے میں ہر خواہش آپ کی پوری کرنا مجھ پر عین فرض ہے کیونکہ۔“

محبت پھول ہے جاناں
کہو تو پھول بن جاؤں
تمہاری زندگی کا ایک
حسین اصول بن جاؤں
سنا ہے ریت پہ چل کے
تم اکثر مہک جاتے ہو
کہو تو اب کی بار میں
زمین کی دھول بن جاؤں
بہت نایاب ہوتے ہیں
جنہیں تم اپنا کہتے ہو
اجازت دو کہ میں بھی
اس قدر انمول بن جاؤں

اس کے گمبھیر لہجے سے چھلکتی محبت پر منابل رحیم کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

”یہ احسان نہیں حسنین بلکہ ابی جان کی خواہش تھی اور محبت بھی، محبتوں میں احسان نہیں کیے جاتے بلکہ تکمیل کی جاتی ہے۔“

”اور آپ کی؟“ حسنین نے بے ساختہ کہا تو اس کی اس بے ساختگی پر منابل نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر بولی۔

میرا بوجھ خود اٹھانا میرے دائرے میں رہنا
مجھے اپنے دل میں رکھنا میرے حافظے میں رہنا
میرے منظروں میں بسنا میری گفتگو میں رہنا
میرے لمس میں رہنا میرے ذائقے میں رہنا
میرا حکم خود سنانا میری مہر خود لگانا
میرے مشورے میں ہونا میرے فیصلے میں رہنا
کسی دھوپ کے نگر میں میرا ساتھ نہ چھوڑنا
کبھی میرا عکس بن کر مرے آئینے میں رہنا
کبھی منزلوں کی صورت میری دسترس سے باہر
کبھی سنگ میل بن کر میرے رستے میں رہنا
مرے ہاتھوں کی لکیریں تیرا نام بن کے چمکیں
مرے خواہشوں کی خوشبو میرے ذائقے میں رہنا

اتنا خوبصورت اعتراف سن کر حسنین آفندی شاکڈ رہ گیا تھا اور منابل اس کو اتنا شاکڈ دیکھ کر کے بے ساختہ ہنستی چلی گئی اور اس کی ہنسی کی آواز پر اندر آتے ذکاء اللہ آفندی نے محبت سے ان دونوں کو دیکھا اور ان کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگتے واپس مہمانوں کی طرف مڑ گئے۔

☆☆☆

محبت خوش گمان ہے

فرحت انصاری

دوسری قسط

''فاخرہ تم کھانا جلدی بنالو، میں نہا کر آتی ہوں۔'' صالحہ نے کچن میں جھانکا، فاخرہ قیمہ کریلے بنا رہی تھی، صالحہ کو قیمہ کریلے بے حد پسند تھے، ان کی طبیعت ناساز تھی فاخرہ نے ان کے لئے چکن کی یخنی اور چکن کڑاہی بنائی تھی، صالحہ قیمہ کریلے کھانے پر بضد تھیں، فاخرہ نے سر مصروف انداز میں ہلا دیا۔

''امی ابھی تک نہیں آئی ہیں۔'' فاخرہ سالن بنا چکی تھی، اسے روٹیاں نوشینہ کے آنے کے بعد بنانا تھی نوشینہ کو گرم روٹی پسند تھی، صالحہ کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی، فاخرہ روٹی بنانے لگی نوشینہ کے آنے کا بھی وقت ہو چکا تھا، فاخرہ کو تشویش ہونے لگی، نوشینہ بھی آ گئی، منزہ اس کے ساتھ ہی اوپر آ گئی، فاخرہ تشویش زدہ سی واش روم کے بند دروازے کو گھور رہی تھی، منزہ نے حیرانگی سے پوچھا تو فاخرہ تشویش زدہ روہانسی ہو گئی۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' منزہ نے واش روم سے کان لگایا، اندر پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

''امی!'' منزہ کو گھبراہٹ ہونے لگی، اس نے بے چینی سے آواز لگائی، نوشینہ اور فاخرہ دروازے کو ٹٹولنے لگیں، ان کے واش روم کی کنڈی کچھ روز سے ڈھیلی تھی فاخرہ نے زوردار دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔

''امی!'' سامنے کے دلخراش منظر کو دیکھ کر تینوں کے حلق سے زوردار چیخیں نکل گئیں، وہ تیزی سے اندر گھس گئیں صالحہ فرش پر بے ہوش پڑی تھیں اور ان کے ناک سے خون کی ہلکی دھار بہہ کر جم چکی تھی، صالحہ نہا کر فارغ ہوئیں تو انہیں زوردار چکر آ گیا تھا وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑیں وہ تینوں انہیں اٹھا کر بیڈ تک لائیں ان کے کپڑے گیلے ہو چکے تھے، فاخرہ اور منزہ نے ان کے کپڑے بدلوائے، نوشینہ بھائیوں کو فون کرنے بھاگی تھی۔

مکمل ناول



''کیا ہوا امی کو؟'' گھنٹہ بھر میں وہ تینوں بھی آ گئے، صالحہ ہنوز بے ہوش تھیں، نوشینہ کا رو رو کر برا حال تھا، صالحہ نے اسے زمانے کے ہر سرد و گرم سے بچایا تھا، وہ ماں کی دگرگوں حالت دیکھنے کی سکت نہ رکھتی تھی، صالحہ کو فوراً اسپتال لے جایا گیا جہاں انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا، نوشینہ ساتھ تھی، صالحہ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی، ان کی حالت انتہائی سیریس تھی۔

''ڈاکٹر!'' وہ چاروں بہن بھائی آئی سی یو کے باہر تھے، کافی دیر بعد ڈاکٹر آئی سی یو سے باہر نکلا، نعیم بھیا بے تابی سے ڈاکٹر کی طرف لپکے۔

''پیشنٹ کی کنڈیشن بے حد سیریس ہے، آپ دعا کریں۔'' ڈاکٹر کے لہجے سے مایوسی جھلک رہی تھی نوشینہ کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

''پیشنٹ نے ٹینشن لی ہے جس سے ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے، زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے آپ دعا کریں۔'' ڈاکٹر پیشہ ورانہ لہجے میں تسلی دے کر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

مسز نیازی کا فون آیا تھا، وہ سارا کا رشتہ مانگنے کے لئے آنا چاہتی تھیں انہوں نے گھر کا ایڈریس پوچھا تھا، سارا کے پاؤں مارے خوشی کے زمین پر نہ ٹک رہے تھے، اسے لگ رہا تھا جیسے اس نے دو جہانوں کی خوشیاں پا لی ہوں، بھیا نے انہیں گھر کا ایڈریس سمجھا دیا تھا، وہ سارا کی ضد سے ہار گئے تھے، سارا کی دھمکی خاصی کارگر ثابت ہوئی تھی، بھیا نے مسز نیازی کو اسی روز شام کو بلوا لیا تھا۔

کنزی آپی بھی بھیا کے اصرار پر آ گئیں ورنہ ان کا آنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، اگر صالحہ آنٹی ہاسپٹل ایڈمٹ نہ ہوتیں تو وہ منزہ کو آنے کا کہتی، مسز نیازی نے اپنا مدعا بیان کیا تو بھیا نے رسماً بھی سوچنے کی مہلت نہ مانگی، انہوں نے مسز نیازی کی زبانی جواد کا بائیو ڈیٹا سن کر ہاں کر دی تھی، جواد کی دونوں بہنیں بھی آئی تھیں انہیں سارا بے حد پسند آئی تھی، وہ سارا سے جلد گھل مل گئی تھی، خوشی سارا کے انگ انگ سے چھلک رہی تھی۔ ''سارا اللہ کرے تجھے خوشیاں راس آ جائیں۔'' بھیا نے اس کے سر پر پر شفقت ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی۔

''بھیا پلیز مجھے کوئی بد دعا نہ دیں۔'' سارا برا مان گئی اس نے خفگی سے منہ پھلا لیا، بھیا اسے رنجیدہ نظروں سے دیکھ کر رہ گئے، وہ خود غرضی کی نہ جانے کس منزل پر تھی کہ اسے کسی کے آنسوؤں یا آہوں کی قطعاً کوئی پروا نہ تھی۔

☆☆☆

''منزہ تم نے اچھا نہیں کیا میری نوشینہ کے ساتھ۔'' صالحہ کو اگلے روز ہوش آ گیا تھا ان کی طبیعت نہ سنبھلی تھی وہ آئی سی یو میں ایڈمٹ تھیں ڈاکٹرز نے ان کے اصرار پر سب کو صالحہ سے مختصر ملاقات کی اجازت دے دی تھی، باری باری سب اندر جاتے اور تھوڑی دیر بعد واپس آ جاتے، منزہ اندر گئی تو انہوں نے منہ پھیر لیا، منزہ ان سے خود ہی باتیں کر کے جانے لگی تو انہوں نے رندھے لہجے میں شکایت کی، منزہ کے قدم زمین میں جکڑ گئے وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی صالحہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی، کچھ بھی پوشیدہ نہ رہا تھا، بعض ادھوری باتیں اپنے اندر مکمل مفہوم چھپائے ہوتی ہیں، صالحہ کی آنکھوں میں گلہ تھا۔

''جی امی، آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔'' صالحہ کی آواز سرگوشی نما تھی، وہ انجان بننے سے

ان کی بات ان سنی کرتی معصوم بن گئی، صالحہ کو مسز نیازی کی زبانی حقیقت کا علم نہ ہوا ہوتا تو وہ منزہ کی معصومیت پر یقین کر بیٹھتیں۔

''نہیں بیٹا، تم جاؤ، میرے لئے اللہ کافی ہے۔'' صالحہ نے دھیمی آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ کیا، منزہ لرز گئی، اسے اللہ کی پکڑ سے ڈر نہ آیا تھا اسے صرف یہ خوف تھا کہ اس کے بعد وسیم کی باری تھی، اگر انہوں نے وسیم سے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو منزہ کو ان کی پارک میں دیر لگنے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی، وہ یقیناً مسز نیازی سے ملی ہوں گی ان کی زبانی اصل حقیقت جان کر ان کی طبیعت خراب ہوئی ہو گی، وہ گھر میں بھی بجھی بجھی اور اس سے کھنچی کھنچی رہی تھیں۔

''منزہ تم کیوں آگ سے کھیل کر اپنی خوشیوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر رہی ہو۔'' اس کے کانوں میں بھیا کی آواز گونجی، بھیا اسے اسی برے وقت سے بچانا چاہتے تھے مگر وہ انتقام میں اتنا اندھی ہو چکی تھی کہ اس نے انجام سے بے خبر بجز کتے شعلوں میں چھلانگ لگا دی تھی، وہ سہم گئی تھی۔

''میں تم لوگوں کا دشمن نہیں ہوں، مجھ سے بڑھ کر کسے خوشی ہو گی کہ تم چاروں اپنے گھروں میں شاد و آباد رہو۔'' اسے بھیا کی تنبیہ بھی یاد آئی تھی، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا، وقت مٹھی سے پھسل چکا تھا۔

''میں امی سے کوئی بہانہ کر لوں گی۔'' وہ خود کو بہلا چکی تھی، اس کا ذہن کوئی معقول بہانہ ڈھونڈ رہا تھا، ایسا بہانہ کہ صالحہ اسے نہ جھٹلا سکیں۔

''امی!'' اس کے شاطر ذہن میں فوراً بہانہ آ گیا، صالحہ نے اس کی بات سنے بغیر آنکھیں موند لیں، وہ اس کی بات تک سننے کی روادار نہ تھیں، وہ مردہ قدموں سے پلٹ گئی۔

☆☆☆

''امی کب تک صحت یاب ہوں گی وسیم؟''

صالحہ کے پاس صبح فاخرہ، سہ پہر کو نوشینہ اور منزہ اور رات کو بھائیوں میں سے کوئی ٹھہرتا تھا، آج ندیم کی ڈیوٹی تھی، وسیم، فاخرہ، نوشینہ اور منزہ کے ساتھ رات کو گھر آ گیا تھا، گھر میں عجب اداسی پھیلی تھی جو سب کی زندگیوں پر طاری ہو گئی تھی، اک انہونی کا احساس ہمہ وقت سب کے دل دہلائے رکھتا تھا، ڈاکٹرز صالحہ کی زندگی بچانے کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے، وہ ان کی زندگی کے لئے کچھ پر امید نہ تھے، وہ مسلسل آئی سی یو میں ایڈمٹ تھیں، انہیں ہوش آ چکا تھا، لیکن انہیں خوراک کی نالی لگی ہوئی تھی۔

وسیم سونے کے لئے لیٹا تو منزہ نے اپنے ذہن میں اٹھتے سوالوں کو زبان دی، اس کا دل یہی سوچ سوچ کر دہل رہا تھا کہیں امی نے وسیم سے کچھ نہ کہہ دیا ہو، وہ خود تو معصوم بن کر ان کی بات سنی ان سنی کر گئی تھی، وسیم ایسا ہرگز نہ کرتا، وسیم کے چہرے کا سپاٹ پن اور لبوں پر چپکی گہری خاموشی اسے سہما رہی تھی۔

''ڈاکٹرز کچھ خاص پر امید نہیں ہیں منزہ، تم ان کے لئے دعا کرو۔'' وسیم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے باپ کے بعد ماں ہی کو محسوس کیا تھا، وہ سیونتھ میں تھا جب ابو کی ڈیتھ ہوئی تھی اور نوشینہ تو بہت چھوٹی تھی، امی نے شوہر کے بعد بچوں کو کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی وسیم اندر سے ڈھے گیا تھا اس کا دھیما نرم پر تشویش لہجہ غماز کرتا تھا کہ صالحہ نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی، ورنہ وہ غصے سے پھٹ پڑتا اور اسے یوں دعا کرنے کے لئے نہ کہتا، منزہ کو گونہ سکون ملا، اس نے بے اختیار اطمینان بھرا سانس لیا، اس کا

ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں، انشاء اللہ امی کو کچھ نہیں ہو گا۔'' منزہ نے شوہر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے تسلی دی، ان کے بنا محض چند روز میں گھر میں بے رونقی پھیل گئی تھی۔

''انشاء اللہ۔'' وسیم نے ہولے سے سر ہلا کر آنکھیں موند لیں، منزہ محبت سے اس کا سر دبانے لگی، وسیم کو کچھ سکون ملا اس نے منزہ کی گود میں سر رکھ دیا، اس کا سر پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا، منزہ کے دبانے سے سر درد میں کمی آ گئی تھی، منزہ مطمئن ہو کر صالحہ سے کرنے کے لئے کوئی مناسب بہانہ سوچنے لگی اسے ہاسپٹل میں سوچا اپنا ہی بہانہ اب معقول نہ لگ رہا تھا، وسیم پر نیند طاری ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

''سارا مجھے بتاؤ میں آنٹی سے کیا بہانہ کروں۔'' منزہ گھبرا رہی تھی، بھیا نے شادی کی ڈیٹ فکس کر دی تھی سارا اپنی شادی کی تمام شاپنگ خود کر رہی تھی، سارا کو جیولر کے پاس زیورات کا آرڈر دینے جانا تھا اس کے ساتھ کوئی جانے والا نہ تھا، وہ بھابھی کو تو گھاس بھی نہ ڈالتی تھی، اس نے اپنا راز افشاں ہونے کے بعد سے لبنیٰ سے بات چیت بند کر رکھی تھی، وہ منزہ کو ساتھ لے جانے آئی تو اس نے بھی ساتھ جانے سے انکار کر دیا، پھر وہ سارا کے پرزور اصرار پر وسیم سے بہانہ بنا کر اسے فون پر سارا کے ساتھ جانے کا کہہ آ گئی، وہ منزہ کو لئے جیولر مارکیٹ میں گھوم رہی تھی، اسے کوئی ڈیزائن پسند نہ آیا تھا، سارا کو بھوک لگی تو وہ اسے لئے پیزا ہٹ آ گئی، تو منزہ نے اس سے مدد مانگی، اسے کوئی مناسب بہانہ سوجھا تھا اور صالحہ کی زبان بند ہو جاتی بھی تھر روی تھا، ورنہ وسیم، منزہ کو اس سے آگے سوچتے ہی جھرجھری آ جاتی تھی۔

''آپی آپ بے فکر ہو جائیں وہ بڑھیا زندہ رہے گی تب نا، ان کے دماغ کی رگ پھٹ چکی ہے بی پی کنٹرول نہیں ہو رہا ہے، وہ زندگی و موت کی کشمکش میں ہیں اور آپ کو اپنی فکر پڑی ہیں۔''

ویٹر آرڈر سرو کر کے جا چکا تھا سارا نے رعونت بھری نخوت سے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرا، پیزا کھاتی منزہ حق دق رہ گئی اس کے حلق میں پیزا اٹک کر رہ گیا، اس کی ساری جیلسی نوشینہ سے تھی اسے صالحہ سے کوئی شکایت نہ تھی صالحہ نے اسے بیٹیوں جیسا مان دیا تھا، وہ اکثر اسے نوشینہ پر فوقیت دے کر نوشینہ کو ڈپٹ دیتی تھیں اور سارا ان کے متعلق کتنی سہولت سے کہہ رہی تھی کہ وہ نہ بچیں گی وہ تو ان کی صحت یابی کی دعائیں مانگتی نہ تھکتی تھی۔

''سارا تم کتنی بے حس ہو تمہیں شرم آنی چاہیے۔'' منزہ نے غصے سے اسے لتاڑا، سارا تو خود غرضی اور بے حسی میں اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھی، کچھ بھی کہی وہ ان کی موت کی ہرگز خواہاں نہ تھی، اس نے ان کے روپ میں اکثر امی کی جھلک محسوس کی تھی۔

''آپی شرم کیسی، میں نے تو ایک جنرل بات کی ہے۔'' سارا ڈھٹائی کی انتہا پر تھی اسے منزہ کی ڈانٹ بہت بری لگی تھی، وہ مصلحتاً اس کی خاموش ہو گئی کہ وہی تو اس کی محسن تھی اگر وہ اسے مسز نیازی سے نہ ملواتی تو وہ نہ جانے کب اپنا من چاہا جیون ساتھی پاتی، سارا نے حتی الوسع اپنا لہجہ نرم رکھنے کی سعی کی تھی۔

''جنرل بات کی بچی، تمہیں آنٹی کے متعلق ایسا نہیں کہنا چاہیے، ساس ماں جیسی ہوتی ہے۔'' منزہ نے دبے غصے سے دانت کچکچائے، وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارد گرد بیٹھے لوگ ان کی اونچی آواز پر متوجہ ہوں، اسے سارا کا انداز بالکل پسند نہ آیا سو اس نے اسے جھڑک دیا۔

''اچھا، ساس ماں جیسی ہوتی ہے تو نند بھی تو بہنوں جیسی ہوتی ہے، آپ نوشینہ کے ساتھ کیا کرتی پھر رہی ہیں، آپ نے تو اس بیچاری سے انجانا بیر باندھ رکھا ہے۔'' سارا نے شرافت کا چولا اتار پھینکا، وہ غصے سے چیخ کر اسے آئینہ دکھا گئی، منزہ حیرت کی زیادتی سے گنگ رہ گئی، اس کو نوشینہ سے کبھی ہمدردی نہ رہی تھی اور نہ ہی کبھی ہو سکتی تھی، لیکن اسے ہرگز توقع نہ تھی کہ اسے سارا نوشینہ کے متعلق طعنہ دے گی اس کا طعنہ اسے تھپیڑ بن کر لگا تھا۔

''آج کل نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے، اپنا خون ہی سفید ہو چکا ہے۔'' منزہ کے سر پر لگی اور پیروں پر بجھی، وہ خفگی سے پرس اٹھائی کھڑی ہو گئی۔

''آپی سوری، آئی ایم سوری، میرا مقصد آپ کو ناراض کرنا نہ تھا، ورنہ میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھلا سکتی ہوں۔'' سارا اس کی ناراضگی سے سہم کر اس کی خوشامد کرنے لگی وہ تنہا شاپنگ نہ کر سکتی تھی، اسے زیورات کا آرڈر بھی دینا تھا، منزہ کی خفگی کا مطلب شاپنگ ادھوری چھوڑنا تھا۔

''آپی ہم پہلے جیولری کا آرڈر دے لیں پھر گھر جا کر سکون سے کچھ سوچتے ہیں۔'' منزہ اسے صالحہ کی کہی بات بتا چکی تھی اسے منزہ کی پریشانیوں سے کوئی سروکار نہ تھا اس کا اپنا کام ہو چکا تھا، یہ منزہ کی درد سری تھی کہ وہ اپنے سر آئی بلا کیسے ٹالتی ہے، سارا نے مصلحتاً نرمی سے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

''ہوں۔'' منزہ کے غصے سے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے تھے، سارا نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے ابرو اچکائے، منزہ نے نیم رضا مندی سے سر ہلا دیا، وہ دونوں ریفریشمنٹ سے فارغ ہو کر مارکیٹ کی دوسری دکانوں کی طرف بڑھ گئیں، شومئی قسمت سارا کو جلد ڈیزائن پسند آ گیا تھا، منزہ کا دل شاپنگ سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سارا کا اندازہ غلط نہ تھا، صالحہ جانبر نہ ہو سکیں، ان کی پچھلے روز ڈیتھ ہو گئی تھی، ڈاکٹرز ان کی زندگی کے متعلق کچھ پرامید ہونے لگے تھے کہ وہ خالق حقیقی سے جا ملیں، گھر میں اک کہرام مچا تھا، آپی دن میں ایک چکر لگا لیتی تھیں، وہ امی کی ڈیتھ کے وقت موجود تھی، نوشینہ کا غم سب سے بھاری تھا آخر اس کا زیاں بھی تو زیادہ ہوا تھا، گھر لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

''میں نے آپ سے کیا کہا تھا آپی۔'' منزہ کے قریب بیٹھی سارا نے اس کے کان میں دھیمی سرگوشی کی، وہ موقع کی نزاکت بھانپے بغیر اپنی خباثت دکھانے سے باز نہ آئی تھی، منزہ کی آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں اس نے غصے سے اپنے کندھے پر رکھا سارا کا ہاتھ جھٹک دیا، وہ برا مانے بغیر سنبھل کر بیٹھ گئی، تینوں بہوئیں دکھ سے نڈھال تھیں، نوشینہ ماں کے سرہانے بیٹھی تھی۔

''منزہ آپی آپ صبر کریں۔'' منزہ کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے سارا نے ہمدردی سے اس کا ہاتھ دبایا، منزہ نے اسے خشمگیں ناراضی بھری نظروں سے دیکھا اور اپنا ہاتھ چھڑوا لیا، سارا کھسیا کر رہ گئی، کنزیٰ آپی اور زارا فاصلے پر خواتین میں بیٹھی سپارے پڑھ رہی تھیں، اس نے طائرانہ نگاہ ہال میں دوڑائی، ان دونوں کی طرف کوئی توجہ نہ تھی، سارا ذرا ہٹ کے بیٹھ گئی وہ منزہ سے دوبارہ اپنی عزت افزائی کروا چکی تھی اب اسے اپنی مزید بے عزتی کروانے کا کوئی

شوق نہ تھا۔

☆☆☆

''نوشینہ بیٹا تم کل سے بھوکی ہو، تم کچھ کھا لو۔'' اگلے روز قل تھے، وہ کمرے میں آپی کے پاس بیٹھی زار و زار امی کو یاد کر کے روئے جا رہی تھی، سدرہ اسے چپ کروانے میں ناکام تھی، وہ بھی ہار کر اس کے گلے لگ کر رونے لگی، وہ اسے حوصلہ دیتے دیتے خود حوصلہ ہار گئی تھی، قل خوانی کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جانے لگا، رمزہ کی امی اس کے لئے چاول سے بھری پلیٹ لئے کمرے میں داخل ہوئیں، وہ کل سے بھوکی پیاسی تھی، انہوں نے پلیٹ اس کے سامنے رکھی، سدرہ اپنے آنسو پونچھتی اس سے الگ ہو گئی۔

''نوشینہ آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں، تم دو چمچ ہی کھا لو۔'' آپی نے محبت سے اس کے بکھرے بال سمیٹے تھے، نوشینہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہٹ گئی، اس کو بالکل بھوک نہ لگ رہی تھی، اس کا دل کھانا تو دور کھانے کو دیکھنے کو بھی نہ چاہ رہا تھا، امی کی یادیں اسے مسلسل رلا رہی تھیں۔

''نوشینہ بیٹا! ہم سب تمہارے دکھ کو سمجھتے ہیں لیکن اس طرح تم خود بیمار پڑ جاؤ گی۔'' رمزہ بھابھی کی امی نے اسے محبت سے پچکارتے ہوئے چاولوں سے بھرا چمچ اس کے منہ میں زبردستی ڈال دیا، مسلسل رونے سے اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا، انہوں نے محبت بھرا اصرار کر کے اسے چند لقمے مزید کھلا دیئے۔

''پلیز آنٹی بس۔'' انہوں نے اسے مزید چاول کھلانا چاہے تو وہ ملتجی ہو کر روہانسی ہو گئی، سدرہ آپی نے اسے خود سے لپٹا لیا، یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے کچھ تو کھایا تھا۔

''بیٹا! موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے انکار ممکن نہیں ہے، آج ان کی باری تھی کل ہماری ہو گی، میں تمہارا دکھ سمجھتی ہوں لیکن تمہیں خود کو سنبھالنا ہو گا، مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا یہ زندگی کا بھی دستور ہے، پیچھے رہ جانے والوں کو اپنا وقت پورا کرنا پڑتا ہے، نوشینہ تم خود کو تنہا مت سمجھنا، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' انہوں نے محبت بھری شفقت سے اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ لیا، نوشینہ کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی، آپی نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اسے تسلی دی۔

''آنٹی! امی کی جگہ تو کوئی بھی نہیں لے سکتا نا۔'' نوشینہ کے دل سے کسک نکلی تھی۔

''میں مانتی ہوں ماؤں کی بیٹیوں کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت ہے مگر ہم مشیت ایزدی سے نہیں لڑ سکتے۔'' انہیں دکھ سے نڈھال نوشینہ کو دیکھ کر صدمہ پہنچ رہا تھا، انہوں نے نوشینہ کو ہمیشہ بے فکر اور ہنستا مسکراتا پایا تھا، اس کی زندگی میں آنے والا یہ موڑ اسے تنہا بھی کر سکتا تھا، نوشینہ نے اذیت و کرب سے آنکھیں موند لیں، امی کی مسکراتی شبیہ اس کی بند پلکوں پر لہرانے لگی تھی۔

☆☆☆

دن گزرنے لگے انہی تیزی سے گزرے دنوں میں نوشینہ کے ایگزامز اور سارا کی شادی بھی آ گئی، بھیا نے مسز نیازی سے درخواست کر کے صالحہ کی ڈیتھ کے بعد شادی کی تاریخ ایک ماہ مزید بڑھا دی تھی، شادی سادگی سے طے پائی تھی۔

اس روز سارا کی بارات تھی، ندیم آفس میٹنگ میں دو روز کے لئے لاہور گئے ہوئے تھے، نعیم بھیا کو کسی ضروری کام سے چکوال جانا پڑ گیا تھا، نوشینہ کا پیپر تھا، فاخرہ کی طبیعت خراب تھی، اسے موسمی بخار نے گھیر رکھا تھا، بارات کی تھی، وسیم آفس سے لیو لے کر آ گیا تھا اور وسیم کے ساتھ صرف رمزہ بھابھی گئی تھیں۔

فاخرہ بھابھی نے معذرت کر کے سارا کے لئے نیکلس اور پیسے منزہ کے ہاتھ بھجوائے تھے۔

وہ ہال پہنچے تو بارات آ چکی تھی، منزہ وسیم کے آفس سے لیٹ آنے کی وجہ سے دیر سے پہنچی تھی، بھابھی اور آپی نے اسے مہمانوں کی طرح آنے پر خوب لتاڑا تھا، وہ زارا کی شادی میں ہفتہ بھر پہلے آ گئی تھی، لیکن سارا کی شادی میں ساس کی ڈیتھ کی وجہ سے رہنے نہ آ سکی تھی، ان کی ڈیتھ کو مہینہ سے زائد ہو چکا تھا مگر روزانہ کوئی نہ کوئی تعزیت کے لئے آ جاتا تھا، فاخرہ بھابھی خود بیمار تھیں سوائے گھر میں رکنا پڑا تھا صالحہ کافی میل جول اور زندہ دل عورت تھی۔

منزہ، رمزہ کو لئے اسٹیج پر جا کر مل آئی تھی، وہ رمزہ کو اپنے پڑوس کی عورتوں میں بٹھا کر بہنوں کے پاس آ گئی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ بھابھی کو سارا اور جواد کے متعلق کوئی بھی بھنک ملے، رمزہ کی طبیعت میں تجسس نہ تھا وہ لئے دیئے رہتی تھی، منزہ نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔

''بھابھی آپ نے کھانا تو ٹھیک طرح کھایا ہے نا۔'' ابھی رخصتی کا شور نہ مچا تھا، منزہ، رمزہ کے پاس آ بیٹھی۔

''کھانا تو اتنا لذیذ تھا، کہ خود بخود صحیح طرح کھایا گیا۔'' رمزہ نے بشاشت بھرے لہجے میں کھلے دل سے کھانے کی تعریف کی، منزہ ہولے سے ہنس دی۔

''ایکسکیوزمی بھابھی۔'' منزہ کو وسیم کا خیال آیا تو وہ معذرت کرتی اٹھ گئی، اس نے بھیا سے خصوصی التجا کی تھی کہ وہ وسیم کے ساتھ ساتھ رہیں، وسیم تو غیر بندے سے بھی چند لمحوں میں یوں شناسائی پیدا کر لیتا تھا جیسے وہ اسے برسوں سے جانتا ہو، اسے اپنا بھانڈا پھوٹنے کا خدشہ تھا، وہ مردان خانے آئی تو وسیم بھیا سے باتوں میں محو تھا۔

''بھیا میں نے یہاں نیازی صاحب کو دیکھا ہے وہ دولہا کے کیا لگتے ہیں۔'' وسیم مہمانوں میں نیازی صاحب کو پہچان گیا تھا، وہ ان کے بیٹے سے برسوں پہلے ملا تھا، سو وہ جواد کو نہ پہچان سکا، ویسے بھی نیازی صاحب کا گھر کالونی کے انتہائی سرے پر تھا، نیازی صاحب سے کالونی کی مرکزی مسجد میں روزانہ نماز کے اوقات میں ملاقات ہو جاتی تھی، وسیم نے موقع پاتے ہی بھیا سے پوچھ ڈالا۔

''وسیم آپ آئیں نا، میں آپ کو سارا سے ملواؤں، وہ بے حد پیاری لگ رہی ہے۔'' منزہ نے عین موقع پر پہنچ کر وسیم کا دھیان بٹایا، وہ اسے خود سجاد سے بات بتانا چاہتی تھی تاکہ اس کے دل میں میل نہ آئے، سارا بیاہ کر اسی کالونی میں جا رہی تھی اس کا قریب ہونے کی وجہ سے منزہ کی طرف آنا جانا لگا رہتا تھا، وہ کب تک بات کو چھپا سکتی تھی بہتر یہی تھا کہ وسیم کا موڈ اچھا دیکھ کر اسے مناسب الفاظ میں بتا دیا جاتا۔

''ایکسکیوزمی بھیا۔'' بھیا اس کے سوال پر گڑبڑا گئے تھے وسیم ان سے معذرت کرتا آگے بڑھ گیا، بھیا نے سکون بھرا سانس کھینچا تھا، وہ اسٹیج کی طرف پلٹ گئے۔

☆☆☆

''وسیم ہم سارا کی طرف ہوتے ہوئے گھر چلیں۔'' موسم بدل رہا تھا، منزہ بچوں کی شاپنگ کے لئے وسیم کے ساتھ مارکیٹ آئی ہوئی تھی، وہ شاپنگ سے خلاف توقع جلد فارغ ہو گئے، منزہ نے واپسی پر فرمائش کی۔

''ضرور، میں بھی سالی صاحبہ کا گھر دیکھ لوں گا۔'' وسیم کا موڈ بے حد خوشگوار تھا اس نے فوراً تابعداری سے گردن ہلائی تھی، سارا شادی کے بعد دعوتوں میں بزی ہوئی تھی دعوتوں سے فارغ ہو کر دونوں ہنی مون ٹرپ پر چلے گئے تھے۔

''وسیم آپ شاید ان کے والد کو جانتے ہی ہوں پہلے سے۔'' منزہ نے حتی الوسع لہجہ ہموار رکھا تھا، اس نے کن انکھیوں سے ڈرائیونگ میں محو وسیم کو دیکھا۔

''اچھا، کیسے بھلا؟'' وسیم کے لہجے میں خوشگوار حیرت در آئی، اس کا موڈ بے حد اچھا تھا۔

''آپ نیازی صاحب کو تو جانتے ہوں گے۔'' منزہ نے لہجہ کو سرسری رکھا تھا وہ محتاط نظروں سے وسیم کے چہرے کے تاثرات بھی نوٹ کر رہی تھی۔

''ہاں وہی جنہوں نے نوشینہ کا ہاتھ مانگا تھا پھر انہوں نے بیٹے کی کہیں اور بات طے کر لی تھی۔'' فاخرہ نے مسز نیازی سے صالحہ کی ڈیتھ کے بعد نوشینہ کے رشتے کے سلسلے میں بات آگے بڑھانے کے لئے رابطہ کیا تو انہوں نے نرمی سے معذرت کر لی تھی۔

''ہاں انہوں نے اپنے بیٹے کا کہیں اور رشتہ دیکھا پھر نجانے انہوں نے سارا کو کہاں دیکھا کہ انہوں نے سارا کو بہو بنا لیا۔'' منزہ نے کمال ایکٹنگ سے جھوٹ کی آمیزش سے وسیم کو حقیقت بتائی تھی۔

''کیا؟'' وسیم کے پاؤں کا دباؤ بریکس پر بڑھ گیا اور گاڑی اک جھٹکے سے رک گئی تھی۔

وسیم کو زبردست حیرت بھرا شاک لگا تھا، منزہ نے دھڑکتے دل سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''سب مقدر کے کھیل ہیں۔'' تینوں بھائیوں کی مسز نیازی کے صاف انکار سے زبردست جھٹکا لگا تھا، وہ نوشینہ کا جلد از جلد رشتہ طے کر دینا چاہتے تھے، اگلے لمحے وسیم نے گاڑی سٹارٹ کر دی، منزہ نے کلمہ شکر ادا کیا اس کے سر سے ہمہ وقت لٹکتی خوف اور انہونی کی تلوار ہٹ گئی تھی، وسیم سنجیدہ صورت لئے ڈرائیونگ کر رہا تھا اس کا موڈ اب بھی بہتر تھا، منزہ کو صرف شوہر کی پرواہ تھی گھر میں کوئی سارا اور جواد کے رشتے کے حوالے سے کیا سوچتا ہے اسے کوئی غرض نہ تھی، وہ دوسری بار بھی بچ گئی تھی، وہ بے خبر تھی کہ ایک لاٹھی قدرت کی ہوتی ہے، قدرت کی بے آواز لاٹھی جب فتح و خودی کے زعم میں گم انسان پر برستی ہے تو اسے قدرت سے اپنے گناہوں یا غلطیوں کی معافی کی مہلت بھی نہیں ملتی۔

☆☆☆

''نوشینہ آج تم کس ہوٹل میں ڈنر کرو گی۔'' نوشینہ کے ایگزامز ختم ہو گئے تھے اس روز اس کا آخری پیپر تھا، نیکسٹ کلاسز میں چند دن کا گیپ تھا، وہ ایگزامز میں خود پہ اسٹڈی کو اتنا طاری کر لیتی تھی کہ اسے نہ نیند کا ہوش ہوتا تھا اور نہ اپنے کھانے پینے کا، وہ اپنی نیند آخری پیپر دینے کے بعد پوری کرتی تھی، آج بھی پیپر دے کر آئی تو کھانا کھائے بغیر سو گئی، اس کی نیند اذان کی آواز

سے ٹوٹی تھی، شام ہو چکی تھی، وہ جلدی سے فریش ہو کر باہر آ گئی، امی چھ بجے کے بعد نہ سونے دیتی تھیں، اب سات ہونے والے تھے اسے امی کی یاد بری طرح آنے لگی تو اس پر اداسی طاری ہو گئی، وسیم نے اس کی اداسی نوٹ کرتے ہوئے محبت سے اسے بہلانے کی کوشش کی تھی۔

''ہم میریٹ چلتے ہیں۔'' منزہ پرجوش ہو گئی تھی، اس نے دوپہر کو کھانا بھی نہ بنایا تھا اور رات کے بچے سالن سے گزارا کر لیا تھا اب اس کا پکانے کا کچھ موڈ نہ ہو رہا تھا، نوشینہ کا بیشتر وقت فاخرہ بھابھی کے ساتھ گزرتا تھا، اس کے اور منزہ کے درمیان ایک انجانی خلیج حائل تھی، جسے وہ چاہ کر بھی نہ پاٹ سکی تھی، اس نے منزہ سے قدرے کترانا شروع کر دیا تھا، نوشینہ بھی کبھار بچوں کے ساتھ وقت گزارنے نیچے آ جاتی تھی وہ سو کر اٹھی تو فاخرہ بھابھی کچن میں اور بھیا ٹی وی میں محو تھے، بچے کھیل کود رہے تھے وسیم بھیا بچوں سے کھیل رہے تھے، اس کے چہرے پر چھائی اداسی بھیا سے پوشیدہ نہ رہی تھی۔

''تم بتاؤ نوشینہ!'' وسیم نے منزہ کی بات ان سنی کرتے ہوئے نوشینہ سے اصرار کیا، منزہ جی جان سے سلگ کر رہ گئی، اس کی شادی کے تین سالوں میں وہ بچوں کی ماں بن کر بھی وسیم کی زندگی میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

''جہاں بھابھی کہتی ہیں وہیں چلتے ہیں۔'' نوشینہ سے بھابھی کا آف موڈ مخفی نہ رہا تھا اس نے بدمزگی سے بچنے کے لئے گفتگو سمیٹتے ہوئے بھابھی کی سائیڈ لی، وہ ان سے فاصلے کم کرنا چاہتی تھی۔

''بھئی ہم آج ڈنر تمہاری پسندیدہ جگہ اور تمہاری پسند کا کریں گے۔'' وسیم نے اس کی بات چٹکیوں میں اڑا دی، منزہ کو دونوں بہن بھائی کا التفات اک آنکھ نہ بھا رہا تھا، وہ پانی پینے کے بہانے اٹھ گئی، ان دونوں نے اس کے اٹھ کر جانے کو محسوس نہ کیا تھا۔

''ہم ہالیڈے ان چلتے ہیں۔'' نوشینہ نے شہر کے سب سے مہنگے ہوٹل کا نام لیا، منزہ خرچے کا سوچ کر ہی ہول اٹھی۔

''تم تیار ہو کر آؤ اور ندیم بھیا اور بھابھی کو بھی لے آؤ، آج کا ڈنر میری طرف سے۔'' پانی پیتی منزہ کو زبردست اچھو لگ گیا، وہ تو تین افراد کے کھانے کے بل کا سوچ کر ہول رہی تھی اور وسیم سارے گھر کو لے جانا چاہتا تھا، نوشینہ کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا وہ خوشی سے اٹھ کر چلی گئی۔

''نوشینہ میں نے تو کھانا تیار کر لیا ہے۔'' نوشینہ نے جا کر بھابھی کو پیغام دیا تو انہوں نے سہولت سے منع کر دیا، منزہ نے سکھ کا بے ساختہ سانس لیا مگر اس کا سکھ چند لمحوں کا تھا۔

''تو ایکسکیوز بھابھی کھانا کل کام آ جائے گا آپ فریج میں رکھ دیں اور دس منٹ میں تیار ہو کر سب آ جائیں ورنہ میں سب کو اسی حلیے میں لے جاؤں گا۔'' وسیم نے کانوں سے سیڑھیوں سے آتی آواز ٹکرائی تو اس نے باآواز بلند تنبیہ کی بھابھی مزید انکار نہ کر سکیں، منزہ بجھ گئی۔

''تمہیں بھی اسی حلیے میں لے جاؤں گا ورنہ تم فوراً تیار ہو کر آ جاؤ۔'' وسیم نے منزہ کے کانوں میں دھیمی سرگوشی کرتے ہوئے اسے اپنے مضبوط محبت بھرے حصار میں قید کیا، منزہ اس کی محبت سے پگھل گئی اس کا موڈ بحال ہو گیا وہ مسکراتی تیار ہونے چلی گئی۔

☆☆☆

سارا آج ہی میکے سے لوٹی تھی، ان کی شادی کو تین ماہ گزر گئے تھے، سارا پہلی بار میکے رہنے گئی تھی اس کی ایک ہفتے کی دوری نے جواد کو

مجنوں بنا ڈالا تھا، موسم بے حد خوشگوار تھا، وہ دونوں ڈنر کے بعد ٹیرس میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جواد اسے اپنی بے تابیوں کے قصے سنا رہا تھا، سارا کے گالوں کا گلال حیا کی سرخی سے بڑھ گیا، جواد نے بے ساختہ اس کے گال چھوئے، سارا کے گالوں پر پلکوں کی چلمن سایہ فگن ہو گئی جواد نے لب دھیرے سے گنگنا اٹھے، فضا میں ایک جلترنگ بج اٹھا۔

سارا نے اپنا آئیڈیل پا لیا تھا، قدرت اس پر بے حد مہربان تھی، جواد کی بے تابی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی، سارا کا خود پہ مان بڑھ گیا، وہ احساس تفاخر میں گھری رہتی، اس نے کبھی قدرت کی مہربانی پر کوئی کلمہ شکر ادا نہ کیا تھا، خود پسند سارا جواد کی محبتوں پر اپنا حق سمجھ کر وصول کر رہی تھی۔

''میں آپ سے اتنا دور تو نہ تھی آپ آ جاتے مجھے لینے۔'' جواد کی محبت کی لو سے جگمگاتی آنکھیں کئی ان کہی داستانیں سنا رہی تھیں، اس کی بے تابیاں اس کی آنکھوں سے صاف عیاں تھیں، وہ شوخی پہ مائل تھا، سارا کا تیزی سے دھڑکتا دل پسلیوں میں اودھم مچائے ہوئے تھا، اس کے لبوں پر شرمیلی حیا آلود مسکراہٹ تھی۔

''یار پہلے کہا ہوتا، میں سر کے بل آ جاتا۔'' جواد نے سینے پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی آہ بھری تھی، اس کے انداز دلربائی پر سارا کھلکھلا کر ہنس دی، موسم کی دلکشی دوچند ہو گئی، دل کا موسم سہانا ہو تو ہر موسم دلربا لگتا ہے، سارا جذب سے آسمان پر چمکتے تاروں پر اک نظر ڈالتی اٹھ کر بالکونی کی ریلنگ پر جھک گئی، شریر ہوا نے اس کی زلفیں بکھیر دیں۔

''سارا یار مجھے آئندہ کبھی چھوڑ کر مت جانا۔'' جواد نے اس کے پیچھے آ کر اس کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے لیا تھا، سبک رو ہوا دونوں کو نرمی سے چھوتی گزر گئی۔

''آپ کے بغیر میرا دل بھلا کہاں لگتا تھا۔'' سارا نے محبت سے چور لہجے میں دھیمی سرگوشی کرتے ہوئے اس کی بانہوں پر اپنے ہاتھ مضبوطی سے جما دیئے، آسمان پر تاروں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''منزہ..... منزہ کدھر ہو بھئی۔'' وسیم آفس سے لوٹتے ہی اسے گیٹ سے پکارتا اندر داخل ہوا تھا، وہ کچن میں ڈنر تیار کر رہی تھی، اس نے وسیم کی پسندیدہ چکن کڑاہی بنائی تھی، وہ روٹیوں کے لئے آٹا گوندھ رہی تھی۔

''منزہ ذرا ادھر آؤ۔'' وہ ہاتھ میں کچھ چھپائے کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا، منزہ نے شرارت سے آٹا سے لتھڑے ہاتھ اس کے سامنے لہرائے۔

''جلدی آ جاؤ تم۔'' وسیم شاپر چھپائے پلٹ گیا، منزہ نے شرارت سے اچک کر دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

''یہ کیا ہے؟'' وسیم نے منزہ کی طرف شاپر بڑھایا، اس کے چہرے پر تجسس تھا۔

''کھول کر دیکھ لو۔'' وسیم نے شرارت سے اس کی ناک دبائی۔

''واؤ۔'' منزہ نے شاپر کھولا تو نفیس کڑھائی سے مزین خوبصورت ریڈی میڈ سوٹ اس کے ہاتھ میں آیا، اس کی آنکھوں میں ستائش ابھر آئی تھی، اس کی چوائس زبردست تھی، منزہ سوٹ خود سے لگا کر دیکھنے لگی۔

''تم پر یہ کلر خوب جچے گا۔'' وہ لیمن کلر کے فیروزی کامدار سوٹ میں بے حد بھلی لگ رہی

تھی۔

''بہت پیارا سوٹ ہے بھیا۔'' منزہ کو روٹی بنانے کی جلدی تھی وہ سوٹ تہہ کر کے وہیں رکھ کر کچن میں چلی گئی، وہ روٹی بنا رہی تھی اس کے کانوں سے نوشینہ کی آواز ٹکرائی، وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''کس کا ہے بھیا؟'' نوشینہ سوٹ کھول کر دیکھنے لگی، ستائش اس کی آنکھوں اور لہجے سے چھلک رہی تھی، اس نے بے حد اشتیاق سے استفسار کیا۔

''تمہیں پسند آیا۔'' نوشینہ کے لہجے میں بچوں کی سی معصومیت تھی اس کے چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیلی تھی، وسیم نے اسے بہت دنوں بعد خوش دیکھا تھا، اس نے کچھ سوچ کر پوچھا، نوشینہ نے جھٹ گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

''تمہارے لئے ہے۔'' وسیم کا دل نہ چاہا کہ وہ نوشینہ کی مسکراہٹ چھینے، وسیم کے دل میں بہن کی محبت نے جوش مارا تھا اس نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

''سچ بھیا۔'' نوشینہ بے طرح خوش ہو گئی پھر وہ قدرے مشکوک نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگی، وسیم نے گردن اثبات میں ہلا کر اسے یقین دلایا۔

''تھینک یو سو مچ بھیا۔'' وہ سوٹ تہہ کر فاخرہ بھابھی کو دکھانے اوپر بھاگ گئی، منزہ کا خون جل کر رہ گیا، نہ جانے نوشینہ کو کب تک اس کی خوشیاں چھیننا تھیں، وہ کڑھ کر سوچتی رہی۔

☆☆☆

''مجھ سے خفا ہو؟'' کھانے کی ٹیبل پر بے حد خاموشی چھائی تھی، منزہ کا موڈ سخت آف تھا، وسیم کام میں مصروف خفگی سے منہ پھلائے آتی جاتی منزہ کو دیکھتا رہا، پھر وہ پوچھے بنا نہ رہ پایا تو

اس نے منزہ کا ہاتھ پکڑ کر قریب بٹھالیا۔

''میں کون ہوتی ہوں خفا ہونے والی۔'' منزہ کی خفگی اور بے نیازی عروج پر تھی، وہ ہاتھ چھڑاتی اٹھ گئی، سوٹ منزہ کو بھی بے حد پسند آیا تھا، وسیم نے عرصے بعد منزہ کے لئے دل سے شاپنگ کی تھی، منزہ کی خفگی بے جا تھی، وہ اس کی بیوی تھی آخر۔

''منزہ! تم انڈر اسٹینڈ کرو، امی کے بعد ہم بھائیوں ہی کو نوشینہ کا خیال رکھنا ہے، وہ بہت بجھی بجھی رہنے لگی ہے، اگر وہ اک چھوٹی سی خوشی پا کر خوش ہو گئی ہے تو اس میں کیا حرج ہوا ہے۔''

وسیم نے برا مانے بغیر نرمی در سانیت سے اسے سمجھایا، وہ اس کے محسوسات بھی سمجھ رہا تھا، منزہ کچھ نہ کہہ سکی، وہ تینوں بھائی نوشینہ کا بے حد خیال رکھتے تھے، فاخرہ بھابھی اور رمزہ بھابھی کے دلوں میں بے حد وسعت تھی وہ نوشینہ کو بہنوں کی طرح چاہتی تھیں۔

مگر وہ اپنے دل میں نوشینہ کے لئے بالکل وسعت پیدا نہ کر سکی تھی اور نہ ہی اس کے ذہن سے اپنی محرومیوں کا خیال نکل سکا تھا، اس نے اپنی امی کے بعد کتنی بھابھی کے ہاتھوں بے حد محرومیاں سہی تھیں، اس نے محض بھابھی سے بچنے کے لئے جاب بھی شروع کی تھی مگر بھابھی تو بھیا پر غاصب ہو کر رہ گئی تھیں، وہ چاہ کر بھی وسیم کو نہ جھٹلا سکی۔

''تم بڑی ہو منزہ، تمہیں اپنے دل میں وسعت پیدا کرنی چاہیے، وہ کل اپنے گھر بار کی ہو جائے گی تو تمہیں اچھے الفاظ میں یاد کرے گی تمہاری تعریفیں کرے گی۔'' وہ چپ تھی وسیم نے چند لمحوں کے توقف کے بعد اس کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے سمجھایا، وہ غلط نہ کہہ رہا تھا مگر کم دل منزہ کے دل میں اتنی وسعت ہی نہ تھی کہ وہ نوشینہ کے لئے اپنا دل بڑا کرتی، اس کی شادی کے چار سال میں نوشینہ ہر جگہ حاوی تھی، نوشینہ نے اس کی ہر خوشی لگی تھی، منزہ کے دل سے کدورت نہ نکل سکی، وہ وسیم کے سمجھانے کے باوجود منفی انداز میں سوچتی رہی۔

''اپنا موڈ ٹھیک کرو منزہ، میں تمہیں کل ویسا ہی اور سوٹ لا دوں گا۔'' وسیم نے سوچوں میں گم منزہ کی تھوڑی شرارت سے ہلائی، وہ منزہ کی منفی سوچوں سے بے خبر اس کی خاموشی کو سوٹ کھونے کا قلق سمجھ رہا تھا۔

''او کے کوئی بات نہیں، میں پھر کبھی سوٹ لے لوں گی، مارکیٹ میں آئے روز نئی ورائٹی آتی رہتی ہے۔'' منزہ نے برے دل سے بظاہر چہرے پر مسکراہٹ طاری کی وہ مزید لیکچر سننے کے موڈ میں نہ تھی اور پھر اسے اب اس سوٹ سے بہتر سوٹ لینا تھا، وہ کبھی بھی ایسا سوٹ دوبارہ نہ لیتی۔

''آف کورس شیور۔'' وسیم کے لئے منزہ کا موڈ بحال ہونا ہی بہت تھا اس نے ہامی بھر لی تھی۔

''اب نوشینہ کا کچھ کرنا پڑے گا۔'' منزہ کے لئے اس کا وجود ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا، اس نے سنجیدگی سے سوچتے ہوئے غیر مرئی نکتہ پر نگاہیں جما دیں۔

☆☆☆

راجہ کو رانی سے پیار ہو گیا
پہلی نظر میں پہلا پیار ہو گیا
دل جگر دونوں گھائل ہوئے
تیر نظر دل کے پار ہو گیا
راجہ کو رانی سے پیار ہو گیا
راجہ کو رانی سے پیار ہو گیا

سارا کی طبیعت دو روز سے ست ست اور

بوجھل تھی، جواد اسے جاب سے آتے ہی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔

''مبارک ہو آپ باپ بننے والے ہیں۔'' ڈاکٹر نے رپورٹ دیکھ کر جواد کو خوشخبری سنائی، اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا، مارے خوشی کے اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا، سارا اسے خوش دیکھ کر بے حد مسرور تھی، جواد بار بار با آواز بلند گنگنانے لگتا تھا، سارا کا احساس تفاخر آسمان کو چھونے لگا، اس کی زندگی میں کوئی کمی نہ رہی تھی، اس نے جو چاہا تھا، وہ پالیا تھا۔

سارا خوشی سے چور سرشاری کے عالم میں بے نیازی سے گاڑی سے باہر آتے جاتے مناظر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جواد نے اسے متوجہ کرنے کے لئے اچانک گانے کی ٹون بدلی۔

''یہ اس گانے میں بھلا کب آتا ہے۔'' سارا جواد کے غلط گانا گانے پر اسے شرارت سے ٹوک گئی، اندرونی مسرت سے اس کا گلابی چہرہ گلنار ہوا جا رہا تھا اس حسین پری وش کا سنہرا روپ جواد کے دل میں کھب گیا، جواد کا بے ساختہ جی چاہا وہ اسے ساری دنیا سے چرا کر ہمیشہ کے لئے دل میں چھپا لے۔

''یار تم مجھے یوں نظر انداز کرو گی تو مجھے بھلا گانے کہاں صحیح یاد رہیں گے۔'' وہ بے نیازی و شادمانی کا حسین سنگم بنی جواد کے لئے خاصا کڑا امتحان ثابت ہو رہی تھی، جواد نے اسے آنکھوں کے رستے دل میں سموتے ہوئے اس کی بے نیازی پر چوٹ کی، وہ شادمانی میں گم سارا کی اک نگاہ غلط کے لئے ترس رہا تھا اور وہ اسے کوئی لفٹ نہ کروا رہی تھی، گویا اس کے لئے باہر کے مناظر جواد سے بڑھ کر اہم تھے۔

''جواد میں بے حد خوش ہوں، میں تصور میں بچے سے کھیل رہی تھی۔'' سارا کے چہرے پر ممتا نور کی صورت پھوٹ پڑی در اصل وہ غائب دماغی سے باہر دیکھ رہی تھی اس کے تصور میں خوبصورت بچہ تھا جسے وہ کھلا رہی تھی۔

''کیا؟'' جواد کا بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا، وہ تو اس سے بھی بڑھ کر دیوانی ہوئی جا رہی تھی، جواد کے لئے ہنسی کنٹرول کرنا مشکل تھا۔

''جواد!'' سارا نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا، دونوں کی خوشی اور تصور کے انداز الگ الگ تھے۔

''او کے یار!'' جواد نے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کر کے بمشکل ہنسی ضبط کی تھی، اس کے وجیہہ چہرے پر شوخی و شرارت کے سارے رنگ تھے، سارا ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''یار تم کیا نظر لگاؤ گی۔'' جواد نے اس کی محویت پر شوخی بھری چوٹ کی، وہ جھینپ کر رخ پھیر گئی۔

جواد کی زندہ دل گنگناہٹیں عروج پر تھیں، گاڑی تیزی سے محو سفر تھی، گھر قریب تھا ابھی جواد کو ماما کو بھی خوشخبری سنانا تھی۔

☆☆☆

نوشینہ کی فورتھ ایئر کی اسٹڈی شروع ہو گئی تھی، اس کے پیپرز زبردست ہوئے تھے اسے ہمیشہ کی طرح شاندار مارکس کی امید تھی اس کا میڈیکل کا اکیڈمک ریکارڈ بھی شاندار تھا وہ ہر کلاس میں فرسٹ آ رہی تھی، وہ اپنی کامیابیوں کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتی تھی، زندگی رفتہ رفتہ اپنی ڈھب پر آنے لگی تھی گو صالحہ کی کمی تو پوری نہ ہوتی تھی مگر اس نے ماں کی کمی سے سمجھوتہ کر لیا تھا، وہ ہر وقت اداس اور خاموش رہتی تو بھائی اس کے لئے پریشان ہو جاتے اور اس کی اک ہنسی کے لئے سو سو جتن کرتے، وہ بھائیوں کو پریشان نہ کرنا چاہتی تھی، وہ زندگی کی طرف لوٹنے لگی تھی۔

''بھابھی آپ زنیرہ کو سنبھالیں میں کھانا بناتی ہوں۔'' اس روز نوشینہ کالج سے لوٹی تو زنیرہ کے رونے کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی، وہ چینج کر کے نیچے آگئی، بھابھی دوپہر کا کھانا بنا رہی تھیں زنیرہ کو موسمی بخار نے جکڑ لیا تھا وہ روئے جا رہی تھی، کھانا کافی لیٹ ہو چکا تھا، بچے بھی بھوکے تھے وقار بھوکا برآمدے کے فرش پر سو گیا تھا، نوشینہ کو معصوم وقار پر ٹوٹ کر پیار آیا، اس نے اسے اٹھا کر کمرے میں بیڈ پر لٹایا اور کچن میں آگئی، بھابھی پریگنینٹ تھی اس پر مستزاد بچے موسم کی تبدیلی کی لپیٹ میں آگئے تھے، وہ دل میں نوشینہ کی ممنون ہوئی مگر کچھ کہے یا ظاہر کیے بغیر زنیرہ کو اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔

منزہ نے اپنے اور نوشینہ کے درمیان خود ساختہ دوری پیدا کر رکھی تھی، نوشینہ بھابھی سے قریب ہونے اور خلیج زائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی مگر منزہ نے کبھی اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہونے دی تھی، وہ کبھی کبھار نوشینہ کی تہہ دل سے ممنون ہو جاتی مگر وہ ہرگز اس کی تعریف نہ کرتی تھی، فریج سے آٹا نکال کر روٹی بنانے لگی، اس کے روٹی بنانے تک سالن تقریباً تیار تھا، اس نے سالن تیار کیا اور پھر اس نے ساتھ سلاد بھی بنالی۔

''بھابھی آپ یہیں کھانا کھائیں گی یا ڈائننگ ٹیبل پر لگا دوں۔'' نوشینہ گھنٹہ بھر میں کھانا تیار کر چکی تھی، منزہ کی آنتیں بھوک سے ''قل ہو اللہ'' پڑھ رہی تھیں، زنیرہ ماں کی گود میں سکون ملتے ہی سو گئی تھی، نوشینہ نے اندر جھانک کر دھیمی سرگوشی کی تاکہ بچوں کی نیند ڈسٹرب نہ ہو

''تم یہیں لے آؤ۔'' منزہ کے لہجے میں مٹھاس گھل گئی، اگر نوشینہ اس کا ہاتھ نہ بٹاتی تو وہ اور بچے نہ جانے کتنی دیر بھوکے رہتے، نوشینہ سر ہلا کر چلی گئی۔

اس کی واپسی پانچ منٹ میں کھانے سے ٹرے سے ہوئی، اس نے احتیاط سے بیڈ پر کھانا لگا دیا، منزہ نے گود میں سوئی زنیرہ کو قدرے ہٹا کر لٹا دیا تھا۔

''تم کدھر، آؤ کھانا کھاؤ نا۔'' نوشینہ کھانا دے کر اوپر جانے لگی تو منزہ نے نرمی سے اسے ڈپٹتے ہوئے روک لیا، نوشینہ منزہ کے لئے دیے انداز سے خائف صرف اسی کے لئے کھانا لائی تھی، اس نے اپنی روٹی نہ بنائی تھی اس کا ارادہ اوپر جا کر کھانا کھانے کا تھا۔

''آپ کھائیں بھابھی، میں اوپر جا رہی ہوں۔'' نوشینہ ہچکچاتے ہوئے بولی تھی، اس کے لئے منزہ کا بدلا لہجہ حیران کن تھا، اسے ذہن پر زور دینے سے یاد نہ آیا کہ کبھی منزہ نے اس سے اتنے چاؤ سے بات کی ہو، وہ منزہ کے بدلے لہجے پر حیران تھی۔

''بھابھی وہ......'' اس نے اپنی روٹی تو بنائی ہی نہ تھی، وہ اسے بتاتے ہچکچا کر رک گئی، منزہ سے کچھ بعید نہ تھا، وہ بات کو غلط رنگ دے کر خفا ہو جاتی۔

''تم آجاؤ نوشینہ۔'' منزہ اس کی ہچکچاہٹ کی وجہ سمجھ گئی، اس کا نرم لہجہ ہنوز برقرار تھا، منزہ نے رومال سے ایک روٹی نکال کر اس کے سامنے کی اور اپنی پلیٹ میں سالن بڑھا لیا، نوشینہ کے لئے مزید انکار ممکن نہ رہا تھا، وہ کھانا کھانے بیٹھ گئی، منزہ کی ساس کے بعد پہلی پریگنینسی تھی، اس سے پریگنینسی میں گھر کا سارا کام نہ ہوتا تھا، اسے نوشینہ سے بنا کر رکھنا تھی تاکہ وہ اس کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکے، حالانکہ اگر وہ ڈپلومیسی کی بجائے اسے صاف گھر کے کام کرنے کا کہہ دیتی تو وہ کبھی انکار نہ کرتی، منزہ وسیم کی نظروں میں اچھا بننے کے لئے بھی نوشینہ سے بنا کر رکھنا چاہتی تھی اسے ایک تیر سے دو شکار کرنا تھے۔

☆☆☆

نوشینہ کے لئے انہی دنوں ایک اور رشتہ آیا تھا، لڑکا نعیم بھائی کی فرم میں جاب کرتا تھا لڑکے کی پوسٹ اور تنخواہ پچھلے دونوں رشتوں سے بہترین تھی، منزہ رشک و حسد سے جل کر خاک ہوئی جا رہی تھی، نوشینہ کے لئے آنے والا ہر رشتہ بہتر سے بہترین تھا، اس نے پہلے دو رشتے تو حسد میں ہتھیا لئے تھے لیکن اس بار بے بس تھی، وہ نوشینہ سے جلد از جلد چھٹکارا بھی چاہتی تھی اور اس کی قسمت و خوش نصیبی سے حاسد بھی تھی، تینوں بھائی اس رشتے پر متفق تھے، لڑکے والے آکر نوشینہ کو پسند کر کے جا چکے تھے، انہوں نے آپی کو مشورہ کے لئے بلوالیا۔

''رشتہ ہر لحاظ سے بہترین اور موزوں ہے میرا خیال ہے ہمیں ہاں کر دینی چاہیے۔'' آپی نے رشتے کے کوائف جان کر دلی خوشی اور اطمینان کا بلا دھڑک اظہار کیا تھا، امی کی ڈیتھ کو ڈیڑھ سال آنے کو تھا اس کے بعد یہ پہلا رشتہ تھا، آپی ہر صورت نوشینہ کی جلد شادی کرنے کی خواہش مند تھیں اور پھر زندگی کے آخری دنوں میں امی بھی نوشینہ کے لئے فکر مند رہتی تھیں، نوشینہ کی اسٹڈی کا لاسٹ ایئر رہ گیا تھا وہ ہاؤس جاب شادی کے بعد بھی کر سکتی تھی۔

''آپی میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ ان لوگوں سے سال کی مہلت لے لی جائے۔'' وسیم بھی نوشینہ کی جلد شادی چاہتا تھا، وہ بیوی کا بہن سے رویہ اول روز سے نوٹ کر رہا تھا اور اس نے بارہا منزہ کو سمجھایا تھا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی، منزہ کا رویہ اب نوشینہ سے بے حد بدل گیا تھا، وسیم کا خیال تھا کہ اس میں زیادہ دوش نوشینہ کی نرم خو اور صلح جو طبیعت کا تھا، وہ ہمہ وقت بھابھی کی خدمت میں کمربستہ رہتی اس کے فورتھ ایئر کے فائنل ایگزام بھی چند ماہ ہی دور رہ گئے تھے، وہ گھر کے کاموں میں جتی پڑھائی سے غافل تھی۔

''میرا خیال ہے ہمیں نوشینہ کے لئے اور رشتہ کا انتظار کر لینا چاہیے۔'' گو رشتہ بے حد موزوں اور بہترین تھا مگر وہ لوگ غیر برادری سے تھے، منزہ نے اسی پوائنٹ کو نقطہ اعتراض بنایا تھا، امی نے اپنے بچوں کی شادیاں برادری میں کی تھی ان کی دو بہوئیں غیر خاندان کی تھیں مگر غیر برادری سے نہیں، منزہ کی صرف یہ خواہش تھی کہ نوشینہ کا رشتہ اتنے بہترین گھرانے میں نہ ہو۔

منزہ کی بہن تھیں مگر وہ تو سارا کے کاموں میں کئی نقص نکالتیں، اس رشتے میں تو ساس نند کا سرے سے وجود نہ تھا لڑکے کے دو بڑے شادی شدہ بھائی تھے اور دونوں الگ رہتے تھے، لڑکا اپنے والد کے ساتھ الگ کوٹھی میں رہتا تھا گھر میں عورت ذات کی کمی تھی، وہ بہو لانے کے خواہش مند تھے، وہ نوشینہ کی اسٹڈی مکمل ہونے تک انتظار کر سکتے تھے، لڑکے کو نوشینہ بہت پسند آئی تھی۔

''یہ لوگ غیر برادری سے ہیں۔'' سب کی چبھتی استفہامیہ نظریں منزہ پر جمیں تو اس نے گڑبڑا کر وضاحت دی تھی۔

''منزہ صحیح کہہ رہی ہے امی بھی کبھی نوشینہ کی شادی غیر برادری میں نہ کرتیں۔'' وسیم نے فوراً اس کی تائید کی، نعیم بھائی بڑے تھے ان کے انکار کے بعد مزید اصرار کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

''ہوں۔'' ہال میں گہری خاموشی چھائی تھی، آپی نے پرسوچ ہنکارا بھرتے ہوئے یوں

سر کو جنبش دی جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی ہوں۔

''نعیم تم کوئی اور رشتہ دیکھ لو، ابھی نوشینہ کی پڑھائی کا ایک سال ہے۔'' انہوں نے بہن کے رشتے کے لئے رشتہ کروانے والیوں سے کہنے سننے کی بجائے اپنے ملنے جلنے والوں سے ذکر کیا تھا، انہیں رشتہ کرانے والیوں پر بھروسہ نہ تھا، آپی نے بھی تائید کی تو منزہ کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا، اس کا تیر عین نشانے پر لگا تھا، فاخرہ اور رمزہ خاموش سامعہ تھیں البتہ فاخرہ کو بہترین رشتہ ہاتھ سے جانے کا قلق ضرور ہوا تھا، ہال میں گہری خاموشی چھا گئی، گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک واضح تھی۔

☆☆☆

''یار تجھے کس کا انتظار ہے تو بتا کیوں نہیں دیتا۔'' شیروز دوستوں کے نرغے میں بیٹھا متلاشی نظروں سے کسی کو ڈھونڈ رہا تھا، اس کی پیاسی نظریں بار بار بھٹک کر داخلی راہداری تک جاتیں اور مایوس ہو کر پلٹ آتی تھیں، ان کا پیریڈ فری تھا، وہ دوستوں میں رونق اندر بنا کالج گراؤنڈ میں بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، وہ چند روز سے کچھ الجھا الجھا تھا، اس کے بیسٹ فرینڈ راحیل نے اس کی چوری پکڑتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی، وہ خجل ہو کر اسے گھورنے لگا۔

''یار ہم یاروں کے یار ہیں، آزما کے دیکھ لے۔'' راحیل آسانی سے باز آنے والا نہ تھا، شہروز شہر کے معزز رئیس جاگیردار گھرانے کا اکلوتا چشم و چراغ تھا، اس کے سارے دوست اس کے زبردست فیملی بیک گراؤنڈ اور اس کی دریا دلی کی وجہ سے اس کے گرد گھیرا ڈالے رکھتے تھے، راحیل سب سے مختلف تھا، اسے شہروز سے نہ تو پیسے کا لالچ تھا اور نہ ہی کسی اعلیٰ عہدے کا، شہروز کو راحیل بے حد پسند تھا، اس کی دوستی بے غرض اور خالص تھی۔

''ایکسکیوز می۔'' شہروز نے اپنے گرد جمع مفاد پرست دوستوں کے ٹولے پر نظر ڈالی، وہ اس کی اونچی انا کی تسکین کا سامان تھے دل و روح کی نہیں، راحیل سے وہ کبھی اپنے گھر کی بات بھی شیئر کر لیتا تھا، راحیل نے بھی خود کو اعتماد کے قابل ثابت کیا تھا اس نے شہروز کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائی اور اس کے راز کی حفاظت کی تھی، شہروز معذرت کرتا راحیل کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''اب پھوٹو کیا بات ہے؟'' وہ دونوں کھلے لان میں آ گئے، جہاں اکا دکا سٹوڈنٹس تھے، راحیل نے سنجیدہ صورت بنائے شہروز کے کندھے پر زور دار دھپ لگائی، شہروز کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی، راحیل اس کے دل کی بات بنا کہے سمجھ گیا تھا۔

''یار وہ اتنے دنوں سے کالج کیوں نہیں آ رہی ہے۔'' شہروز نے دل کی بات دوست سے چھپانا مناسب نہ سمجھا تھا، وہ تنہائی ملتے ہی اس پر کھل گیا۔

''کون، نوشینہ؟'' راحیل لحہ بھر میں بات کی تہہ میں پہنچ گیا، ان کی کلاس فیلو نوشینہ کلاس سے ڈیڑھ ہفتے سے غائب تھی، اس کی غیر حاضری کی وجہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کی کلاس میں کسی سے بھی گہری دوستی نہ تھی، وہ ذہین اور قابل سٹوڈنٹ ہونے سے کلاس میں تمام سٹوڈنٹس اور اساتذہ کی پسندیدہ تھی، اس کی سب سے اچھی سلام دعا رابعہ سے تھی وہ چار سال میں کبھی بھی اتنے دن کلاسز سے غائب نہ رہی تھی، وہ اسٹڈی کے معاملے میں کافی کانشئیس تھی۔

''اس نے تو پچھلے سال اپنی مدر کی ڈیتھ پر بھی اتنی چھٹیاں نہ کی تھیں۔'' شہروز کے لہجے میں گہری تشویش چھپی تھی۔

''اوہ ہو جناب کو بڑی معلومات ہیں۔'' پچھلے سال، راحیل نے اس کی بات پکڑتے ہوئے پچھلے سال کو خوب لمبا کھینچا، شہروز خجل ہو کر ہنس دیا۔

''کیا بات ہے جناب کی۔'' راحیل چھیڑنے سے باز نہ آیا تھا، وہ خوش تھا کہ شہروز نے اس پر اعتماد کیا تھا، شہروز آسانی سے کسی پر نہ کھلتا تھا اسے خود کو چھپانا آتا تھا، وہ اپنی وجیہہ شخصیت کی بدولت کئی لڑکیوں کا منظور نظر تھا لیکن اس کا نظر کس پر ہے یہ کوئی نہ جانتا تھا، شہروز کی کئی لڑکیوں سے دوستی تھی، یار دوست اسے اکثر انہی میں سے کسی کے نام سے چھیڑتے تھے وہ بھی ہنس کر ٹال دیتا تھا، کسی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے دل میں نوشینہ بسی ہے۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا یار۔'' شہروز کی نوشینہ کی ایک جھلک دیکھنے کی بے تابی تھی، اس نے اتنے دن کیسے گزارے تھے وہی جانتا تھا، دل اس کی دید کو ترس رہا تھا۔

''ڈونٹ وری انشاء اللہ سب خیریت ہو گی، کل رابعہ اس سے پوچھ کر اس کی غیر حاضری کی وجہ بتا دے گی۔'' راحیل کے لئے شہروز کا یہ روپ نیا تھا، وہ خاصا کھلنڈرا اور لاپرواہ و لاابالی سا تھا، محبت نے اسے بہت ذمہ دار اور سنجیدہ بنا دیا تھا، راحیل نے اسے دلاسہ دیا۔

''یار کہیں اس کی انگیج منٹ یا ویڈنگ......''

شہروز نے دل میں اٹھتے وسوسوں کو زبان دی، اس کے دل میں طرح طرح کے وہم آ رہے تھے، وہ اسٹڈی سے غافل رہنے والی نہ تھی، آخر وہ اتنے روز سے بلاوجہ غائب نہ تھی۔

''ٹینشن مت لو، اب چلیں کہیں وہ دونوں ہمیں ڈھونڈنے نہ نکل پڑیں۔'' ان دونوں کو کافی دیر ہو چکی تھی، راحیل نے گھڑی پر نظر ڈالی تو اسے تیزی سے گزرتے وقت کا احساس ہوا، وہ راحیل سے بات کر کے کافی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا، حال دل کہنے سے اس کے بے چین دل کو قرار ملا تھا، وہ دل میں سب ٹھیک ہونے کی دعائیں مانگنے لگا۔

☆☆☆

''ہیلو۔'' فون کی بیل بجی تو نوشینہ نے دوسری بیل پر ہی ریسیور اٹھا لیا، وہ ہاسپٹل سے ابھی لوٹی تھی، منزہ بھابھی کے ہاں پرسوں بیٹا پیدا ہوا تھا، اس کا سیزیرین کیس تھا انہیں ابھی ہاسپٹل میں دو روز اور رہنا تھا، نوشینہ اور فاخرہ بھابھی دن رات اسی کے پاس ہوتی تھیں، نوشینہ شام ہوتے ہی گھر آ جاتی تو فاخرہ بھابھی بچوں کو اس کے پاس چھوڑ کر بھائی کے ساتھ ہاسپٹل چلی جاتیں تھیں، وہ بھابھی اور بھائی کے جانے کے بعد بچوں کو کھانا کھلا رہی تھی۔

''تم سا بے مروت دنیا میں کوئی نہ ہو گا یار۔'' رابعہ نے چھوٹتے ہی بغیر سلام دعا کے گلہ کیا، وہ خود کو اس کی بیسٹ فرینڈ سمجھتی تھی دونوں کی دوستی فرسٹ ائیر سے تھی جبکہ نوشینہ نے اسے بتانا تک پسند نہ کیا تھا۔

''سوری یار، میں ذرا بزی تھی تم سناؤ کیسی ہو؟'' نوشینہ آواز پہچان کر شرمندگی سے معذرت کرتی اس کی خیریت پوچھنے لگی۔

''طبیعت کو مارو گولی، ذرا تم اپنی مصروفیات بتانا پسند کرو گی۔'' رابعہ سخت غصے میں اور خفا تھی اس کی خفگی بجا تھی اسی نے اتنے روز بعد فون کیا تھا۔

''رابعہ میرا بھتیجا آپریشن سے پیدا ہوا ہے۔'' نوشینہ نے اسے اپنی مجبوری بتائی۔

''بہت مبارک ہو نوشینہ، مگر تمہیں مجھے کال بیک کرنی چاہیے تھی نا۔'' رابعہ نے خفگی بھلا کر اسے مبارکباد دیتے ہوئے گلہ کیا، وہ دو بارا سے

کال کر چکی تھی، دونوں بار کال فاخرہ بھابھی نے اٹینڈ کی تھی، انہوں نے اسے کال سے آگاہ بھی کیا تھا مگر وہ دات کو تھکی ہاری آ کر بچوں کو کھانا کھلاتے ہی خود بھی سو جاتی تھی اور صبح اسے جلدی اٹھ کر ہاسپٹل جانے کی تیاری کرنا ہوتی تھی، وہ چاہ کر بھی اسے کال بیک نہ کر سکی۔

''رابعہ ایکچوئلی میری مصروفیات ہی ایسی رہیں کہ میں تمہیں چاہ کر بھی کال بیک نہ کر سکی۔'' نوشینہ نے وضاحت دی۔

''میں انشاء اللہ منڈے سے آؤں گی۔'' پھر رابعہ اس سے بھتیجے کی باتیں کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

''نوشینہ افتخار'' سر احمد علی کلاس میں حاضری لگا رہے تھے، نوشینہ کا نام آیا تو انہوں نے اپنی رابعہ پر استفہامیہ نظریں ٹکا دیں۔

''سر اسے کوئی ضروری کام ہے وہ منڈے سے آئے گی یہ اس کی لیو ہے۔'' رابعہ نے اس کے بنا کہے لیو لکھ کر دے دی تھی۔

''اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا۔'' سر احمد نے اپنے مخصوص شفقانہ لہجے میں پوچھا۔

''جی سر۔'' رابعہ ہولے سے مسکرا دی، سر حاضری لگانے کے بعد لیکچر دینے لگے تھے، تمام سٹوڈنٹس کی توجہ لیکچر کی طرف ہو گئی تھی۔

''رابعہ!'' لیکچر ختم ہوتے ہی سر احمد کلاس سے باہر نکل گئے، رابعہ اپنی فرینڈ صبا کے ساتھ تھی، شہروز نے اسے آواز دی تو اسے معذرت کر کے رک گئی۔

''کیا آپ بتائیں گی کہ نوشینہ کو کیا ضروری کام ہے۔'' شہروز نے حتی الوسع لہجہ نارمل رکھا تھا، اس نے چار سال تک حال دل راحیل تک سے چھپایا تھا وہ آسانی سے خود کو کسی پر عیاں نہ کرنا چاہتا تھا، اسے نوشینہ کی عزت و وقار بھی بے حد عزیز تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ نوشینہ اور اس کا نام اکٹھا لوگوں کی زبان پر آئے۔

''میرا مطلب ہے کہ مجھے اس سے ایک ٹاپک ڈسکس کرنا تھا میری اسٹڈی کا ہرج ہو رہا ہے۔'' رابعہ کی آنکھوں میں استفہامیہ رنگ بکھر گئے تھے شہروز نے فوراً وضاحت کی تھی۔

''اس کا بھتیجا پیدا ہوا ہے وہ اس کے عقیقے کے بعد آئے گی۔'' رابعہ کے چہرے پر دھیمی مسکان تھی، شہروز کے سر سے اک بوجھ ٹل گیا تھا، اسے کھونے کا خوف تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹکا تھا، دل بے چین کو یک گونہ سکون ملا تھا۔

☆☆☆

''منزہ بھابھی! آپ کو کوئی بھی کام ہو مجھے بلا جھجک آواز دے لیجئے گا۔'' منزہ بھابھی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی تھیں، انہیں ڈاکٹر نے چند روز مکمل بیڈ ریسٹ بتایا تھا، نوشینہ رات کے کھانے کے بعد کچن سمیٹ کر ننھے وقاص کو سنبھال لیا، وہ نہ جانے کیوں بہت رو رہا تھا اور اسے کندھے سے لگا کر تھپک تھپک کر کمرے میں ٹہلنے لگی، وقاص کچھ دیر میں سو گیا، نوشینہ کو بھی نیند آنے لگی تھی اس نے وقاص کو بے بی کاٹ میں لٹا دیا۔

''ہاں...... وہ......'' منزہ کا برتاؤ اس سے بدل چکا تھا، یہ نہ تھا کہ نوشینہ نے اس کا دل موہ لیا تھا اور اس کے دل سے کینہ و کدورت کا میل اتر گیا تھا بلکہ منزہ نے حالات کے تحت مصلحت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، نوشینہ نے حقیقتاً اس کی بہت خدمت اور مدد کی تھی، بہن کو بھی رہنے کے لئے نہ بلوا سکی تھی، کنزیٰ آپی کے بچے سکول گوئنگ تھے، زارا کی ساس کی طبیعت خراب تھی جبکہ سارا کے دیور آج کل عرش معلی پر تھے وہ پریگنینسی میں اپنے گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگا رہی تھی تو اس کے گھر بلا

خاص کام کاج کے لئے کیسے آتی۔

''نہیں نوشینہ تم جاؤ آرام کرو، صبح وقاص کا عقیقہ ہے اور پرسوں تمہیں کالج بھی جانا ہے۔'' منزہ نے مروتاً بھی انکار مناسب نہ سمجھا اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولنا چاہے تو وسیم نے اسے خشمگیں نظروں سے گھوری دی تھی، صبح عقیقہ تھا، چند قریبی لوگ مدعو تھے، وسیم نے کھانا باہر سے پکوانا تھا مگر مہمانوں کی دیکھ بھال تو نوشینہ اور فاخرہ بھابھی ہی کو کرنا تھی، منزہ نے برا سا منہ بنا کر رخ موڑ لیا، نوشینہ آرام کرنے چلی گئی۔

''آپ کو مجھے ہر بات پر ضرور ٹوکنا ہوتا ہے۔'' منزہ کا موڈ بگڑا ہوا تھا اس نے نوشینہ کے جاتے ہی وسیم سے گلہ کیا حالانکہ اس کا گلہ بے جا تھا۔

''منزہ تم ناجائز بات کر کے میرا موڈ آف مت کرو۔'' وسیم کو اس کی غلط بات پر غصہ آنے لگا تھا، وہ آفس سے دوپہر کو لوٹ آیا تھا، اس نے نوشینہ کو ایک منٹ بھی آرام کرتے نہ دیکھا تھا، منزہ نے وسیم کے بگڑے تیور دیکھ کر مصلحتاً خاموشی سادھ لی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ نوشینہ وسیم کے دل پر مزید قابض ہو، اسے تو نوشینہ کو اب اس گھر اور شوہر کے دل سے جلد از جلد نکالنا تھا۔

☆☆☆

گھر میں خوب رونق تھی، چند قریبی لوگ مدعو تھے، مگر اک محفل جم گئی تھی، منزہ بھابھی کے میکے والے انہی کے کمرے میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے، نوشینہ اور فاخرہ صبح سے گھر کے کاموں میں گھن چکر بنی ہوئی تھیں، عقیقہ دوپہر کا تھا مگر مہمان کھانے کے بعد شام تک بیٹھے رہے تھے، گھر میں چند مہمان ہی رہ گئے تھے، وہ کسی کام سے منزہ بھابھی کے کمرے میں آ گئی۔

''آپی آپ نے اب نوشینہ کا کیا سوچا ہے۔'' وہ اندر داخل ہونے کو تھی کہ سارا کی آواز پر ٹھٹک گئی، کنزیٰ آپی اور زارا جا چکی تھیں، سارا کا گھر قریب تھا سوائے جلد جانے کی کوئی ٹینشن نہ تھی، نوشینہ اپنے ذکر پر نادانستہ رک گئی۔

''تم دونوں کو تو نمٹا دیا تھا میں نے، اب اس کے بھائی اس کا سوچیں ویسے سارا اس کی قسمت بڑی زور آور ہے۔'' منزہ اسے نوشینہ کے لئے آنے والے رشتے کی تفصیلات بتانے لگی تھی، نوشینہ کا ذہن منزہ کے پہلے جملے پر لحہ بھر کو ٹھٹکا۔

''آپ کو بڑی جلدی پڑی تھی میرا جواد سے رشتہ کروانے کی، اس کا اگلا رشتہ تو جواد سے کہیں بہتر آیا تھا آپی۔'' وہ ہر وقت کمرے میں گھسی رہتی تھی اور کھانے کے وقت کمرے سے باہر نکلتی تھی، جس پر اسے جواد سے بھی کبھار سخت سست الفاظ سننے کو ملتے تھے، اسے جواد کی بھی کبھار کی ڈانٹ بھی زہر لگتی اور اپنے معاملات میں مداخلت لگتی تھی، اس نے تو کبھی اپنے بھیا کی ڈانٹ برداشت نہ کی اور انہیں پلٹ کر جواب دے دیتی تھی۔

''مجھے کیا پتہ تھا کہ اب ہیرا آنے والا ہے۔'' منزہ کے لہجے میں بھی ملال گھل گیا تھا اسے پہلی بار اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا، وہ احمق بھول رہی تھی کہ اگر جواد اور نوشینہ کا رشتہ طے پا جاتا تو پھر نوشینہ کے لئے اگلا رشتہ کیونکر آتا۔

''پھر آپ نے اس رشتے کو کیسے ٹالا۔'' سارا کا تجسس بڑھ گیا، وہ مارے اشتیاق کے منزہ کے قریب کھسک آئی تھی۔

''غیر برادری کا کہہ کر، وہ غیر برادری سے تھا، امی نے اپنے سب بچوں کے رشتے اپنی برادری میں کیے تھے، میں نے اسی پوائنٹ کو ایشو کیا تھا۔'' منزہ نے فخر سے اپنا کارنامہ بیان کیا، سارا کے چہرے پر تائیدی مسکراہٹ پھیل گئی، اسے اپنی آپی کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد تھا، وہ

آسانی سے نوشینہ کو کیسے خوشی بھری زندگی دیتی۔

''اب آپ کی آگے کی کیا پلاننگ ہے؟'' سارا اس کی ہم راز و ہمدم تھی، وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

''اب اس کا جو بھی رشتہ آئے گا اس کی کر دیں گے، اب اس سے جلد از جلد میری جان چھوٹے۔'' منزہ کے لہجے میں زہر خند حقارت تھی وہ اس کی آنکھوں میں کھٹکتا ہوا کانٹا تھی جس کی چبھن اسے دل میں بھی محسوس ہونے لگی تھی سارہ کے لبوں پر بھی زہریلی مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

اداسی کے افق پر جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سر سبز تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو، سہما ہوا تارہ نکل آئے
تو قاتل رات کا اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

''کہاں تھی تم اتنے روز سے؟'' وہ راہداری کی سیڑھیوں پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھا اسی کا منتظر تھا، وہ حسب معمول کالج جلد آ گئی تھی، راہداری میں اکا دکا اسٹوڈنٹس تھے، شہروز لپک کر اس کے قریب آیا تھا، اس کی آنکھوں میں محبت ہمک رہی تھی، وہ چار سال سے ساتھ تھے، شہروز اسے بے حد پسند کرتا تھا، اس نے اپنی محبت دل میں چھپا کر رکھی تھی، وہ مناسب کا منتظر تھا، نوشینہ کی دو ہفتوں کی غیر حاضری نے اس کی محبت عیاں کر دی تھی نوشینہ کی آنکھوں میں استعجاب کے رنگ لرز رہے تھے، شہروز کی کئی لڑکیوں سے فرینڈ شپ تھی مگر اس نے کبھی نوشینہ سے فری ہونے کی کوشش نہ کی۔

''نوشینہ فاتح انگیز امر قریب ہیں آپ کبھی بھی اتنی لاپرواہ تو نہ رہی تھی۔'' نوشینہ کی حیرت بڑھ گئی وہ بھلا کب سے اس کو جاننے لگا تھا، اس نے تو ہر کلاس فیلولڑکے سے اک فاصلہ رکھا تھا اس سے کسی کلاس فیلولڑکے نے فری ہونے کی جرأت نہ کی تھی، شہروز اس کی حیرت و ذہن میں اٹھتے سوالات جوابات بھانپ کر ''تم'' سے آپ پر آ گیا دونوں کے بیچ اک جھٹکے سے بے تکلفی کی حائل دیوار مٹ گئی تھی۔

''مجھے ایک ضروری کام تھا گھر میں۔'' نوشینہ نرمی سے جواب دیتی آگے بڑھ گئی، کلاس شارٹ ہونے والی تھی، اسٹوڈنٹس کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔

''ایکسکیوزمی!'' شہروز اس کی راہ میں یوں حائل تھا کہ وہ بچ کر نکل سکتی تھی دونوں کا ٹکراؤ یقینی تھا، اس کی ارد گرد کا جائزہ لیتی محتاط نظریں دور سے رابعہ کو آتا دیکھ چکی تھیں، شہروز سے معذرت کر کے سائیڈ سے ہو کر آگے بڑھ گئی، وہ فی الحال کسی کا سامنا نہ کرنا چاہتی تھی، شہروز لب بھینچے اسے لحہ بہ لحہ خود سے دور ہوتا آزردگی سے دیکھتا رہا تھا۔

☆☆☆

''نوشینہ تمہارے بھتیجے کا کیا نام ہے؟'' وہ دونوں بریک ٹائم ہوتے ہی کینٹین آ گئیں۔

کینٹین میں رش کم تھا، وہ دونوں پرسکون گوشے میں ٹیبل کے گرد آ بیٹھیں، کینٹین بوائے نے انہیں جلد آرڈر سرو کر دیا، رابعہ نے کوک کا

سپ لیتے ہوئے پوچھا تھا دونوں کی دوستی کو تین سال سے زائد کا عرصہ بیت گیا تھا، دونوں کی دوستی میں زیادہ ہاتھ رابعہ کا تھا، ان کا ایک دوسرے کے ہاں بھی آنا جانا تھا، ورنہ نوشینہ تو رسمی دوستی تک ہی محدود رہتی، طاہرہ اور اس کی دوستی سر راہ ملاقات ہونے پر سلام دعا تک محدود رہ گئی تھی، رابعہ کی استفہامیہ نظریں اسی پر جمی تھیں۔

''وقاص وسیم۔'' نوشینہ نے بروسٹ کا پیس منہ میں ڈالا۔

''منزہ بھابھی عرف بچا بچا کٹنی نے بیٹے کا نام وقاص رکھا ہے۔'' رابعہ کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ بکھر گئی، رابعہ کا انداز اسے بہت برا لگا مگر وہ مصلحتاً چپ رہی تھی۔

رابعہ کو منزہ بھابھی اپنی چکنی چپڑی باتوں کی وجہ سے بالکل پسند نہ تھی، وہ جتنی بار بھی نوشینہ سے ملنے اس کے گھر گئی منزہ بھابھی بہانے بہانے سے دونوں کے گرد ٹوہ لینے کی غرض سے منڈلاتی رہتی تھیں، رابعہ کو ان پر سخت غصہ آتا مگر وہ غصہ ضبط کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی، اس نے نوشینہ سے دبے لفظوں اعتراض بھی کیا لیکن نوشینہ کو اپنے بھولپن میں اس کا اعتراض بے جا لگا تھا، اس نے الٹا بھابھی کی حمایت میں دوست کو لتاڑ دیا تھا، نتیجتاً دونوں کی دوستی کالج تک محدود ہو گئی تھی اس نے نوشینہ کے گھر جانا کم کر دیا تھا، رابعہ اکثر منزہ بھابھی کو ''بچا بچا کٹنی بھابھی'' کہتی تھی، نوشینہ اس کی بات کا سخت برا منا کر خفا بھی ہو جاتی مگر وہ رابعہ ہی کیا جو کوئی اثر لے لے، وہ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹی تھی اور یونہی ہمیشہ اس کی خفگی کی پرواہ کیے بغیر منزہ بھابھی پر بے لاگ کمنٹس پاس کرتی تھی، بلکہ رابعہ نے نوشینہ کے طاہرہ سے دوستی چھوٹنے کی وجہ سن کر صاف منزہ بھابھی پر شک ظاہر کیا تھا لیکن نوشینہ تو ان کے خلاف کچھ سننے پر آمادہ ہی نہ تھی۔

بھلے منزہ بھابھی کا اس سے انجانا بیر سہی مگر وہ اس حد تک نہیں گر سکتی تھیں۔

''رابعہ پلیز۔'' نوشینہ حسب عادت اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''بھئی ہم تو اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہیں اور حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے، ابھی تم صبح کا واقعہ لے لو۔'' رابعہ نے دانستہ شوخی سے اسے چھیڑتے ہوئے لمحہ بھر کا توقف کیا، کوک پیتی نوشینہ کو زبردست اچھو لگ گیا۔

''کیا مطلب؟'' نوشینہ کے کپڑوں پر کوک گر گئی، اس نے اپنے چہرہ کو نارمل رکھتے ہوئے سادگی سے اپنے کپڑے صاف کرتے ہوئے رابعہ سے نظریں چرائیں، رابعہ کے پرسوچ چہرے پر مبہم تبسم پھیلا تھا نوشینہ کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔

''ہائے ربا لوگ اتنے سیدھے ہوتے ہیں یا پھر سیدھے بننے کی ایکٹنگ کرتے ہیں۔'' رابعہ کی شوخی عروج پر تھی، اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دہائی دی۔

''تم سیدھی طرح بکو، آخر کہنا کیا چاہتی ہو۔'' نوشینہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے ایک زوردار دھپ رابعہ کے کندھے پر لگائی، وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی، رابعہ یقیناً صبح دونوں کو دیکھ چکی تھی، آج صبا غیر حاضر تھی، اس نے دل میں شکر کیا ورنہ وہ صبا کو کبھی بھی مطمئن نہ کر پاتی البتہ رابعہ کا معاملہ الگ تھا، رابعہ اس کے نیچر سے واقف تھی وہ اسے مطمئن کر لیتی۔

''آج ان گناہ گار آنکھوں نے کچھ دیکھا تھا۔'' رابعہ کی معنی خیزی بھری شوخی عروج پر تھی، وہ نوشینہ سے پوچھنے کے لئے بے چین تھی، اس

نے ان ڈائریکٹ سوال کیا۔

''رابعہ وہ مجھ سے طویل غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا تھا۔'' نوشینہ نے سادگی سے جواب دیا۔

''شہروز نے مجھ سے بھی تمہاری غیر حاضری کی وجہ پوچھی تھی۔'' رابعہ نے یاد آنے پر اسے بتایا، رابعہ کو نوشینہ کی معصومیت پر یقین تھا وہ تو اسے محض ستا رہی تھی۔

''کیا؟'' نوشینہ کے چہرے پر استعجابیہ رنگ پھیل گئے۔

''اس کی عادت ہے یار، جانے دو۔'' نوشینہ نے سر جھٹکتے ہوئے کوک کا سپ لیا، رابعہ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

سو قصے ہیں ملتے جلتے اک مجبوری ٹھیک نہیں
جو کہنا ہے کھل کر کہہ دو بات ادھوری ٹھیک نہیں
کوئی حیلہ کوئی بہانہ کوئی مناسب راہ نکال
مجھ سے ایسے ملتے رہنا غیر ضروری ٹھیک نہیں
روز محبت ہو جاتی ہے چلتے پھرتے لوگوں سے
گیت ادھورے خواب ادھورے یہ مزدوری ٹھیک نہیں
اک شکایت کے بدلے مجھ کو سب کے سب الزام نہ دے
کچھ کچھ تیری بات ہے سچی ہے لیکن پوری ٹھیک نہیں
ہم محفل میں آئے یوں وہ پیچھے جا کر بیٹھ گئے
ہم سے دوری اچھی ہے پر اتنی دوری ٹھیک نہیں

''نوشینہ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' اس روز موسم ابر آلود تھا، صبح سے موسلا دھار بارش جاری تھی، کلاسز میں حاضری بے حد کم تھی، جو اسٹوڈنٹس آئے تھے وہ بھی موسم انجوائے کرنے میں مگن تھے، رابعہ اور صبا بھی غائب تھیں، نوشینہ اکیلی بور ہو رہی تھی، وہ گراؤنڈ میں آ گئی، بارش رم جھم کی صورت اختیار کر چکی تھی، بارش کی کن من نوشینہ کو بے حد بھلی لگی، اس نے دھیمی برستی بوندوں کے سامنے اپنی دودھیا ہتھیلی پھیلا دی تھی، بارش کی بوندیں اس کی ہتھیلی پر جمع ہونے لگیں، وہ جمع پانی کو مٹھی بند کر کے اکٹھا کرنے کی کوشش کرتی تو پانی ہتھیلی کی سائیڈوں سے پھسل جاتا، اسے اس کھیل میں مزہ آنے لگا، وہ کھیل میں مگن تھی کہ اس کے قریب شہروز کی آواز ابھری، وہ چونک کر مڑی، اس سے چند قدم دور شہروز کھڑا تھا۔

''جی ضرور۔''

''تھینک یو۔'' اس کی شہروز سے کوئی دشمنی نہ تھی، وہ اس کا کلاس فیلو تھا اور ذہین اسٹوڈنٹس میں شمار ہوتا تھا، اس نے ہولے سے مروتاً گردن ہلا دی، وہ اس کی اجازت پاتے ہی اس کے قریب بینچ پر بیٹھ گیا، نوشینہ کا مشغلہ رک گیا تھا، اس نے برستی بوندوں پر نظریں جما دیں، وہ کئی روز سے شہروز کی والہانہ نگاہوں کی زد میں تھی، شہروز اکثر اسے آتے جاتے لمحہ بھر کو نگاہ بھر کر دیکھتا تھا، وہ اس کے لمحہ لمحہ سے باخبر تھا، اس نے کبھی کوئی اوچھی حرکت نہ کی تھی سو نوشینہ اسے نوٹس کرنے کے باوجود نظر انداز کر گئی تھی۔

''آپ آج اکیلی ہیں؟'' شہروز نے بات برائے بات گفتگو کا آغاز کیا تھا، دونوں کے بیچ تکلف کی دیوار خاموشی کی صورت حائل تھی، شہروز نے بے تکلفی پیدا کرنا چاہی تھی، اس کے گروپ ممبرز بھی غائب تھے۔

''جی!'' نوشینہ نے مختصر جواب دیا، اس کی توجہ ہنوز برستی بارش پر تھی، اسے شہروز کی کمپنی نہ جانے کیوں بے چین کر رہی تھی، وہ چاہتی تھی کہ شہروز جلد از جلد اٹھ کر چلا جائے۔

''کیا آپ کو بارش پسند ہے؟'' شہروز کا

جلد اٹھنے کا کوئی موڈ نہ تھا، اس نے بے تکلفی سے دوسرا سوال کیا، وہ اس لڑکی کو پرت در پرت پڑھ لینا چاہتا تھا، وہ اس کی ذات کو کھوج کر آشنائی چاہتا تھا۔

''جی!'' نوشینہ کا جواب ہنوز مختصر تھا، وہ بے تکلفی کے موڈ میں نہ تھی، شہروز کی موجودگی اس کا اضطراب بڑھا رہی تھی۔

''نوشینہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنہری موقع کو کھونا نہ چاہتا تھا، نوشینہ قدرے چونک گئی لیکن اسے دیکھنے سے اجتناب کیا۔

''آئی لو یو نوشینہ۔'' وہ بدک کر دور ہوتے ہوئے اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورنے لگی، وہ اسے ہی والہانہ پن سے دیکھ رہا تھا، اس کی نظروں میں شوق کا اک جہاں آباد تھا، نوشینہ کے لب دھیرے سے پھڑپھڑا کر رہ گئے، دونوں کی نظریں ملیں، شہروز کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

''نوشینہ میں آپ کو چار سال سے چاہتا ہوں، میں نے کبھی اظہار محبت نہیں کیا، میں آپ کو ڈسٹرب نہ کرنا چاہتا تھا، میں شاید اب بھی آپ سے اظہار محبت نہ کرتا لیکن نہ جانے کیوں کچھ عرصے سے میرا دل وسوسوں میں گھرا رہتا ہے، میں آپ کو کھونے سے ڈرتا ہوں نوشینہ۔'' اک خوف اس پر طاری رہنے لگا تھا، وہ نوشینہ کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا، نوشینہ کے گھر والے بھی کچھ عرصے سے اس کے جلد رشتے کی تگ و دو کر رہے تھے اور شہروز بھی کچھ عرصے سے انجانے خوف کا شکار تھا، نوشینہ نے نظریں پھیر لیں، بارش میں تیزی آنے لگی تھی، وہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

''نوشینہ پلیز، آپ کچھ تو کہیں۔'' نوشینہ کی خاموشی شہروز کو تڑپا گئی، وہ اس کی راہ میں حائل ہو گیا تھا، نوشینہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

''نوشینہ میں زندگی کی آخری سانس تک صرف تمہارا ہوں، مجھے تمہارے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔'' شہروز کی آس بھری آواز اس کی پشت پر ابھری تھی، لحظہ بھر کو اس کے بڑھتے قدم تھم گئے پھر وہ تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھنے لگی، اس نے کلاس روم میں داخل ہونے سے پہلے نہ جانے کیوں مڑ کر دیکھا، شہروز وہیں کھڑا تیزی سے برستی بارش میں بھیگ رہا تھا، وہ غڑاپ سے کلاس روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

اے عشق ہمیں برباد نہ کر ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی تو کچھ کم نہیں یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر

وہ بک سامنے کھولے پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، اس کی نظریں بک سے بھٹک کر سامنے پیڑ پر پھدکتی چڑیوں پر ٹک گئیں، ذہن تو کہیں بھول بھلیوں میں کھویا ہوا تھا، وہ جب سے کالج سے لوٹی تھی، عجب سوئی جاگی کیفیت میں تھی، وہ بے خبری میں منزہ بھابھی کی چبھتی نظروں کی زد میں تھی، منزہ بھابھی نے اسے مستقل نیچے روک لیا تھا، نوشینہ وقار اور زنیرہ کو سنبھال لیتی تھی، منزہ کو کافی سہولت تھی۔

''نوشینہ تم وقار کے کپڑے بدلوا دو۔'' منزہ بھابھی آنے بہانے اسے کئی کام سونپ چکی تھیں، اس کی بدلی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی، منزہ وقار اور وقاص کو لئے اس کے پاس آ بیٹھی، زنیرہ سو رہی تھی، نوشینہ نے چونک کر ان کے ہاتھ سے خاموشی سے کپڑے لے لئے۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' منزہ نے اسے سرتاپا بغور جانچا، وہ بک سائیڈ پر اوندھی رکھ کر وقار کے کپڑے چینج کروانے لگی، بھابھی کی تیز چبھتی نظریں اسی پر جمی تھیں، ''بچا بچا کتنی بھابھی'' نوشینہ کے ذہن سے رابعہ کی بازگشت ٹکرائی تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی، وہ لاکھ رابعہ کو جھٹلاتی مگر بھابھی کا اس سے اک انجانا بیر تھا جو اس کی ہزار کوششوں کے باوجود کم نہ ہوا تھا، بقول رابعہ بھابھی کا بدلا نرم رویہ مفت کی نوکرانی ملنے پر ہے۔

''جی بھابھی میں ٹھیک ہوں۔'' نوشینہ نے اسے یقین دلانے کے لئے چہرے پہ جبری مسکراہٹ طاری کی تھی، منزہ سر ہلاتی بنا جرح کیے چلی گئی، وقار کپڑے بدل کر اور پھر کھیلنے بھاگ گیا، نوشینہ نے اسے نرمی سے محبت بھری دھپ رسید کرتے ہوئے بک گود میں رکھ لی۔

''آئی لو یو نوشینہ۔'' شہروز کی گمبھیر آواز اس کے کانوں میں گونجی تو وہ یوں اچھل پڑی جیسے وہ اس کے سامنے ہو۔

''میں تمہارا زندگی کی آخری سانس تک انتظار کر سکتا ہوں نوشینہ۔'' شہروز کی آواز کی بازگشت اسے نڈھال کیے جا رہی تھی وہ اسے سوچنا نہ چاہتی تھی مگر وہ اس کی تمام تر سوچوں پر حاوی ہوا جا رہا تھا، اسے چار سال میں بھی شہروز پر ہلکا سا شبہ بھی نہ ہوا تھا کہ وہ اسے چاہتا ہے، شہروز کی کلاس کی کئی لڑکیوں سے دوستی تھی وہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتا تھا اس کے فادر سیاست میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، ان دونوں کا کوئی جوڑ نہ تھا، اسے آزاد خیال لڑکے پسند نہ تھے جبکہ شہروز کے نزدیک لڑکیوں سے دوستی معیوب نہ تھی، وہ اپنی شاندار پرسنیلٹی کی وجہ سے لڑکیوں کا منظور نظر تھا۔

''مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔'' نوشینہ نے آواز کی بازگشت سے زچ ہو کر بک بند کر دی تھی، وہ فیصلہ کر چکی تھی اسے شہروز کو اب اپنا فیصلہ سنانا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز بھی موسم ابر آلود تھا، کلاس میں حاضری کل کی نسبت زیادہ تھی، رابعہ نے ناساز طبیعت کے باعث چھٹی کی تھی، صبا بریک ٹائم میں کینٹین چلی گئی اس کو بھوک نہ تھی اس نے صبا سے معذرت کر لی وہ لائبریری آ گئی، وہ رات ٹھیک سے سو بھی نہ سکی تھی، اس کی آنکھیں رتجگے کی چغلی کھا رہی تھیں، اس کا سر بھاری ہو رہا تھا، لائبریری میں صرف دو سٹوڈنٹس تھے وہ لائبریری کے تنہا گوشے میں بیٹھ گئی، وہ چیئر کی بیک سے سر ٹکا کر ماتھا سہلانے لگی۔

''نوشینہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' اس کا ذہن الجھا ہوا تھا، وہ سکون چاہتی تھی اس لئے وہ صبا سے بہانہ بنا کر لائبریری آ گئی تھی، شہروز کی تشویش و محبت بھری آواز اس کے قریب ابھری، وہ چونک کر سیدھی ہوئی، شہروز اسے ڈھونڈتا ہوا لائبریری آیا تھا۔

''آپ!'' نوشینہ کا اس پر نظر پڑتے ہی منہ بن گیا، وہ اس کے جواب کا منتظر ہو گا اسے اندازہ تھا مگر وہ اگلے روز ہی اس سے جواب طلب کرنے آ جائے یہ اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔

''آپ نے پھر کیا سوچا؟'' اس نے نوشینہ کے چہرے کے بگڑے زاویے دیکھ کر ڈائریکٹ سوال کیا۔

''سوری شہروز، ہم صرف کلاس فیلوز ہیں۔'' نوشینہ نے قطعیت سے جواب دیا، وہ اس کے متعلق سوچ بھی نہ سکتی تھی، اسے علم تھا کہ نعیم

بھائی نے اپنے کولیگ کا رشتہ غیر برادری کی وجہ سے چھوڑا ہے ورنہ وہ شریف اور سمجھا ہوا لڑکا تھا، وہ شہروز کی لڑکیوں سے دوستی سے باخبر تھی، نہ جانے اس کا کسی سے افیئر بھی ہو، وہ رئیس خاندان کا نوجوان تھا، اس نے بڑے خاندانوں کے لڑکے اکثر بگڑے ہوئے ہی دیکھے تھے، شہروز کے چہرے پر دکھ کے سائے پھیل گئے، اس کی وجیہہ صورت مایوسی سے تاریک پڑ گئی اور آنکھوں میں ضبط کی لالی دوڑ گئی۔

''مگر کیوں نوشینہ؟ مجھ میں کیا کمی ہے۔'' نوشینہ جواب دے کر اپنے تئیں بات ختم کر کے جانے لگی تو شہروز نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی، وہ اس کی جرأت پر ششدر رہ گئی، شہروز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ دی، نوشینہ کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیل گئی تھی، وہ لب بھینچ کر اپنا غصہ کنٹرول کرنے لگی۔

''یہی کمی ہے شہروز، آپ ایک رئیس فیملی کے بگڑے نوجوان ہیں۔'' نوشینہ نے لفظ چبا کر اس کے کردار پر گہری چوٹ کی۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں مجھے۔'' شہروز نے تڑپ کر اپنی صفائی دینا چاہی وہ ساری دنیا کی نظروں میں اپنے لئے بدگمانی سہہ سکتا تھا مگر نوشینہ کی نہیں۔

''مجھے آپ سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ آپ کو غلط یا صحیح سمجھتی پھروں۔'' نوشینہ نے اس کی بات کاٹ دی وہ اس کی کوئی بات سننے کی روادار نہ تھی، وہ خود کو عشق یا محبت جیسے بکھیڑوں میں نہ ڈالنا چاہتی تھی اسے منزہ بھابھی کے ہاتھ کوئی بات ٹاپک نہ دینا تھا اسے اپنی عزت بے حد عزیز تھی۔

''پلیز مجھے اپنی صفائی کا ایک موقع تو دو نوشینہ۔'' شہروز رندھے لہجے میں ملتجی اس کی راہ روکے کھڑا تھا، اسے لگتا تھا کہ اگر یہ گھڑی اس کی مٹھی سے پھسل گئی تو وہ کبھی نوشینہ کی نظروں سے سرخرو نہ ہو سکے گا، وہ اسے ہمیشہ کے لئے نہ کھونا چاہتا تھا، وہ اس کی زندگی کی اولین خوشی تھی، اس کی وجیہہ صورت پر درد ہی درد تھا، نوشینہ کو اس کی محبت کی سچائی پر یقین آ گیا، بعض اوقات انسان کی زندگی میں کوئی ایک لمحہ ایسا آتا ہے جس میں دل کی گواہی پر وہ ایمان لے آتا ہے، شہروز کی بکھری حالت اَن کہی داستانیں سنا رہی تھی، پھر بھلا وہ کیسے یقین نہ کرتی، اس کا من اک پل کو ڈول گیا، وہ خود پر رشک کرنے لگی کہ اسے شہروز جیسا شاندار انسان شدت سے چاہتا ہے۔

''نوشینہ تم ایک پل کو بھی کمزور پڑ گئی تو وسیم بھائی کی نظروں میں گر جاؤ گی وہ تم پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔'' کوئی اس کے اندر سے بولا تھا، اس نے اپنے دل کی آواز پر ضمیر کی آواز کو فوقیت دی اور اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی لمبے ڈگ بھرتی چلی گئی، اس کی آنکھوں میں پھیلے لمحہ بھر کے نرم تاثر نے شہروز کو جو حوصلہ دیا وہ بکھر کر رہ گیا، وہ اسے اپنی زندگی سے نکلتی محسوس ہوئی تھی، اس کے وجود میں محبت درد کی صورت پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

''میں بہت خوش ہوں سارا۔'' سارا کو لیبر روم سے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا اس نے بیٹے کو جنم دیا تھا، جواد کے مارے خوشی کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے، وہ بیٹے کو والہانہ پن سے چوم رہا تھا، سارا کے میکے والے اس سے مل کر جا چکے تھے۔

''جواد میں اپنے بیٹے کا نام خود رکھوں گی۔'' سارا بیٹے کی ماں بن کر فخر و انبساط سے پھولی جا

رہی تھی، اس کی ازلی خودسری عود آئی، وہ بیٹے پر صرف اپنا حق سمجھ رہی تھی۔

"سوری یہ میرا ہے اگلا تمہارا ہوگا۔" جواد بے حد خوش تھا اس نے سارا سے شوخی سے معذرت کی، سارا حیا سے سرخ پڑ گئی، جواد نے دلچسپی سے اس کا من موہنا روپ دل میں اتار لیا۔

"نہیں میں اس کا نام سوچ چکی ہوں۔" سارا دبنے والوں میں سے نہ تھی، وہ سسرال میں کسی سے بھی دب کر نہ رہنا چاہتی تھی، اس کے خیال میں دبنے کا مطلب ہار تھا اور وہ اپنی ہار یا شکست کسی صورت برداشت کر سکتی تھی، وہ اپنے موقف پر ڈٹ گئی۔

"سارا میں اور امی بھی اس کا نام پسند کر چکے ہیں۔"

"تو اسے میں نے اتنی تکلیف برداشت کر کے پیدا ہے، مجھے اتنا حق تو ہونا چاہیے۔" سارا ہٹ دھرمی سے خفا ہو گئی، جواد اس کی لایعنی لاجک پر حق دق رہ گیا، اس نے مما سے نام پوچھا تھا حالانکہ انہوں نے منع کیا تھا کہ وہ سارا سے مشورہ کرے، اسے مان تھا کہ سارا کوئی اعتراض نہ کرے گی۔

"سارا تم فضول ضد کر رہی ہو، میں نے اس کا نام سوچ لیا ہے اور میں اب اس موضوع پر اک لفظ نہ سنوں گا۔" جواد کو غصہ کم آتا تھا وہ ضدی بھی نہ تھا، لیکن جب وہ کسی فیصلے پر ڈٹ جاتا تو اسے دنیا کی کوئی طاقت اس کے فیصلے سے نہ ہٹا سکتی تھی، سارا نے خفگی و غصے سے رخ موڑ لیا، جواد بھی اس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر بیٹے سے لاڈ کرتا رہا، اس نے سارا کے بے جا لاڈ اٹھائے تھے اس کی فرمائشیں بلا اعتراض پوری کی تھیں اور وہ اسے اتنا حق بھی نہ دے رہی تھی کہ وہ اپنے بچے کا نام خود رکھ سکے، جواد کے چہرے پر ملال پھیل گیا، دراصل سارا کو یہی ضد چڑھی تھی کہ نام مما نے پسند کیا ہے، اگر جواد خود نام پسند کرتا تو وہ خوشی برضا مان جاتی، اسے مما کی اپنی ذاتی زندگی میں مداخلت پسند نہ تھی، جواد اس کی خفگی برداشت نہ کر سکتا تھا، وہ اب اسے یکسر نظر انداز کیے بیٹے میں مگن تھا، وہ سلگتے ذہن سے کڑھتی رہی، اس کا دل غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا، جواد کی بے نیازی حد سے سوا تھی۔

☆☆☆

"منزہ تم کچھ تو خوف خدا کرو، تم نے نوشینہ کو بالکل نوکرانی سمجھ لیا ہے اگر تم سے گھر کے کام نہیں ہوتے تو مجھے بتاؤ میں کسی نوکرانی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔" اس روز فرائیڈے تھا وسیم بھائی گھر تھے، نوشینہ نے صبح سب کے لیے ناشتہ بنایا پھر سارے گھر کی صفائی کی، وہ صفائی سے فارغ ہو کر دوپہر کا کھانا بنانے لگی ابھی وہ کھانا بنا رہی تھی، منزہ بھابھی نے کمرے میں اودھم مچاتے وقار اور زہرہ کو پھپھو کے پاس بھیج دیا، وہ دونوں اسے تنگ کر رہے تھے نوشینہ کو کھانا تیار کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔

وہ بچوں کو سنبھالنے کے ساتھ کھانا بھی بنا رہی تھی، منزہ نے صبح سے گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگایا تھا بلکہ ناشتہ کے برتن بھی کمرے میں صبح سے یونہی پڑے تھے، جو نوشینہ تھوڑی دیر پہلے اٹھا کر لے گئی تھی، وقاص ساڑھے چار ماہ کا ہو گیا تھا اور منزہ کا چلا ہی ختم نہ ہو رہا تھا، وہ اپنے سیزیرین کیس کا بہانہ بنا کر گھر کے کاموں سے جان چھڑائے ہوئے تھی نوشینہ گھن چکر بنی گھر کے کام سمیٹ رہی تھی، وہ گندے کپڑے فاخرہ ماسی کے ساتھ مل کر دھو لیتی تھی، فاخرہ بھابھی کو نوشینہ پر بہت ترس آتا تھا وہ اسے منزہ سے بات کر

کا کہہ چکی تھی مگر نوشینہ نے صاف انکار کر دیا، بھابھی کی شادی کے پانچ سال بعد ابھی تو اس سے موڈ ٹھیک رہنے لگا تھا خواہ کسی بہانے ہی سہی، وہ ان سے بگاڑنا نہ چاہتی تھی، وہ تو بے حد خوش تھی کہ بھابھی اس سے محبت سے بات کرتی ہیں، وہ سادہ لوح لڑکی منزہ کی محبت میں چھپی مکاری نہ سمجھ سکی تھی، اس کے ایگزامز قریب تھے، اسے دن میں تیاری کا ٹائم نہ مل رہا تھا، وہ رات گئے پڑھتی رہتی تھی۔

وسیم بھائی نے اسے صبح سے گھن چکر بنے دیکھا تو ان کی برداشت جواب دے گئی، وہ بیوی پر غصے سے بگڑ اٹھے، منزہ نے حقیقتاً اس نوکرانی ہی سمجھ لیا تھا اور اسے ایک کے بعد ایک سارے گھر کے کام سونپ کر خود بری الذمہ ہو چکی تھی، وہ وسیم بھائی کے آفس پر انہیں اپنی مصروفیت کا جھانسہ دیتی تھی مگر کب تک، وسیم بھائی کوئی دودھ پیتا بچہ نہ تھے، کہ انہیں بیوی کی مکاریاں سمجھ میں نہ آتیں۔

"وسیم آپ دیکھ بھی رہے ہیں میں بھی صبح سے بزی ہوں۔" منزہ ان کی بات کا برا مان گئی، منزہ نے ناشتہ ٹیبل پر چن دیا تھا، پھر اس نے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ دیے، اس نے ناشتے سے فارغ ہو کر بچوں کے کپڑے بدلوائے اور وقار کو سلانے میں دو گھنٹے لگا دیے تھے، اسے وسیم کی بہن کی طرفداری ایک آنکھ نہ بھائی تھی، نیند میں محو وقاص نے ذرا منہ بسورا تو منزہ نے غصے سے اسے خواہ مخواہ ایک دھپ رسید کر دی، وہ بھاں بھاں کر کے رونے لگا۔

"تم جو مصروف ہو میں بخوبی دیکھ رہا ہوں۔" وسیم اس کی بات سے متاثر ہوئے بنا غصے سے پھنکارا، منزہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"میں آپ کی لاڈلی کو کام کرنے کا نہیں کہتی وہ خود لگی رہتی ہے۔" منزہ نے سلگ کر اپنی جھوٹی صفائی دی، وہ صاف مکر گئی تھی۔

"نوشینہ!" وسیم نے با آواز بلند نوشینہ کو بلایا، وہ آر یا پار کرنے کے موڈ میں تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ نوشینہ کا شاندار اکیڈمک ریکارڈ خراب ہو، وہ ایم بی بی ایس کے بعد سپیشلائزیشن کرنا چاہتی تھی، اسے ہر قیمت پر اپنی بہن کا خواب پورا کرنا تھا، آخر میڈیکل کی ٹف اسٹڈی وقت مانگتی تھی۔

"جی بھیا۔" وہ اس کی ایک پکار پر حاضر ہو گئی۔

"تم اپنی اسٹڈی پر دھیان دو اور آج ہی اوپر شفٹ ہو جاؤ، منزہ سارے کام دیکھ لے گی۔" وسیم نے قطعیت سے اپنا فیصلہ سنایا، وہ ناسمجھی سے دونوں کو ٹکر ٹکر گھورنے لگی، منزہ بھابھی غصے سے پھنکارتی کچن کی طرف بڑھیں، وہ روٹی بنا رہی تھی، منزہ بھابھی جا کر روٹیاں بنانے لگیں، اس نے وسیم بھائی کو ناسمجھی سے دیکھا ان کی آنکھوں میں نرم تاثر تھا۔

"تمہیں جو کہا ہے وہی کرو۔" بھیا نے محبت سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بھیا وہ......" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بھیا نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا تھا، اس کے چہرے پر تشویش تھی، منزہ بھابھی کی روٹیاں بنانے کی زوردار دھپ ان کے خراب موڈ کا پتہ دے رہی تھی۔

☆☆☆

اور پھر وہ اسی شام اوپر شفٹ ہو گئی، بھیا اسے خود اوپر چھوڑنے آئے تھے، منزہ بھابھی کا سارا دن موڈ آف رہا تھا، بھیا نے اس کے خراب موڈ کی بالکل پرواہ نہ کی تھی، انہیں نوشینہ کی فکر تھی، نوشینہ کے ایگزامز میں ڈیڑھ ماہ باقی تھا،

اس نے دبے لفظوں بھیا سے انکار بھی کیا تھا وہ منزہ بھابھی کے خراب موڈ سے ڈرتی تھی، بھابھی تو سدرہ آپی کے آنے پر بھی ان سے مارے باندھے ملتی تھیں، اگر انہیں وسیم بھیا کا ڈر نہ ہوتا تو وہ نندوں کو منہ بھی لگانا پسند نہ کرتیں۔

''بھیا آپ خواہ مخواہ بھابھی کو خفا کر دیا۔'' منزہ نے پانچ چھ ماہ مکمل آرام کیا تھا، گھر کے کام کرنے کا سوچ کر ہی اس کا موڈ آف تھا، وہ دوپہر سے دو بار اپنا غصہ بچوں کو خواہ مخواہ مار پیٹ کر نکال چکی تھی، وہ آتے ہوئے بھابھی کو سلام بھی کر کے آئی تھی جس کا منزہ نے جواب نہ دیا تھا۔

نوشینہ تینوں بھابھیوں سے بنا کر رکھنا چاہتی تھی، اسے منزہ بھابھی کی خفگی کی پرواہ تھی اسے رہ رہ کر انہی کا خیال آ رہا تھا۔

''نوشینہ تم بہت سیدھی اور معصوم ہو، وہ تمہیں بے دام غلام بنائے ہوئے ہے اور تم اسے اس کی محبت سمجھ رہی ہو۔'' بھیا نے محبت سے بہن کو ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوما، وہ بیوی کی رگ رگ سے واقف تھے۔

''آپ بھابھی کو غلط سمجھ رہے ہیں بھیا۔'' نوشینہ نے فوراً اس کی طرفداری کی، وہ اپنی سادہ لوحی میں منزہ کے ہاتھوں الو بنی ہوئی تھی، اس کی اسٹڈی کا کافی حرج ہو رہا تھا، نتیجتاً اسے رات بھر پڑھنا پڑتا، اسے آرام کے لئے بمشکل دو چار گھنٹے ملتے تھے، ان دونوں کا زبردست معرکہ بھی ہوا تھا اور پہلی بار بھیا نے بھابھی سے قطع کلامی اختیار کی تھی۔

''تم اس کی ٹینشن نہ لو اور اپنا دھیان تعلیم پر دو۔'' بھیا نے اسے تسلی دیتے ہوئے اس کا سر نرمی سے سہلایا تھا، بھیا اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے وہ جلد بہل گئی تھی۔

☆☆☆

''آ گئے آپ، اوپر ہی سو جاتے۔'' بھیا نیچے آئے تو گیارہ بج چکے تھے، وہ کچھ دیر نوشینہ کے پاس بیٹھ کر ندیم بھائی اور بھابھی کے پاس بیٹھ گئے تھے، وہ دونوں کو نوشینہ کے سامنے وارن کر کے آئے تھے، کہ نوشینہ نیچے کوئی کام کرنے یا منزہ کا ہاتھ بٹانے کے لئے ہرگز نہ جانے پائے، منزہ ان کے انتظار میں جلے پیر کی بلی کی طرح گھر میں چکراتی پھر رہی تھی اس نے سیڑھیوں کے قریب کھڑے ہو کر اوپر کی سن گن لینے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہی، وسیم نے پہلی بار اس سے بات چیت بند کی تھی بلکہ وہ اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا، وہ غصے سے چیخ اٹھی، وسیم اسے ان سنا کر کے سونے کے لئے بیڈ پر لیٹ گیا، منزہ سلگ اٹھی وہ احساس توہین سے سرخ پڑ گئی۔

''آپ نے ہمیشہ مجھے غلط سمجھا ہے۔'' وسیم کا غصہ نقطۂ عروج پر تھا، وہ کبھی اتنے شدید غصے میں نہ آیا تھا، اس نے ہمیشہ منزہ کو نرمی سے سمجھایا تھا مگر آج اس نے پہلی بار اسے نوشینہ کے سامنے ڈانٹا تھا وہ اپنی توہین بھول ہی نہ پا رہی تھی، منزہ نے زہر خند لہجے میں گویا اپنی صفائی دی تھی اسے پورا یقین تھا کہ نوشینہ نے وسیم کو اس کے خلاف بھڑکایا ہے۔

''میں نے تمہیں ہمیشہ صحیح سمجھا ہے، میں تمہیں پہلے بھی دبے لفظوں نوشینہ سے زیادہ کام کروانے سے منع کر چکا تھا لیکن تم باز نہ آئی بلکہ آج تو تم نے حد کر دی، وہ صبح سے کاموں میں لگی تھی تم نے دونوں بچوں کو اسی کے پاس کھیلنے بھیج دیا جو اسے کام بھی نہ کرنے دے رہے تھے تم کم از کم بچے تو سنبھال سکتی تھی نا۔'' وسیم کا موڈ بگڑا ہی اسی بات پر تھا کہ منزہ فارغ رہ کر بچے بھی نہیں سنبھال سکتی اور نوشینہ کو گھر کے تمام کاموں اور بچوں کو دیکھنا پڑتا تھا، وسیم اس کے منہ نہ لگنا چاہتا تھا مگر اس کی برداشت ختم ہو گئی، وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا، اس نے لفظ لفظ پر زور دیتے ہوئے منزہ کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورا، اس کا دوپہر سے بگڑا موڈ اوپر جا کر ذرا بحال ہوا تھا جو نیچے آتے ہی منزہ نے پھر بگاڑ دیا تھا، وہ منزہ کی جھوٹی صفائیوں میں آنے والا نہ تھا۔

''وسیم آپ مجھے غلط کہہ رہے ہیں۔'' منزہ دکھ کی انتہا پر تھی اس نے ہمیشہ نوشینہ کو فوقیت دی لیکن اسے کبھی غلط نہ سمجھا تھا، وہ اسے جھوٹا کہہ رہا تھا، اسے دکھ وسیم کے جھوٹا کہنے سے زیادہ نوشینہ کی برتری کا تھا، وہ نوشینہ کو مزید چند روز اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے صبح آفس جانا ہے لائٹ آف کر دو۔'' وسیم اسے غصیلی نظروں سے گھورتا کروٹ بدل گیا۔

''مجھے نوشینہ سے بدلہ لینا ہے، آج میں وسیم کی نظروں میں گری ہوں، مجھے نوشینہ کو بھی اس کی نظروں میں گرانا ہے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی نوشینہ۔'' منزہ کے لئے شوہر کی نظروں میں موجود اپنے لئے حقارت ناقابل برداشت تھی یہ سب نوشینہ کے کارن ہوا تھا وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی، اس نے لائٹ آف کر دی، نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ نوشینہ کو وسیم کی نظروں میں گرانے کے طریقے سوچنے لگی۔

☆☆☆

سناٹے اور خاموشی میں روشنی پھوٹی ہے
اور تمہاری آوازوں نے دستک دی ہے
چاروں اور تمہاری کومل باتوں کی جھلمل اتری ہے
میری روح کے ویرانے میں کیسی یہ خوشبو اتری ہے
جانے یہ احساس ہے کیسا جس نے مجھ کو سکھلایا ہے
خوشبو، رنگ، ہوا، بادل اور جھرنے کیسے ہوتے ہیں
چشموں سے بہنے والا پانی بھی ایسے گاتا ہے
کن من کن من پڑتی بارش کیسے جل تھل کرتی ہے
تیری ہی آواز نے مجھ کو بتلایا کہ جینا کیسا ہوتا ہے
ڈالی ڈالی بیٹھی کوئل کیسے گیت سناتی ہے
دور کہیں یہ بانسری کی دھن کیسے درد جگاتی ہے
بارش کی آواز بھی کیسے لاکھوں درد جگاتی ہے
میری روح کے سناٹے میں
میرے چاروں جانب پھیلے اس اندھیرے میں
تیری آواز آتی ہے.....!
ہاں تیری ہی آواز آتی ہے......!

''شہروز تو کدھر کھو جاتا ہے آج کل۔'' شہروز کا واحد راز دان راحیل تھا اس نے راحیل کو شام کو اپنے گھر بلوایا تھا وہ اس سے کھل کر بات کرنا چاہتا تھا نوشینہ نے اسے ہری جھنڈی دکھا دی تھی، اس کے دل کو کسی پل قرار نہ تھا، اس کے تمام فرینڈز میں سے راحیل کی اس کی بیڈ روم تک رسائی تھی، وہ جب بھی گھر آتا تو سیدھا اس کے بیڈ روم میں آ گھستا، شہروز نے اس کی بے تکلفی کا کبھی برا نہ منایا تھا، وہ شہروز کے بیڈ روم میں آیا تو وہ بستر میں گھسا ہوا تھا، وہ باتیں کرتے کرتے اچانک کہیں کھو جاتا، راحیل اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔

''راحیل اس نے انکار کر دیا ہے۔'' وہ راحیل سے دل کی بات شیئر کرنا چاہتا تھا اسی لئے اس نے اسے گھر بلوایا تھا، شہروز کی آنکھوں میں اداسی ڈیرے ڈالے ہوئی تھی۔

''کیا؟'' وہ بھونچکا رہ گیا، شہروز اس سے

اتنی بڑی بات چھپائے ہوئے تھا۔

''کب، کیوں؟'' اس نے شہروز پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی، شہروز اسے تفصیلاً بتانے لگا۔

''نوشینہ نے انکار کی کوئی تو وجہ بتائی ہو گی۔'' راحیل اس سے خفا رہ ہی نہ سکتا تھا وہ فوراً مان گیا تھا وہ الجھی گتھی سلجھانا چاہتا تھا۔

''وہ کہتی تھی میں ایک رئیس فیملی کا بگڑا نوجوان ہوں۔'' شہروز نے اس کا جواب پوری جزئیات سمیت سنا دیا۔

''تجھے اس کا ہاتھ پکڑنا نہیں چاہیے تھا۔'' راحیل نے تاسف سے سر تھام لیا، ان کا چار سال سے ساتھ تھا، نوشینہ کا لیا دیا انداز اور محدود حلقہ دوستی کسی سے پوشیدہ نہ تھی، وہ کلاس میں اپنے کام سے کام رکھتی تھی اسے شہروز کا ہاتھ تھامنا یقیناً برا لگا ہو گا۔

''میں اپنی صفائی دینا چاہتا تھا، اس نے مجھ پر فرد جرم عائد کر دی تھی۔'' شہروز بھی پشیمان تھا، اس نے نادانستگی میں نوشینہ اور اپنے درمیان فاصلے بڑھا دیئے تھے۔

''پیپرز ختم ہو جائیں پھر تم اس کے گھر اپنا رشتہ بھجوا دو تمہیں فی الحال اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' راحیل نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''ہوں۔'' شہروز کے دل کو اس کا مشورہ بھایا تھا، ان کے دو پیپرز رہ گئے، اسے پیپرز ختم ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

''چل کچھ پڑھ لیں اب۔'' راحیل نے شوخی سے مسکراتے ہوئے بک کھول لی، شہروز نے اپنے سامنے نوٹس پھیلا لئے۔

☆☆☆

دن تیزی سے گزرنے لگے، زندگی بھی بندھی روٹین کے تحت گزر رہی تھی انہی تیزی سے گزرتے دنوں میں اس کے ایگزامز آ کر گزر بھی گئے، اس کے فائنل پراف کی اسٹڈی شروع ہو چکی تھی، منزہ بھابھی کا رویہ اس سے خلاف توقع بے حد نرم اور محبت بھرا تھا، بھابھی نے اس سے اگلے روز ہی بات چیت شروع کر دی تھی وہ اس کا بے حد خیال رکھتی تھی، نوشینہ خوش تھی کہ بھابھی نے اپنے دل میں کوئی بدگمانی نہیں پالی تھی، بھابھی نے اس سے کوئی وضاحت طلب کی تھی نہ اپنی کوئی صفائی پیش کی، سب کچھ پہلے جیسا تھا، وہ مطمئن تھی، منزہ بھابھی کے دل سے کدورت دھل گئی تھی۔

''نوشینہ تم جلدی سے چینج کر کے آؤ، میں نے تمہاری پسند کا بھنڈی گوشت بنایا ہے۔'' منزہ نے اپنی نئی چال پر اگلے روز سے ہی عمل درآمد شروع کر دیا تھا اسے دھیرے دھیرے پہلے نوشینہ کا اعتماد جیتنا تھا، نوشینہ کالج سے آ کر منزہ کو سلام کر کے اوپر جانے لگی تو وقار کو نہلاتی منزہ نے اسے بلند آواز دی، وہ سر ہلاتی اوپر چلی گئی۔

''نوشینہ کھانا کھا لو۔'' وہ چینج کر کے نیچے جانے لگی تو فاخرہ بھابھی نے اسے روک لیا۔

''بھابھی میں منزہ بھابھی کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔'' وہ انہیں بتا کر تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی۔

''نوشینہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، مجھے یقین ہے تم میری کسی بات کا برا نہ مانو گی۔'' وہ کھانا کھا کر منزہ بھابھی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود کھانے کے برتن دھو اور کچن سمیٹ کر اوپر گئی تو خلاف توقع فاخرہ بھابھی جاگ رہی تھی، وہ دوپہر کو کھانے کے بعد گھنٹہ بھر قیلولہ کی عادی تھیں، انہوں نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی نوشینہ کو روک لیا تھا۔

''بھابھی آپ بے فکر ہو کر کھل کر بات کریں۔'' نوشینہ کو ان کے لہجے کی مخفی خیریت نے چونکا دیا تھا۔

''نوشینہ تم منزہ سے ذرا فاصلہ رکھو بیٹا۔'' فاخرہ منزہ کی لومڑی صفت چالاکی سے بخوبی آگاہ تھی، وہ وسیم کی ہفتہ بھر کی خفگی و لڑائی اور نوشینہ کی فتح کیسے بھول سکتی تھی، وہ تو مفت کی نوکرانی ہاتھ سے نکل جانے پر ناگن کی طرح غصے سے بل کھاتی رہ گئی تھی پھر بھلا وہ کیسے سب کچھ بھلا کر نوشینہ سے دوستانہ بڑھا رہی تھی، وسیم نے اس روز فاخرہ اور ندیم کے سامنے پہلی بار منزہ کی کھل کر برائی اور شدید مخالفت کی تھی، فاخرہ کو منزہ کے نوشینہ سے خلاف توقع نرم برتاؤ نے ٹھٹکا دیا تھا، وہ یقیناً کچھ اور سوچ بیٹھی تھی، وسیم نے ہمیشہ اس پر نوشینہ کو فوقیت دی تھی اور وہ نوشینہ سے خار کھائی تھی، فاخرہ نوشینہ کو یہی بات سمجھانا چاہتی تھی۔

''نوشینہ تم بچی نہیں ہو تم منزہ کا اول روز سے برتاؤ جانتی ہو، اب اس نے یکسر الٹ پینترا بغیر کسی مفاد کے بدلا ہے، مجھے اس سے خوف آنے لگا ہے بیٹا۔'' فاخرہ اسے سگی بہنوں جیسا چاہتی تھی وہ اسے مخلصانہ مشورہ دے رہی تھی۔

''بھابھی آپ بے فکر رہیں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں۔'' نوشینہ کو فاخرہ بھابھی کے وہم بالکل بے جا لگے تھے، اس کا دل ان کی طرح خوف یا ڈر کا شکار نہ تھا۔

''نوشینہ تم احتیاط رکھنا۔'' وہ سیدھی اور ہر کسی پر جلد اعتماد کر لینے والی تھی، فاخرہ اسے تلقین کرنا نہ بھولی تھی، اسی اثناء میں عصر کی اذان ہوئی تو فاخرہ بھابھی نماز ادا کرنے چلی گئیں، وہ بے فکری سے لیٹ گئی، اسے بھابھی جیسے خدشات در پیش نہ تھے، آخر بھابھی نے پہلی بار بغیر مفاد کے اس سے محبت جتائی تھی، وہ سادہ لوح لڑکی محبت سے دھوکہ کھا رہی تھی۔

☆☆☆

''آپ۔'' وسیم نے ڈور بیل پر گیٹ کھولا تھا تو وہ حیران پریشان رہ گیا، وہ سامنے کھڑی شخصیات سے صرف اخباری تصاویر اور انٹرویوز کی حد تک واقف تھا۔

''کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟'' وسیم بت کی مانند ساکت تھا، ہاشم عمر نے نرمی سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، وسیم انہیں پولیٹکل ٹاک شو میں سن چکا تھا وہ اسے اپنے دھیمے و نرم لب و لہجہ سے بے حد بھائے تھے آج اسے ان کے اسی نرم لب و لہجے نے شرمندہ کر دیا تھا، وہ خفت سے پھیکا سا ہنستا راستہ سے ہٹ گیا، وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

''آئیں بیٹھیں پلیز۔'' اس نے انہیں نہایت عزت و احترام سے ڈرائنگ روم میں لا کر بٹھا دیا، وسیم انہیں بٹھا کر ندیم اور فاخرہ کو بلا لایا اور خود ان کے شایان شان خاطر تواضع کے لئے بازار بھاگا وہ جلد ہی لدا پھندا واپس آ گیا، منزہ ٹرالی لئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''ہم جدی پشتی رئیس ہیں، میرا سب کچھ شہروز کا ہی ہے، ہمیں صرف نوشینہ بیٹی کا رشتہ چاہیے، آپ کسی تکلف میں نہ پڑیں۔'' ہاشم عمر اپنا مدعا بیان کر رہے تھے، شہروز نے انہیں اپنی پسند سے آگاہ کر کے بھیجا تھا، ہاشم اور کلثوم کے لئے اکلوتی اولاد کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہ تھا، وہ لڑکی کے خاندان کی چھان بین کیے بغیر محض بیٹے کی خوشی کی خاطر چلے آئے تھے، کلثوم کو نوشینہ کا گھرانہ پسند آیا تھا، وہ سلجھے ہوئے نفیس لوگ تھے۔

''ہم آپ کو سوچ کر جواب دیں گے۔''

ندیم نے متانت سے سوچنے کا وقت مانگا، ان کے لئے ہاشم عمر جیسی شہر کی قد آور سیاسی شخصیت کا اپنے ہاں آنا حیران کن تھا تو ان کی آمد کا مقصد حیران تر، ندیم شاید انکار کر دیتے مگر فاخرہ نے انہیں صاف انکار سے آنکھوں کے اشارے سے منع کیا تھا، منزہ نوشینہ کے بہترین نصیب پر حسد و رشک کا شکار تھی۔

وسیم چپ سادھے خاموش تماشائی بنا تھا، منزہ کو شوہر کی خاموشی سخت تاؤ دلا رہی تھی وہ بے بسی سے دانت کچکچانے پر مجبور تھی، وہ نوشینہ کی جلد شادی کی خواہش مند تھی لیکن اس کی خوش نصیبی بھی اس سے برداشت نہ ہو رہی تھی، جواد ماں کا چمچہ بنا ہوا تھا سارا اس سے کئی بار اپنی بدنصیبی کا رونا رو چکی تھی، اگر اسے شہروز کے رشتہ کا علم ہو جاتا تو وہ شاید اس سے قطع کلامی اختیار کر لیتی، اس کی جلد بازی نے سارہ کو ذہنی ٹینشن دے رکھی تھی۔

''آپ جتنا مرضی وقت لے لیں مگر ہمیں صرف ہاں میں جواب چاہیے۔'' شہروز نے ماں کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا، کلثوم بیٹے کو ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی تھیں، ان کا بس چلتا تو وہ ہاں کروا کر ہی اٹھتیں۔

''ہم اپنے بڑے بھائی اور بہن سے مشورہ کر لیں پھر آپ کو جواب دیں گے۔'' ندیم نے رسانیت سے انہیں تسلی دی وہ دونوں واپسی پر خاصے پرامید تھے۔

☆☆☆

''ہاؤ لکی آر یو نوشینہ۔'' رابعہ نے سنا تو وہ خوشی سے نوشینہ سے لپٹ گئی، اسے شہروز پسند تھا وہ نوشینہ کی طرح شہروز کے متعلق نہ سوچتی تھی، شہروز نے کبھی کسی لڑکی سے غیر اخلاقی حرکت یا گفتگو نہ کی تھی، وہ نوشینہ کے ساتھ راہداری میں پھسکڑا مارے بیٹھی تھی، وہ خوشی سے چلائی تو قریب سے گزرتی لڑکیوں کے ٹولے نے قدرے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تم پورے کالج میں اعلان کر دو۔'' نوشینہ نے اس کے خوشی سے چیخنے پر اس کے بازو پر زوردار چٹکی کاٹی، وہ بیچاری اپنا بازو سہلاتی چپ ہو گئی۔

''میں تمہاری جگہ ہوتی تو مارے خوشی کے ایسا ہی کرتی، ایک ایک بندے کو پکڑ کر بتاتی کہ مجھے دیکھو مجھے شہروز ہاشم نے پرپوز کیا ہے۔'' رابعہ کے بازو پر ہلکا سا نیل کا نشان پڑ گیا تھا اس نے قمیص کی آستین اوپر کر کے اپنا نیل زدہ بازو خفگی سے نوشینہ کے سامنے کیا۔

''سوری یار۔'' نوشینہ نے شرمندگی سے اس کا بازو پکڑ کر نرمی سے مسلا تھا، اس کی زوردار چٹکی نے رابعہ کے بازو پر خاصا بڑا نشان ڈال دیا تھا۔

''تم نے شکل پر بارہ کیوں بجا لئے ہیں۔'' رابعہ نے آستین نیچے کرتے ہوئے اس کے بجھے چہرے کو بغور دیکھا، ندیم بھائی نے رات ہی فون پر آپی اور نعیم بھیا سے بھی مشورہ کر لیا تھا، انہوں نے ایک بہترین رشتہ غیر برادری کی فضول ضد پر چھوڑ دیا تھا وہ دونوں ہی اب اس رشتے کو غیر برادری کی فضول ضد کی بھینٹ چڑھ جانے کے حق میں نہ تھے، نوشینہ کے لئے آنے والا یہ رشتہ سب سے بہترین تھا، وقت سدا ایک سا نہیں رہتا، کون جانے پھر آنے والا رشتہ کیسا ہو، خوش قسمتی بار بار انسان کے در پر دستک نہیں دیتی ہے، قدرت کو انسان کا غرور پسند نہیں، ان دونوں نے فون پر ہی ہاں کر دی تھی، بھائی نے چند روز کی مہلت مانگی تھی، وہ بھی جلد ہاشم عمر کو ہاں کرنا چاہتے تھے تاکہ جواد کی طرح شہروز کے رشتے میں بھی تاخیر

سے مسئلہ پیدا نہ ہو، نوشینہ شہروز کے کریکٹر سے مطمئن نہ تھی، اس نے رابعہ کو من و عن بات بتا دی۔

''اوہ بے وقوف لڑکی، یا اللہ میں اس لڑکی کا کیا کروں۔'' رابعہ نے اس کی کم عقلی پر ماتم کرتے ہوئے آسمان کی طرف شکوہ کناں نظروں سے دیکھا، نوشینہ روٹھی ہو گئی۔

''نوشینہ! تم کیوں فضول میں پریشان ہو رہی ہو، شہروز نائس بندہ ہے، اس کی بے شمار لڑکیوں سے دوستی ضرور ہے مگر وہ کبھی غیر اخلاقی سرگرمی میں شامل نہیں ہوا ہے اور پھر لڑکیاں خود اس کے گرد منڈلاتی ہیں، وہ بیچارہ بھی کیا کرے۔'' رابعہ نے غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے اسے ٹھیک ٹھاک سنانے کے ساتھ شہروز کی بھرپور وکالت کی تھی۔

''تم میری دوست ہو یا شہروز کی۔'' نوشینہ غصے سے اس پر بگڑ اٹھی۔

''تمہاری مائی سویٹ ہارٹ، جبھی تو تمہاری خوشیاں مجھے عزیز ہیں، تم ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرو تو تمہیں میری باتوں میں سچائی نظر آئے گی۔'' رابعہ کی سمجھ میں نوشینہ کی بدگمانی نہ آ رہی تھی۔

''واٹ؟'' آخر رابعہ نے نوشینہ سے اس کی بدگمانی کی وجہ اگلوا ہی لی، نوشینہ نے اسے لائبریری کا قصہ سنایا تو اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''کیا ہوا؟'' نوشینہ نے معصومیت و بھولپن کی انتہا کر دی، رابعہ نے غصے سے سر اٹھایا پھر اس کی معصوم صورت پر نظر پڑتے ہی غصہ بھول گئی۔

''نوشینہ یہ اس کی محبت ہے اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا، تم اس پر خواہ مخواہ شک کر رہی تھی اور اسے اپنی صفائی کا موقع بھی نہ دے رہی تھی۔'' رابعہ مخلص دوست کی طرح اسے سمجھا رہی تھی نوشینہ کی سمجھ میں اس کی بات آنے لگی وہ غلط نہ کہہ رہی تھی، اس نے لڑکیوں کو دیوانہ وار شہروز کے گرد منڈلاتا دیکھا تھا، اس نے شہروز کی بھی کیسی اوچھی حرکت کا نہ سنا تھا، وہ اسی کا دیوانہ تھا نوشینہ کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔

''شکر کرو تمہاری اس بھاپھا کٹنی بھابھی کی مزید کوئی بہن نہیں ہے ورنہ وہ یہ رشتہ بھی اچک لیتی۔'' رابعہ نے خفگی سے اس پر چوٹ کی۔

''تم بھی نا، ہر وقت منزہ بھابھی کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔'' نوشینہ کو رابعہ کی بے موقع بات زہر لگی نہ جانے اسے منزہ بھابھی سے اتنی چڑ کیوں تھی۔

''جناب، ہم اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں، تمہارے طرح جھوٹی محبت کے سہارے نہیں جیتے۔'' رابعہ کافی تیز ہشیار تھی، وہ کئی بار نوشینہ کو بھی سادہ لوحی اور بھولپن چھوڑنے کا کہہ چکی تھی۔

''ابھی تک صبا نہیں آئی۔'' نوشینہ کو رابعہ کا انداز برا لگا، اس نے موضوع گفتگو بدل دیا، صبا کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔

''کینٹین میں رش ہو گا۔'' رابعہ نے سرسری لہجے میں جواب دیا پھر اسے دور سے صبا آتی نظر آ گئی تو وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے قریب بلانے لگی۔

☆☆☆

ہم تم ایک ہی انداز سے
سوچنے لگے ہیں
کچھ روٹھنے والوں کی طرح
کچھ ماننے والوں کی طرح
خود ہی بدگمان سے ہم
خود ہی مہربان سے ہم
خود ہی بے یقین سے ہم
خود ہی پر یقین انداز

خود ہی تلاش جواز
الجھنوں کے باوجود
فاصلوں کے باوجود
اتنا بدلنے کے بعد
کیا یہ سچ نہیں کہ اب
ہم تم ایک ہی انداز سے
سوچنے لگے ہیں

اس کی کالج وین معمول سے کافی لیٹ تھی وہ گیٹ پر انتظار کرتی کوفت زدہ چکر لگا رہی تھی، صبا اور رابعہ بھی گھروں کو جا چکی تھیں، چھٹی ہوئے پون گھنٹہ ہونے کو تھا، کالج تقریباً خالی ہونے والا تھا، وہ تھک کر گیٹ کے سامنے گراؤنڈ میں بینچ پر آ بیٹھی تا کہ ڈرائیور جو نہی گیٹ پر آئیں اسے خبر ہو جائے۔

''آپ۔'' دفعتاً اس کی نظر اپنے پاؤں کے قریب پڑی، وہ جو گرز پر نظر پڑتے ہی اس نے سر اٹھایا، شہروز کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی، وہ لائبریری بک ایشو کروانے گیا تھا، اسے واپسی پر نوشینہ نظر آئی تو وہ خود کو اس کے قریب آنے سے نہ روک سکا۔

''آئیں میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں۔''

نوشینہ کے بڑے بھائی نے ڈیڈی کو رات ہی فون پر ہاں کی تھی، وہ جلد منگنی کے خواہش مند تھے، انہوں نے اسی ہفتے جمعرات کی شام کو منگنی کے لئے بلوایا تھا وہ اگلے روز خود آنا چاہ رہے تھے، شہروز کے مارے خوشی سے قدم زمین پر نہ ٹک رہے تھے، اس نے جو چاہا تھا وہ پا لیا تھا، اس نے نوشینہ کو دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا اور اسی کو دعاؤں میں اپنے لئے مانگا تھا، اللہ نے اس کی دعائیں سن لی تھیں، نوشینہ کی فرینڈز جا چکی تھیں، کالج خالی ہونے کو تھا اس نے نوشینہ کو ڈراپ کرنے کی آفر کی، وہ اپنی لینڈ کروزر میں کالج آتا جاتا تھا۔

''میں چلی جاؤں گی آپ کو خواہ مخواہ دقت ہو گی۔'' نوشینہ کا دل اس کی قربت میں تیزی سے دھڑک رہا تھا، اسے لگا جیسے دل پسلیاں توڑ کر ابھی باہر آ جائے گا، وہ اپنے دل کی ''بے وفائی'' پر متحیر تھی، اس نے بمشکل تھوک نگل کر انکار کیا، اس کی نظریں گیٹ پر جا ٹکیں، ڈرائیور انکل ابھی تک نہ آئے تھے، یقیناً وین خراب ہو گئی تھی۔

''نوشینہ کالج آف ہوئے گھنٹہ ہونے کو ہے، آپ کب تک یہاں بیٹھی انتظار کرتی رہیں گی۔'' شہروز نے نرمی سے اسے سمجھایا، نوشینہ کی تیزی سے اٹھتی گرتی پلکوں کی چلمن اس کے لئے کڑا امتحان تھی، چوکیدار گاہے بگاہے دونوں پر نظر ڈال لیتا تھا، اسے کوئی اسکینڈل نہ بنوانا تھا اس کی بات صحیح تھی، وین کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہ تھا، وہ مجبوراً چوکیدار کو بتا کر شہروز کے ساتھ ہو لی۔

''نوشینہ آپ میرے ساتھ پر خوش تو ہیں نا۔'' دونوں گاڑی میں آ بیٹھے، شہروز نے گاڑی مین روڈ پر ڈال دی، گاڑی میں چبھتی خاموشی تھی، نوشینہ کی نظریں بدستور روڈ پر تھیں، شہروز نے دل میں اٹھتے سوال کو زبان دی، نوشینہ کے بمشکل سنبھلے دل نے بے ساختہ ایک بیٹ مس کی۔

''جی!'' نوشینہ کے لب پھڑپھڑائے، شہروز کی محبت سے چمکتی نظریں مسلسل اسی پر تھیں، وہ پزل ہوئی جا رہی تھی۔

''نوشینہ میری لڑکیوں سے دوستی ضرور ہے مگر میں نے صرف آپ کو چاہا ہے۔'' شہروز کی گمبھیر معنی خیز آواز گاڑی کی خاموشی کو چیر کر سحر پھونک رہی تھی، نوشینہ اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر خفیف ہو گئی، وہ بچی نہ تھی کہ وہ سمجھ نہ پاتی، شہروز

کیا کہنا چاہ رہا تھا، وہ اسے اپنے کردار کی صفائی کیوں دے رہا ہے، وہ خفت سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

''نوشینہ میرا ساتھ قبول کرنے کا شکریہ۔'' شہروز نے محظوظ نظروں سے پزل سی انگلیاں مروڑتی نوشینہ کی آنکھوں کے رستے دل میں اتار لیا، نوشینہ کے چہرے پر حیا آلود سرخی اقرار کی صورت بکھری تھی، شہروز اطمینان سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔

☆☆☆

''نوشینہ کیا تم اور شہروز ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو؟'' فاخرہ بھابھی اور ندیم بھائی بچوں سمیت ان کی شاپنگ کے لئے مارکیٹ گئے تھے وسیم بچوں کے ساتھ بیڈ روم میں کھیل کود میں مصروف تھے، وقار کو سکول داخل کروا دیا تھا، وہ اپنے بکس کھولے بیٹھا تھا، کچن میں بریانی تیار کرتی منزہ بریانی کو دم دے کر دبے قدموں اوپر چلی آئی، اس نے دوپہر کو نوشینہ کو شہروز کے ساتھ آتے دیکھ لیا تھا اسے اسی وقت سے کھد بد ہو رہی تھی، شہروز کے والدین نے صرف اپنے بیٹے کی پسند کا ذکر کیا تھا، انہوں نے کہیں بھی نوشینہ کا نام تک نہ لیا تھا، منزہ کو حقیقت جاننے کی بے چینی نوشینہ کے پاس لے آئی۔

''بھابھی صرف شہروز مجھے پسند کرتا تھا اسی نے اپنا رشتہ بھجوایا تھا۔'' نوشینہ نے اپنی صفائی دی، منزہ کی آنکھوں میں شک کی شبیہہ واضح تھی، نوشینہ ٹھٹک گئی، وہ یقیناً اسے شہروز کے ساتھ دیکھ کر مشکوک ہوئی تھی نوشینہ سمجھ نہ سکی کہ وہ اپنا شک دور کر رہی ہے یا کوئی ثبوت اکٹھا کر رہی ہے، نوشینہ کا دل اس کے مشکوک انداز پر دکھا تھا۔

''میں نے بریانی بنائی ہے تم بھی آ جاؤ۔'' منزہ کو بریانی جلنے کی ہلکی سی خوشبو آئی تو وہ گولی کی طرح سیڑھیاں اتر گئی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے بھابھی۔'' نوشینہ کا دل یکدم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا، بھابھی اس کا جواب سنے بغیر جا چکی تھی، اسے امی بے طرح یاد آئیں وہ زندہ ہوتیں تو منزہ بھابھی کبھی اس پر شک نہ کرتی، منزہ نے اپنے پر پرزے ان کی ڈیتھ کے بعد نکالے تھے اور اس کی نوشینہ سے خود ساختہ عداوت ابھر کر سامنے آئی تھی نوشینہ کی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہونے لگا، منزہ نے اس کے پندار اور نسوانی غرور پر چوٹ کی تھی۔

☆☆☆

''فاخرہ جلدی کھانا لگاؤ، مجھے سخت بھوک لگی ہے۔'' ندیم نے آفس سے آتے ہی ٹی وی آن کر لیا، الیکشن قریب تھے، ٹی وی چینلز نے سیاسی تبصروں پر مبنی پروگرامز شروع کیے تھے۔

ندیم کو ملکی سیاست سے خاصا لگاؤ تھا اسے پروگرام سنتے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا، اسے بھوک نے ستایا تو اس نے ہانک لگائی، فاخرہ کھانا تیار کرکے ٹیبل پر چن چکی تھی اور ندیم کو بلانے ہی آ رہی تھی۔

''مشہور سیاسی شخصیت ہاشم عمر کرپشن میں ملوث، پولیس ان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مار رہی ہے۔'' ندیم ٹی وی آف کرنے ہی والا تھا کہ ٹی وی پر آنے والی بریکنگ نیوز نے اسے چونکا دیا، نیوز اینکر خبر کی تفصیلات سنا رہی تھی، فاخرہ بھی سنانے میں تھی، ندیم پھٹی پھٹی آنکھوں سے سکرین پر جگمگاتی ہاشم عمر کی تصویر کو گھور رہا تھا۔

''ندیم یار تم نے کچھ سنا؟'' وسیم اسی پل حواس باختہ سا اوپر آ گیا، وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے، وسیم کی حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی، وہ ٹی وی آن کیے بیٹھا تھا خبر سنتے ہی دوڑا چلا آیا، منزہ بھلا اس موقع پر کیوں پیچھے رہتی، وہ

پوری سن گن لینے کے لئے وسیم کے پیچھے نکلی، نوشینہ اپنے کمرے میں اسٹڈی کر رہی تھی۔

''ندیم یار تم نے کچھ سنا؟'' وسیم نے اپنا سوال دہرایا، ندیم کی قوت گویائی جیسے سلب ہو چکی تھی وہ کچھ بھی کہنے سننے کے قابل نہ رہا تھا، اسی نے گھر میں اس رشتے کی پرزور حمایت کی تھی اور وہی تھا جس نے نعیم بھائی کو ان کے کولیگ کے رشتے پر انکار پر ٹوکا تھا، منزہ کے لبوں پر تمسخرانہ حظ اٹھاتی مسکراہٹ جمی تھی، فاخرہ کے پاس کوئی جادوئی چھڑی نہ تھی جس سے وہ منزہ کو وہاں سے کسی طرح غائب کر دیتی، وہ تو منگنی کی مکمل تیاری کیے ہوئے تھے، کل ان لوگوں کو رسم منگنی کے لئے آنا تھا، وہ شریف اور معزز لوگ تھے، انہیں ہاشم عمر بھی شریف اور معزز لگے تھے مگر وہ اندر سے کیا نکلے تھے، نعیم بھائی کو بلوالیا گیا تھا اور وہ تینوں بھائی سر جوڑے بیٹھے تھے۔

☆☆☆

''ہیلو میں نے کئی بار کہا ہے کہ مجھے تنگ نہ کیا جائے۔'' ہاشم عمر ایماندار اور ذہین سیاست دان تھے، انہوں نے سیاست میں اپنا نام و مقام اپنی محنت و ذہانت سے بنایا تھا، ان کا تعلق کسی سیاسی یا جاگیردار گھرانے سے نہ تھا اور نہ ہی ان کا سیاست میں کبھی کوئی اسکینڈل بنا تھا، الیکشن قریب تھے وہ اپنے حلقہ انتخاب میں مضبوط ترین امیدوار تھے، ملک کی کئی مشہور سیاسی پارٹیاں انہیں اپنا ٹکٹ دینے پر بخوشی راضی تھیں لیکن وہ بحیثیت آزاد امیدوار الیکشن لڑنا چاہتے تھے، ملک کی ایک مشہور پارٹی نے انہیں کئی بار اپنی پارٹی کا ٹکٹ آفر کیا تھا، وہ ایک مضبوط سیٹ نہ کھونا چاہتی تھی، ہاشم عمر انہیں دوٹوک انکار کر چکے تھے اسی سیاسی پارٹی نے ان کی پوزیشن ڈاؤن کرنے کے لئے ان کے خلاف پروپگنڈا کیا تھا، ہاشم عمر کا حریف اسی پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہا تھا، ہاشم عمر بھی ٹی وی پر اپنے خلاف خبر سن کر سخت پریشان تھے، ان کے دوست احباب ان سے فون کر کے خبر کی تصدیق یا تردید چاہ رہے تھے، وہ اپنی صفائی دیتے دیتے تھک گئے تھے، فون کالز کا تانتا بندھ گیا تھا، ہاشم عمر نے پریشانی و کوفت سے کہ کر فون بند کرنا چاہا تھا۔

''جسٹ اے منٹ ہاشم صاحب، میں نعیم بات کر رہا ہوں۔'' نعیم بھائی نے ان کے کال منقطع کرنے سے پہلے بوکھلا کر اپنا تعارف کروایا۔

''اوہ سوری نعیم صاحب، ایکچوئیلی میں......'' ہاشم عمر نے اپنے مخصوص و نرم لب و لہجے میں وضاحت کرنا چاہی مگر نعیم نے ان کی بات کاٹ دی۔

''ہاشم صاحب میں جانتا ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ دونوں گھرانوں میں رشتے داری ممکن نہیں رہی ہے۔'' نعیم نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا، ہاشم عمر سناٹے میں رہ گئے وہ پہلے ہی بہت پریشان تھے اب رہی سہی کسر نعیم نے پوری کر دی تھی، وہ صدمے سے گنگ رہ گئے۔

''نعیم صاحب آپ میری بات سنیں، ایکچوئیلی یہ میرے خلاف سازش ہے میرے مخالفین مجھے غلط پھنسوا رہے ہیں۔'' ہاشم کے لئے اپنا سیاسی کیریئر اور اکلوتے بیٹے کی خوشیاں دونوں عزیز تھیں، وہ سیاست کے میدان میں نئے ضرور تھے مگر ان کا مستقبل روشن و تابناک تھا انہیں یقین تھا کہ وہ بزنس کی طرح سیاست میں بھی کامیاب رہیں گے، ہاشم عمر بمشکل شاک سے باہر نکلے۔

''دیکھیں ہاشم صاحب ہم شریف لوگ ہیں، آپ بہت اہم اور اثر و رسوخ والے شخص

ہیں، ہمیں آپ سے رشتے داری جوڑتے وقت اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے تھا، خیر ابھی وقت مٹھی سے نہیں پھسلا، ابھی تو ہماری زبانی بات طے تھی۔'' نعیم حتمی فیصلہ کر چکے تھے اور ان کی کوئی صفائی اور دلیل سننے کو تیار نہ تھے، انہیں ہاشم عمر کے حسب نسب یا کسی عہدے سے غرض نہ تھی وہ تو ان کی شرافت سے متاثر ہوئے تھے، ہاشم عمر کرپشن میں ملوث ہوں گے اس کا انہیں قطعاً اندازہ نہ تھا، نیب ان کا پچھلا ریکارڈ چھان رہی تھی اور ان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے جا رہے تھے۔

''کیا ہوا ڈیڈی؟'' وہ بے گناہ تھے وقت نے انہیں صورتحال کی سنگینی کے پیش نظر وقتی روپوشی پر مجبور کر دیا تھا، وہ بیوی اور بیٹے سمیت چند ضروری اشیاء لے کر اپنے فارم ہاؤس کے خفیہ تہہ خانے میں چھپ گئے تھے، ان سب نے اپنے سیل فونز بھی بند کر دیے تھے اور ٹیلیفون کنکشن بھی وقتی طور پر کاٹ دیے تھے، ہاشم عمر کے دو سیل فون تھے وہ اپنا ایک سیل فون آف کرنا بھول گئے تھے، نعیم کی کال اسی سیل فون پر آئی تھی، ہاشم عمر تشویش و تفکر سے دونوں ہاتھوں پر سر گرائے ہوئے تھے، شہروز باپ کی پریشان صورت دیکھ کر گھبرا گیا۔

''آپ کچھ بولتے کیوں نہیں ہیں؟'' ہاشم کی گمبھیر خاموشی نے کلثوم کا دل دہلا دیا، انہوں نے ہاشم کا پریشانی سے کندھا ہلایا۔

''نوشینہ کے گھر والوں نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔'' ہاشم کی آواز دور کسی کھائی سے آتی سنائی دی تھی، شہروز کے وجیہہ چہرے پر دکھ کے سائے لرزاں تھے، کلثوم چند ثانیے کچھ بول ہی نہ پائیں، اگلے روز تو منگنی ویسے بھی ممکن نہ رہی تھی، وہ لوگ کم از کم رشتے سے انکار نہ کرتے، انہوں نے انہیں وہی سمجھا تھا جو میڈیا نشر کر رہا تھا، کمرے میں جامد سناٹا تھا، جو تینوں کی روحوں کو گھائل کر رہا تھا، تینوں اپنی اپنی سوچ کے محور میں گم تھے۔

☆☆☆

''سارا! امی سارا دن گھر کے کاموں میں ملازمہ کے ساتھ لگی رہتی ہیں تم کم از کم ان کا ہاتھ ہی بٹا دیا کرو۔'' جواد کی ہانگ کانگ کی فلائٹ تھی، وہ دس روز بعد گھر لوٹا تھا، مسز نیازی سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتیں اور وہ آرام سے کمرے میں گھسی رہتی، وہ کھانے کے وقت باہر نکلتی اور کھانا کھا کر واپس کمرے میں گھس جاتی تھی، جواد نے اس کی روٹین نوٹ کی تو اسے سختی سے ٹوک دیا، مسز نیازی سے اب گھر کے کام نہ ہوتے تھے ان کی بوڑھی ہڈیوں میں ویسا دم خم نہ رہا تھا کہ وہ چستی سے سارے کام فوراً نمٹا لیتیں، ان کے چہرے کی تھکن جواد سے نہ چھپی تھی۔

''جواد! عبداللہ کی طبیعت ہفتہ بھر سے ٹھیک نہیں ہے میں اس کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہوں۔'' اس نے جواد کے اعتراض کو چٹکیوں میں اڑایا، جواد کی ماں کی تھکن تو نظر آ گئی تھی اس کی اتری صورت نہ نظر آئی تھی، وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبداللہ کے ساتھ جاگتی تھی، عبداللہ کو ہفتے سے بخار تھا جو مختلف ڈاکٹرز سے چیک اپ کے باوجود بھی ٹھیک نہ ہوا تھا، اس کی طبیعت صبح سے بہتر تھی اور وہ سویا ہوا تھا، اس کا ارادہ بھی سونے کا تھا کہ جواد ماں کا حمایتی بنا چلا آیا، سارا کا موڈ سخت آف ہو گیا۔

''میں نے تمہیں اس کی دیکھ بھال سے منع تو نہیں کیا ہے۔'' جواد کو اس کے صفاچٹ انکار پر غصہ آ گیا وہ کنزئی اور زارا سے یکسر مختلف منزہ

کا پرتو تھی۔
''کیا آپ مجھے میرے بیمار بیٹے کی دیکھ بھال سے بھی منع کر سکتے ہیں۔'' سارا کی کھوپڑی الٹی تھی وہ ہر بات سے اپنا من چاہا مطلب اخذ کرتی تھی۔
''شٹ اپ سارا، تم دو گھنٹے نکال کر مما کا ہاتھ بٹا دو گی تو گھس نہیں جاؤ گی، عبداللہ صبح سے سویا ہوا ہے تم اس کے ساتھ خواہ مخواہ لیٹی ہوئی تھی کر باہر نکلو، مما کا ہاتھ بٹاؤ۔'' جواد کو اس کی بکواس پر بے طرح غصہ آ گیا، اس نے جھٹکے سے لیٹی سارا کا بازو پکڑ کر اسے کھینچا، سارا کا دوپٹہ عبداللہ کے نیچے تھا اس کے کھینچنے سے عبداللہ کسمسا کر اٹھ گیا اور بھاں بھاں کر کے رونے لگا، سارا نے جتاتی نظروں سے جواد کو دیکھا، وہ بل کھاتا اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا کمرے سے نکل گیا، سارا روتے ہوئے عبداللہ کو گود میں لے کر پچکارنے لگی، وہ ماں کی آغوش میں سماتے ہی دوبارہ نیند میں محو ہو گیا۔

☆☆☆

''نوشینہ تم پریشان نہ ہو، انشاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا۔'' نوشینہ تک بھی بھائی کا انکار پہنچ چکا تھا، شہروز اس کے دل تک رسائی پا چکا تھا، وہ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی، احساس جدائی اس کی راتوں کی نیندیں اڑائے ہوئے تھا، وہ خالی نظروں سے آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتی سوچوں میں گم تھی، منزہ چھت پر بچوں کے کپڑے دھونے جا رہی تھی، وہ نوشینہ پر نظر پڑتے ہی اس کے قریب آ گئی، نوشینہ نے چونک کر ویران نظروں سے منزہ کو دیکھا، اک پل کو اس کا دل بھی نرم پڑ گیا۔
''نوشینہ یہ وقتی پریشانی ہے تم کیوں خود کو ہلکان کرتی ہو۔'' وہ خاموشی سے بنا جواب دیئے اٹھ کر جانے لگی تو منزہ نے حظ اٹھاتی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی، اس کا دل پھر سخت ہو گیا تھا، وہ پہلے والی منزہ بن گئی، حاسد اور کینہ پرور منزہ، ہر وقت دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والی۔
''بھابھی میں ٹھیک ہوں۔'' نوشینہ اس کے سامنے کمزور نہ پڑنا چاہتی تھی، اس نے خود کو مضبوط بنا لیا، وہ کمال مہارت سے آنکھوں میں آئی نمی صاف چھپا گئی۔
''تم فکر نہ کرنا، شہروز کے والد پر کوئی کیس نہ بن سکے گا، میں نعیم بھائی اور وسیم سے خود بات کروں گی۔'' وہ جانے لگی تو منزہ نے اسے تسلی دی، اس کے ذہن میں کچھ اور چل رہا تھا، اس کے چہرے پر نہایت عیار و مکروہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

☆☆☆

''نوشینہ تم پریشان مت ہو، شہروز بے وفا نہیں ہے وہ تمہیں کبھی خود سے جدا نہ ہونے دے گا۔'' شہروز کئی روز سے کالج سے غائب تھا، ہاشم عمر کے متعلق سٹوڈنٹس میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں عام تھیں وہ نعیم بھیا کے انکار کے بعد بجھ کر رہ گئی تھی دل بے چین کو کسی پل قرار نہ تھا، شہروز کی روپوشی نے اسے اندر سے توڑ دیا تھا، اس کے والد واقعی کرپشن میں ملوث ہوئے تو وہ اس سے آگے سوچ ہی نہ پاتی تھی اسے شہروز سے جدائی کا خیال ہی اتنا ہراساں کر دیتا تھا، اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوتی تھیں، وہ دونوں فری پریڈ میں گراؤنڈ میں بیٹھی تھیں، ان کے نزدیک بیٹھے کلاس فیلوز کا ہاٹ ٹاپک ہاشم عمر اور شہروز ہاشم تھے، نوشینہ کے چہرے پر کرب و اذیت پھیل گئے تھے رابعہ نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے دھیمی سرگوشی کی، رابعہ اس کی فیلنگز سے بخوبی آگاہ تھی۔

''رابعہ وہ بے گناہ ہیں میرا دل بھی گواہی دیتا ہے مگر وہ روپوش کیوں ہے؟'' نوشینہ اور شہروز کی ملاقات کافی دنوں سے نہ ہوئی تھی، دل محبوب کی ایک دید کے لئے ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہا تھا، سارا شہر ہاشم عمر کی ایمانداری اور شرافت سے واقف تھا، نیب کے کیس نے انہیں مشکوک بنا دیا تھا، اخبارات میں ان کے مخالفین الگ پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔
''تم تو ان کی مجبوری سمجھو، بلاشبہ وہ بے گناہ ہیں لیکن ان کی گرفتاری ان کے سیاسی کیریئر پر سیاہ دھبہ بن جائے گا۔'' ہاشم عمر کے خفیہ ذرائع کا چند روز قبل بیان اخبارات میں آیا تھا کہ وہ گرفتاری پیش کرنے کے بجائے اپنے مخالفین کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے حقائق پر مبنی مواد اکٹھا کر رہے ہیں، وہ اپنی سچائی کا ٹھوس ثبوت ملتے ہی منظر عام پر آ جائیں گے، رابعہ اس کی بدگمانی سے زچ ہوتی جا رہی تھی۔
''چلو سر آنے والے ہوں گے کلاس میں چلتے ہیں۔'' نوشینہ پر خود ساختہ خود ترسی طاری تھی رابعہ نے اس پر طاری خود ترسی و قنوطیت کم کرنا چاہی۔
''تم جاؤ، میں ذرا پچھلے گراؤنڈ میں جا رہی ہوں۔'' نوشینہ کو تنہائی درکار تھی اس نے رابعہ کو التجائیہ نظروں سے دیکھا، رابعہ چند لمحے قدرے متحیر رہ گئی، اس نے کبھی کوئی کلاس بنک نہ کی تھی نوشینہ کے چہرے پر حزن و یاسیت تھا، وہ سر ہلا کر چلی گئی۔

☆☆☆

خواہشوں کے قافلے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں
اکثر وہیں سے گزرتے ہیں جہاں راستہ نہیں ہوتا

''نوشینہ!'' وہ پچھلے گراؤنڈ میں تنہا گھاس پر دونوں گھٹنوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی، اس کے کانوں میں شہروز کا گمبھیر پرفسوں لہجہ گونجا، اس نے کرنٹ کھا کر جھٹکے سے سر اٹھایا تو وہ بے یقین رہ گئی، وہ اس کی نظروں کے سامنے تھا، دونوں کی محبوب کی دید کو ترسی آنکھیں خوب سیراب ہو رہی تھیں، نوشینہ کے لب ہولے سے پھڑپھڑائے، اس کی آنکھوں میں خوشی سے نمی اکٹھی ہونے لگی۔
''کہاں تھے تم اتنے دنوں، کوئی یوں بھی کرتا ہے بھلا؟'' نوشینہ کے نازک لبوں سے محبت بھرا شکوہ پھسل گیا، شہروز کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی، وہ اس کے لئے بے حد فکرمند تھی، اسے ان کی روپوشی سے مختلف وہم آ رہے تھے۔
''نوشینہ ڈیڈی بالکل بے گناہ ہیں۔'' شہروز اس کے سامنے چوکڑی مار کر بیٹھ گیا، وہ دھیرے دھیرے اسے ساری روئیداد سنانے لگا۔
''شہروز اب کیا ہو گا؟'' گو نوشینہ کے چہرے پر اطمینان پھیلا تھا مگر اس کی تشویش کم نہ ہوئی تھی وہ صحیح سلامت تھا لیکن ابھی معاملہ حل نہ ہوا تھا، اس کی تشویش بے جا نہ تھی۔
''ڈیڈی نے اپنے مخالفین کے متعلق ٹھوس شواہد اکٹھے کر لئے ہیں وہ جلد منظر عام پر آ جائیں گے۔'' ہاشم عمر حقائق اکٹھے کر چکے تھے اور جلد پریس کانفرنس کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، شہروز بہت پرامید تھا، اسے یقین تھا کہ ڈیڈی کی سچائی ثابت ہوتے ہی ان دونوں کے درمیان حائل جدائی کی خلیج بھی ختم ہو جائے گی۔
''نوشینہ تم میرا انتظار کرو گی نا۔'' دونوں کے درمیان کبھی اقرار کا پل نہ آیا تھا، شہروز اس سے اقرار محبت چاہ رہا تھا، نوشینہ کے وجود سے مترشح بے قراری کئی ان کہی داستانیں بیان کرنے لگی، اس کے لبوں پر حیا قفل کی مانند

چسپاں تھی۔

"کچھ تو بولو یار۔" شہروز کی گہری براؤن آنکھوں سے شرارت چھلکنے لگی، اس نے شریر لہجے میں اسے بولنے پر اکسایا، وہ اس کے منہ سے کچھ سننا چاہتا تھا، نوشینہ کا سر بار حیا سے ہولے سے اثبات میں ہلا تھا، شہروز کے لئے یہ بھی کافی تھا، وہ صرف اس کی تھی، وہ بطور خاص اسی سے ملنے آیا تھا، اسے احساس تھا کہ وہ اس کی روپوشی سے بہت پریشان ہوگی۔

"میں چلتا ہوں نوشینہ۔" وہ جلد ہی جانے کو تیار ہوگیا، وہ کسی کلاس فیلو کی نظر میں نہ آنا چاہتا تھا، وہ پریڈ آف ہوتے ہی اسے ڈھونڈنے نکل پڑتے اور اس کے پاس فی الحال کسی کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

"پھر کب آؤ گے؟" وہ تو محبوب کی قربت و دید سے ابھی سیراب نہ ہوئی تھی اور شہروز جانے کو تیار تھا، نوشینہ کے لہجے میں چھپی بے قراری نے شہروز کو لمحہ بھر کے لئے باندھ لیا، اس کا جی چاہا وہ بھی نہ جائے اور وقت یونہی تھم جائے۔

"نوشینہ تم میری مجبوری سمجھو پلیز۔" شہروز کے لئے نوشینہ کی آنکھوں کی نمی یا دکھ سہنا آسان نہ تھا، نوشینہ کے بے قرار لہجے نے اسے باندھ لیا تھا مگر ٹھہرنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔

"گڈ گرل۔" نوشینہ آنکھوں میں تیزی سے پھیلتی نمی چھپاتی مسکرا دی، شہروز ہولے سے اس کے سر پر چپت لگاتا اٹھ گیا، نوشینہ کی آنکھوں میں دھند اترنے لگی، شہروز رفتہ رفتہ اس دھند میں غائب ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"جواد مجھے الگ گھر چاہیے۔" مسز نیازی کو فالج کا اٹیک ہوا تھا، جواد نے ان کے لئے مستقل ملازمہ لگوائی تھی جو سارہ کی ہیلپ کروا دیتی تھی، ان کے بیماری سے کئی بکھیڑے بڑھ گئے تھے، اس روز جواد گھر آیا تو اس نے الگ گھر کی فرمائش کر دی۔

"واٹ؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" دونوں بھائی الگ رہتے تھے وہ اب بیماری میں ماں کو نہ چھوڑنا چاہتا تھا وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی احسن نبھانا چاہتا تھا اس کی ان دنوں ڈیوٹی ڈومیسٹک فلائٹس پر تھی، وہ انٹرنیشنل فلائٹس پر اکثر سارہ کو بھی ساتھ لے جاتا تھا، سارہ چند روز میں ہی ساس کی خدمت سے زچ ہو کر ان سے فرار کی راہیں اپنانا چاہتی تھی، جواد اس کی نت نئی فرمائشوں سے عاجز ہو چکا تھا، اسے سارہ کی نئی ڈیمانڈ نے بے حد دکھ پہنچایا تھا۔

"میں بھی انسان ہوں آخر، میں تھک جاتی ہوں۔" سارہ نے اس کے غصے سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر دبنگ لہجہ اپنایا، اس نے دینا تو سیکھا ہی نہ تھا۔

"تمہیں اس گھر میں رہنا ہے یا نہیں۔" جواد نے دو ٹوک معنی خیز لہجے میں اسے کڑی نظروں سے سرتاپا گھورا، وہ بیوی کو چھوڑ سکتا تھا ماں کو نہیں۔

"کیا..... کیا مطلب؟" سارہ پوری جان سے لرز کر رہ گئی، وہ بچی نہ تھی کہ اس کی بات سمجھتی۔

"تمہیں مطلب سمجھ آگیا ہے یا میں سمجھا دوں۔" جواد کا لہجہ ہنوز بے لچک تھا، عبداللہ کو تھپکتا سارہ کا ہاتھ ساکت رہ گیا، اس نے جواد کا یہ روپ پہلے نہ دیکھا تھا، جواد چند ثانیے اسے کڑی نظروں سے گھورتا رہا پھر غصے سے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا، سارہ نے اس کا آرام سکون بھی غارت کر دیا تھا وہ تھکا ہارا گھر لوٹتا تو اور کچھ آرام کرنا چاہتا تھا اسے اب ماں کے

کمرے میں جا کر آرام کرتا تھا، سارہ دم بخود بے جان نظروں سے بند دروازے کو گھورتی رہ گئی، اس نے جواد سے من چاہی زندگی کے حصول کی خاطر شادی کی تھی جبکہ یہاں تو اس پر زندگی بوجھل ہونے لگی تھی، وہ جواد کو کھونے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی، جواد کتنی آسانی سے اسے سنگین دھمکی دے گیا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔

☆☆☆

محبت مہربان ہوگی
پریشان تم نہیں ہونا
کبھی چھپ کر نہیں رونا
جدائی زہر ہوتی ہے
مجھے معلوم ہے لیکن
فراق و ہجر کا موسم
یقیناً بیت جائے گا
یقیناً وصال کے لمحے
دوبارہ لوٹ آئیں گے
وہی شامیں وہی راتیں
وہی قصے وہی باتیں
وہی پھر داستاں ہوگی
محبت مہربان ہوگی

مخالفین ہاشم عمر کی حکمت عملی سے باخبر ہو چکے تھے انہوں نے ہاشم کو ان کے عزائم سے روکنے کے لئے انہیں قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے، کلثوم ڈر گئیں انہوں نے ہاشم کو مختلف واسطوں اور منتوں سے روک دیا تھا، ہاشم کو شہروز کی فکر نہ ہوتی تو وہ کسی بھی دھمکی کو ہرگز خاطر میں نہ لاتے، ہاشم نے الیکشن لڑنے سے بھی دستبرداری اختیار کر لی تھی، وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی معتوب ٹھہرے تھے، ان کے مخالفین ان کے خلاف بڑھ چڑھ کر اخبارات میں بیان دے رہے تھے اور وہ بے بسی کی عملی تفسیر بنے ہوئے تھے۔

"نوشینہ اچھے دن ضرور آئیں گے تم فکر مند نہ ہونا۔" ان دونوں کی کئی دنوں بعد ملاقات ہو رہی تھی، شہروز باقاعدگی سے کالج آنے لگا تھا اس کی اسٹڈی کا کافی حرج ہو چکا تھا، وہ مزید وقت ضائع نہ کرنا چاہتا تھا، وہ دونوں لائبریری کے نسبتاً سنسان گوشے میں بیٹھے تھے، نوشینہ کو اپنا مستقبل تاریک لگ رہا تھا اسے شہروز سے ملن کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی، ہاشم عمر کی پوزیشن بے حد کمزور تھی ان پر کرپشن کے الزامات ابھی بھی تھے وہ خود کو الزامات سے بری الذمہ نہ کر پائے تھے، نوشینہ کے چہرے پر تشویش و گہری خاموشی تھی اس کی حسین آنکھوں میں خوف ٹھہر کر رہ گیا تھا، شہروز سے اس کی ایسی صورت نہ دیکھی گئی تھی۔

"شہروز تم سے جدائی کا خوف مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتا ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی بھائی اس کے لئے رشتے دیکھ رہے تھے بلکہ اسے چند لوگ آکر پسند بھی کر گئے تھے، لڑکا ایم بی اے کے بعد بینک میں بہترین پوسٹ پر تھا، گھر والے سنجیدگی سے رشتے کی چھان بین کر رہے تھے، وہ منکر نہ ہوتی تو کیا کرتی، شہروز سے جدائی سوہان روح تھی۔

"نوشینہ ہمارے درمیان ہجر و فراق کا موسم سدا نہیں رہے گا میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ہمارا ملن ضرور ہوگا۔" شہروز نے تڑپ کر اس کی پلک پر ٹھہرا آنسو اپنی پور پر چن لیا، اسے نوشینہ کی طرح جدائی کا بالکل خوف نہ تھا اور نہ ہی وہ نوشینہ کے خدشات سن کر کبھی کمزور پڑتا تھا، نوشینہ اسے اپنے نئے رشتے کا بتانا چاہتی تھی، شہروز کے پریقین اور مضبوط لہجے نے اس کی زبان تالو سے چپکا دی تھی، وہ چاہ کر بھی نہ جانے کیوں اسے کچھ

نہ بتا سکی تھی، شہروز کے مان بھرے لہجے نے اسے یک گونہ سکون دیا تھا، اسے بھی محبت کے جلد مہربان ہونے کا یقین ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

''نوشینہ!'' وہ تکیے میں منہ دیے زار و قطار روئے جا رہی تھی، ذاکر کے گھر والوں کو ہاں کر دی گئی تھی وہ لوگ جلد بات پکی کرنے آنا چاہ رہے تھے، بھیا انہیں ہاں کر چکے تھے گھر میں نعیم بھیا کی بات کی بے حد اہمیت تھی وہ بڑے تھے، ندیم اور وسیم انہیں بے حد عزت و مان دیتے تھے اور ان کی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتے تھے، فاخرہ بچوں سمیت پشاور گئی ہوئی تھی منگنی کی رسم ان کے آنے تک موقوف تھی، نوشینہ تک بھی سن گن پہنچ چکی تھی، اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا آپی اور اس کی عمروں میں بارہ سال کا فرق تھا دونوں میں فرینکس نہ تھی، آپی اپنے گھر بار میں گم مہینے میں دو بار میکے چند گھنٹوں کے لئے آتیں اور بھابھیوں کے ساتھ وقت گزار کر چلی جاتیں، وہ دونوں بہنیں کبھی تنہا نہیں بیٹھی تھیں بلکہ انہیں منزہ نے کبھی تنہائی کا موقع ہی نہ دیا تھا، وہ آپی کے آنے پر ہمہ وقت ان کے ساتھ چپکی رہتی تھی آپی نے ایک آدھ بار اس کے ساتھ تنہا بیٹھنے کی کوشش کی تھی جو منزہ بھابھی نے اپنی مسلسل نگرانی سے ناکام بنا دی تھی، آپی شام کو آ کر چند گھنٹے گزار کر گھر لوٹ جاتیں، منزہ کے لئے دونوں کی چند گھنٹوں کی نگرانی بارگراں نہ تھی، منزہ کھانا اکٹھا بناتی تھی، ندیم بھائی نیچے کھانا کھا لیتے تھے، وہ کھانے کے لئے نوشینہ کو بلانے آئی تو کمرے میں گونجتی دبی سسکیوں نے اسے ٹھٹکا دیا تھا، نوشینہ چونک کر جلدی سے اپنے آنسو صاف کرتی سیدھی ہوئی، وہ نہ جانے کب سے رو رہی تھی، مسلسل رونے سے اس کی دودھیا رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔

''نوشینہ کیا ہوا ہے؟'' منزہ بھابھی کے لہجے میں مصنوعی مٹھاس گھل گئی تھی، اسے نوشینہ کے بدلے رنگ ڈھنگ سے شک تھا کہ وہ شہروز کو پسند کرنے لگی ہے، وہ نوشینہ کی بدولت وسیم سے ہونے والی اپنی عزت افزائیاں نہ بھولی تھی، وہ کچھ ایسا کرنا چاہتی تھی کہ نوشینہ ہمیشہ کے لئے وسیم کے دل سے اتر جائے، اس نے وسیم سے کئی بار نوشینہ کی جھوٹی سچی شکایتیں بھی لگائیں لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی تھی، اس نے ہار نہ مانی تھی اور انتقام کی آگ میں اک معصوم کو جلا کر خاکستر کرنے کو سخت بے چین تھی، نوشینہ نظریں چرا گئی۔

''نوشینہ مجھے نہیں پتہ کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو لیکن میں تمہیں چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتی ہوں تمہارے آنسوؤں نے مجھے بے حد تکلیف دی ہے۔'' منزہ کی مکاری ابھر کر سامنے آ گئی اس نے مصنوعی لگاوٹ سے نوشینہ کا چہرہ اپنی طرف کیا، وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

''بھابھی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں میں بھی آپ کی بے حد عزت کرتی ہوں۔'' نوشینہ نے ناراضگی سے انہیں ٹوکا، وہ ان کی بے حد عزت کرتی تھی اسی لئے تو اسے رابعہ کا انہیں دیا خطاب بھی پسند نہ آیا تھا، اسے منزہ کی بدگمانی نے افسردہ کر دیا، منزہ کا دل شادی کے چھ سال بعد بھی اس سے صاف نہ ہوا تھا، بعض دلوں پر بغض و کدورت کی اتنی گہری تہہ جمی ہوتی ہے کہ پرخلوص اور محبت بھرے رویے بھی ان کی کدورت و بغض نہیں دھو پاتے، نوشینہ بے خبر تھی کہ منزہ کا دل بھی انہی میں سے ایک ہے، اس کے دل پر جمی بدگمانی کی میل کبھی صاف نہیں ہو سکتی تھی، حالانکہ اب نئی بھابھی کا رویہ اس سے کافی بہتر تھا لیکن وہ اپنے دل پر جمی اول روز کی گرد بھی صاف نہ کر پائی تھی۔

''تو پھر مجھ پر اعتماد کیوں نہیں کرتی ہو۔'' منزہ نے محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گلہ کیا، وہ لب بھینچے ساکت رہ گئی۔

''نوشینہ مجھے اپنی دوست اور بڑی بہن سمجھو۔'' منزہ نے اسے خود سے نرمی سے لپٹا لیا۔

''بھابھی آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔'' نوشینہ نے قدرے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کیا، وہ بھابھی کی جرح و تفتیش پر شدید الجھن و کشمکش کا شکار تھی، وہ ان پر اعتماد کرنا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔

''مجھے پتا تھا کہ تم مجھے صرف بھابھی سمجھتی ہو بہن نہیں۔'' منزہ نے لہجے میں کمال اداکاری سے یاسیت سموئی تھی اس کے چہرے پر مایوسی نمایاں تھی، جو رفتہ رفتہ دکھ میں ڈھلنے لگی تھی، نوشینہ پشیمان ہو گئی، اس کے لبوں پر جامد خاموشی تھی۔

''میں تمہیں کھانے کے لئے بلانے آئی تھی۔'' منزہ کے لہجے میں مان بھری ناراضگی اور دکھ تھا وہ لاکھ کوشش پر بھی نوشینہ سے کچھ نہ اگلوا سکی تھی۔

''بھابھی وہ دراصل بات یہ ہے کہ۔'' نوشینہ کو کسی پر تو اعتماد کرنا تھا، رعنا بھابھی الگ رہتی تھیں، فاخرہ بھابھی کی واپسی اگلے ہفتے تھی، آپی بھی ویک اینڈ پر ہو کر گئی تھیں اور ان کا اگلا چکر شاید اس کی منگنی پر ہی لگتا، اسے ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی، اس کے پاس منزہ پر اعتماد کے علاوہ دوسرا کوئی آپشن نہ تھا اور یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی، وہ اسے دھیمے لہجے میں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''تم فکر نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں، تم شہروز سے کہو وہ اپنے گھر والوں کو دوبارہ بھیجے۔'' منزہ نے اس کا ہاتھ دبا کر محبت سے اسے تسلی دی، نوشینہ اس سے اپنا حال دل شیئر کر کے بے حد ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

''سچ بھابھی۔'' وہ خوشی سے کھل اٹھی، اس کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھی تھیں۔

''میں تمہارے ساتھ برا نہ ہونے دوں گی اور مجھ سے جہاں تک بن پڑا تمہارا ساتھ دوں گی۔'' منزہ کی آنکھیں عیاری سے چمک اٹھیں، اس کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

''اب تم جلدی آ جاؤ تمہارے بھیا بھوک سے شور مچا رہے ہوں گے۔'' منزہ کسی فاتح کی طرح گردن تانے مڑ گئی، نوشینہ اپنی خوشی میں مست اس کی پراسرار مسکراہٹ پر غور نہ کر پائی اور دوپٹہ اوڑھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

☆☆☆

''وسیم صاحب ام نوشینہ کا ہاتھ دوبارہ آپ سے مانگنے آئے ہیں۔'' نوشینہ نے اگلے روز ہی شہروز سے بات کر لی تھی، اس نے اسی روز شام کو اپنے والدین کو ان کے ہاں بھیج دیا تھا، ہاشم عمر اور کلثوم اکلوتی اولاد کی محبت سے مجبور دوبارہ ان کے در پر سوالی بن کر آ گئے تھے، نوشینہ کو بھابھی پر اندھا اعتماد تھا اسے شہروز سے ملن کی سبیل نظر آنے لگی تھی، وہ اس کی سانسوں میں بستا تھا، ذاکر کے گھر والوں کو بہت جلدی تھی دراصل وہ بیٹے اور بیٹی کی شادیاں اکٹھی کرنا چاہ رہے تھے، ان کی بیٹی کے سسرال والوں کو جلدی تھی، ندیم بھیا، فاخرہ بھابھی کو لینے پشاور گئے ہوئے تھے، وسیم کو علم تھا کہ دونوں بڑے بھائی اس رشتے پر کبھی بھی رضامند نہ ہوں گے سو اس نے نعیم بھائی کو بلانے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی، ہاشم عمر نے الیکشن سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا، ان پر نیب کا

کیس بھی خارج ہو گیا تھا، لیکن وہ اپنی پوزیشن کلیئر نہ کر سکے تھے تینوں بھائیوں کے نزدیک نوشینہ کے لئے رشتے کا معیار شرافت تھا نہ کہ دولت، ہاشم عمر نے ملتجی لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔

''ہاشم صاحب ہم آپ تک اپنا جواب پہنچا چکے ہیں۔'' وسیم نے رسانیت بھری نرمی سے انکار کیا۔

''وسیم اب تو ان پر نیب کا کیس بھی خارج کر دیا گیا ہے۔'' منزہ نے آہستگی سے نوشینہ کا کمال ہوشیاری و مہارت سے کمزور دفاع کیا، نوشینہ دروازے سے چپکی کھڑی تھی، وہ تمام صورتحال جلد جان لینے کو بے چین تھی، منزہ اسے دروازے پر دیکھ چکی تھی، اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے، وہ نوشینہ کی ہمدردیاں اور وسیم کا دل بیک وقت جیتنا چاہتی تھی تا کہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔

''منزہ تم خاموش رہو، تم ان باریکیوں کو نہیں سمجھتی ہو۔'' وسیم کو منزہ کا نوشینہ کے معاملے میں بولنا ایک آنکھ نہ بھایا اسے تو نوشینہ سے بیر تھا پھر وہ اس کی اتنی خیر خواہ کب سے ہو گئی، وسیم نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔

''بھیا پلیز، آپ بھابھی کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔'' دروازے سے چپکی نوشینہ تک وسیم کی درشت آواز پہنچی تو اس نے تصور میں بھائی سے التجا کی، وہ بہن بھائیوں کی لاکھ لاڈلی سہی مگر وہ کسی سے اتنی فرینک نہ تھی کہ ان سے شہروز کا ذکر کرتی، حالانکہ یہی اس کی غلطی تھی، اگر وہ ایک بار بھی وسیم سے شہروز کا ذکر کر دیتی تو اس کی آئندہ زندگی یکسر مختلف ہوتی، آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ اس کی ایک معمولی حماقت نے اس سے اس کی زندگی بھر کی خوشیاں چھین لی تھیں، اس کا دل پنجرے میں قید پنچھی کی طرح پھڑ پھڑانے لگا، منزہ احساس ہتک سے سرخ پڑ گئی، اس نے کن انکھیوں سے دروازہ دیکھا، نوشینہ غائب تھی، وہ یقیناً وسیم کا انکار اور منزہ کا دفاع سن چکی تھی، منزہ کا مقصد پورا ہو چکا تھا، اس نے اپنے لب سی لئے تھے کلثوم اور ہاشم عمر، منزہ کو جھاڑ پڑنے پر ہکا بکا رہ گئے۔

''وسیم! میں بے گناہ ہوں میری کچھ مجبوریاں......'' ہاشم عمر مایوس نہ لوٹنا چاہتے تھے انہوں نے وسیم کو قائل کرنے کی بھرپور سعی کی۔

''ہاشم عمر صاحب پلیز، آپ کو کچھ اور کہنا ہے۔'' وسیم نے بے لچک لہجے میں ان کی بات کاٹی تھی، اس کی آنکھوں میں سرد مہری تھی، ہاشم کے الفاظ ان کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

''یو کین گو ناؤ۔'' وسیم نے نرمی و وقار سے انہیں مخاطب کیا، وہ ان سے بدتمیزی نہ کرنا چاہتا تھا، اسے لگا ہاشم عمر کے مزید رکنے سے وہ خود پر کنٹرول نہ رکھ سکے گا۔

''وسیم بات دراصل یہ ہے کہ......'' ہاشم عمر کے چہرے پر مایوسی کے سائے پھیل گئے، کلثوم نے پہلی بار لب کھولنے کی کوشش کی۔

''مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی ہے۔'' وسیم نے قطعیت سے کلثوم کو ٹوک دیا، اس کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی درشتی سمٹ آئی تھی، نہ جانے کیسے ڈھیٹ لوگ تھے کہ اٹھنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، کلثوم ہاشم عمر کے ہارے چہرے پر نظر ڈالتی اٹھ گئیں، ناچار ہاشم کو ان کی پیروی کرنا پڑی تھی، منزہ دونوں کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی، اس نے کن انکھیوں سے اردگرد نظر ڈالی، اسے نوشینہ سیڑھیوں کے قریب بیٹھی نظر آ گئی، اس کے چہرے پر گہرا ملال تھا، نوشینہ مہمانوں

کے باہر نکلتے ہی سرعت سے اوٹ میں ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''عجیب لوگ ہیں یہ بھی، ہماری کوئی بات سننے پر تیار ہی نہیں ہوئے۔'' گاڑی میں مکمل خاموشی تھی، ہاشم نے دانستہ ڈرائیور کو ساتھ لینے سے گریز کیا تھا اور گاڑی خود ڈرائیو کر رہے تھے، ان کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی، انہیں صرف یہ فکر تھی کہ وہ شہروز کو کیا جواب دیں گے، شہروز بہت پر یقین تھا کہ انہیں ہاں کر دی جائے گی، کلثوم نے گاڑی میں پھیلی خاموشی کو توڑا، انہیں نوشینہ کے گھر والوں کا رویہ بالکل پسند نہ آیا تھا۔

''انہیں کم از کم نوشینہ سے اس کی پسند تو پوچھ لینی چاہیے تھی۔'' کلثوم نے اگلا تبصرہ کیا، ان کا قلق کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، احساس ہتک نے ان کا روم روم جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا۔

''کلثوم تم باقی سب باتیں چھوڑ کر یہ سوچوں کہ اب شہروز کا ردعمل کیا ہو گا۔'' ہاشم کی نظروں میں بار بار بیٹے کا ملول چہرہ آتا تو ان کی افسردگی بڑھ جاتی، انہوں نے قدرے ناگواری سے بیوی کو ڈپٹا تھا، وہ غلط نہ کہہ رہے تھے، شہروز کا خیال آتے ہی کلثوم کو چپ لگ گئی، وہ دونوں گھر پہنچے تو شہروز بے قراری سے پورٹیکو سے ملحقہ لان میں ٹہل رہا تھا، وہ گاڑی کے ہارن پر تیزی سے ان کے قریب آیا وہ دونوں کے سپاٹ اور خاموش چہروں پر نظر پڑتے ہی ٹھہر گیا، ان کے چہروں پر شہروز کے ذہن میں مچلتے سینکڑوں سوالوں کا جواب درج تھا، وہ دونوں اس سے نظریں چرا کر اندر بڑھ گئے، شہروز کا دل کٹ کر رہ گیا، اس کا یقین ٹوٹ چکا تھا۔

☆☆☆

''تم ان لوگوں کے سامنے کیا کہہ رہی تھی۔'' منزہ سونے کیلئے لیٹی تو وسیم نے اس کی کلاس لینا سٹارٹ کر دی، وسیم کو منزہ کا ان کی حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا وہ ان کی ریپوٹیشن سے واقف بھی تھی۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا ان پر کیس خارج کر دیا گیا تھا میں نے خود ٹی وی پر سنا تھا۔'' منزہ نے سلگے بغیر دھیمی آواز میں جواب دیا، وہ نوشینہ کی خیر خواہ ہرگز نہ تھی اسے تو صرف اپنے پلان کے مطابق اس کی ہمدردیاں اور دل جیتنا تھا۔

''وہ کیس سے بری الذمہ ضرور ہوئے ہیں مگر ان کی پوزیشن ابھی بھی مشکوک ہے۔'' وسیم نے دانت پیستے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اچھا مجھے نہیں علم تھا۔'' منزہ نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں، وہ بات جلد ختم کرنا چاہتی تھی اسے وسیم کو غصہ دلا کر معاملہ بگاڑنا نہ تھا، اس کا اصل کھیل تو ابھی شروع ہوا تھا، پھر وہ آغاز میں ہی کھیل کیسے بگاڑتی۔

''جب تمہیں کسی بات کا پتہ ہی نہیں تھا تو کیا تمہارا درمیان میں بولنا فرض تھا۔'' وسیم کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، منزہ جتنا نرمی سے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ اتنا بھڑک رہا تھا، وہ بہن کے معاملے میں یونہی کیئر فل اور پوزیسو تھا، منزہ کو اس کے دل سے اب نوشینہ کی محبت ہی تو ختم کرنا تھی۔

''سوری وسیم!'' منزہ نے ہار مان لی۔

''تمہیں نہ جانے کب عقل آئے گی جاہل عورت۔'' وسیم غصے سے کمبل جھٹکتے ہوئے سونے لیٹ گیا، منزہ توہین سے جی جان سے سلگ اٹھی۔

''بس نوشینہ بہت ہو گیا، اب میری تمہاری

وجہ سے مزید وسیم سے انسلٹ نہ ہو گی۔" منزہ کی آنکھوں سے نفرت کے شرارے لپک رہے تھے، اسے کمال ہوشیاری سے اپنا منصوبہ مکمل کرنا تھا اسے اب ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا معمولی بھول چوک بھی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی، اب اس کے دن بدلنے والے تھے، اب وسیم کے دل پر اسی کا بلاشرکت غیرے راج ہونا تھا۔

☆☆☆

"ہیلو۔" فون کی بیل کافی دیر سے ہو رہی تھی، فاخرہ بھابھی کو کل شام آنا تھا، منزہ شاید آرام کر رہی تھی، مجبوراً نوشینہ کو ایکسٹینشن سے بات کرنا پڑی۔

"تم آج کالج کیوں نہیں آئی نوشینہ۔" دوسری طرف سے بغیر سلام دعا بے قراری سے استفسار کیا گیا، وہ کالج نہ گئی تھی، شہروز اس سے بات کرنے کو بے چین تھا، اس کا سارا دن بے چینی سے گزرا، وہ گھر آتے ہی بنا لنچ کیے اسے فون کر رہا تھا، نوشینہ اس کی آواز سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نوشینہ نے اسے وہی بتایا جو منزہ نے اس سے بہانہ کیا تھا، نوشینہ نے منزہ سے نہ کوئی گلہ شکوہ کیا تھا اور نہ ہی کوئی باز پرس، منزہ نے معصوم بن کر اس پر اپنی پوزیشن کلیئر کی تھی اور سدا کی سادہ لوح نوشینہ نے اس پر اعتبار بھی کر لیا تھا۔

"نوشینہ ہمارے پاس ایک ہی راستہ بچا ہے۔" شہروز بھی اسے کھونے سے ڈرنے لگا تھا، نوشینہ کے گھر والوں کے صاف انکار نے اس کی آس و امید بالکل ختم کر دی تھی وہ مایوسی کا شکار ہونے لگا تھا، اسے نوشینہ کو کسی قیمت پر نہ کھونا تھا، وہ ہر انتہا تک جا سکتا تھا اس نے بہت سوچ وچار کے بعد فیصلہ کیا تھا۔

"کیا؟" نوشینہ کو خبر ہی نہ ہوئی کہ کب محبت نے اسے اپنے شکنجے میں اتنی مضبوطی سے جکڑا کہ وہ لاکھ چاہ کر بھی اس سے رہائی نہ پا سکی تھی، اس کا دل شہروز کے علاوہ کسی اور کی ہمراہی کسی قیمت پر قبولنے کو تیار نہ تھا دل اسی کے نام کی مالا جپتا تھا، وہ بھی اسے ہر قیمت پر پانا چاہتی تھی، نوشینہ نے بے تابی سے سوال کیا۔

"ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔" شہروز نے جیسے اس کی سماعتوں میں دھماکا کیا، نوشینہ کے لئے اس سے جدائی کا تصور ہی روح فرسا تھا مگر کورٹ میرج۔

وہ کسی قیمت پر کورٹ میرج نہ کر سکتی تھی اسے اپنے بھائیوں کی عزت بے حد عزیز تھی، وہ کتنے لمحے گنگ رہ گئی اس کی زبان تالو سے چپک گئی۔

"کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے شہروز۔" نوشینہ کی آواز کسی گہری کھائی سے ابھری تھی اس کا دماغ سن ہو گیا تھا۔

"نہیں تمہارے بھائی ہمیں کبھی ایک نہ ہونے دیں گے نوشینہ میری فیملی مجھے بھرپور سپورٹ کرے گی ہم بعد میں انہیں منا لیں گے۔" شہروز، نوشینہ کی کیفیت سمجھ سکتا تھا یہ کڑا فیصلہ دونوں کے لئے ہی کسی امتحان سے کم نہ تھا، نوشینہ سناٹے میں تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف طویل خاموشی چھائی تو شہروز کو لائن منقطع ہونے کا خدشہ گزرا۔

"میں سن رہی ہوں شہروز۔" نوشینہ بدقت بول پائی تھی، وہ پل صراط پر کھڑی تھی اس نے والدین کو کھویا تھا، اب بھائیوں سے دوری، اس سے آگے سوچ نہ پائی۔

"تم اچھی طرح غور کر لو پھر ہم کل بات کریں گے۔" شہروز نے اسے سوچنے کی مہلت

دیتے ہوئے لائن منقطع کر دی، نوشینہ نے بے جان ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا، اس کے قدم اس کے وجود کا بوجھ سہارنے سے منکر تھے، وہ بے دم سی زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

وقار اور زنیرہ کو سکول داخل کروا دیا گیا تھا، وہ سکول سے آ کر کھانا کھاتے ہی سو جاتے، منزہ بھی وقاص کو سلا کر ان کے ساتھ لیٹ جاتی، وہ وقاص کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی کہ فون کی بیل بجی، اس پر کاہلی طاری تھی، غالباً فون کرنے والا کوئی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا کہ فون بند کرنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، ناچار اسے اٹھنا پڑا تھا، اس نے فون تک پہنچنے سے قبل بیل بند ہو گئی، وہ پلٹنے کو تھی کہ اسے اوپر سے نوشینہ کی دھیمی آواز آئی، اس نے کچھ سوچ کر ریسیور اٹھا لیا، نوشینہ کسی سے بات کرتے ہوئے رو رہی تھی۔

"شہروز مجھ سے بھابھی نے مدد کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ بے حد مجبور ہیں، وہ بھائی کو نہیں منا سکیں۔" اس کے کانوں میں نوشینہ کی بے بس آواز آئی، اس کے لبوں پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نوشینہ ہمارے پاس ایک ہی راستہ بچا ہے۔" شہروز نے منزہ کے تجسس کو ہوا دی تھی وہ فون اسٹینڈ کے مزید قریب کھسک آئی تا کہ نوشینہ کی بالائی گیلری سے اس پر نظر نہ پڑے۔

"کیا؟" منزہ کے دل و دماغ میں تیزی سے مچلتے سوال کو نوشینہ نے زبان دی تھی۔

"ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔" شہروز نے نوشینہ کے ہی اس کے سر پر بھی دھماکا کیا تھا، نوشینہ گنگ تھی تو وہ خوشی سے بے حال، یہی سب کچھ تو اس کا آئندہ کا پلان تھا، وہ نوشینہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر اور ورغلا کر اسے کورٹ میرج کا مشورہ دینا چاہتی تھی، وہ نوشینہ کو وسیم کی نظروں میں اتنا گرا دینا چاہتی تھی کہ وہ اپنی بقیہ زندگی بھی اس کی نظروں میں سرخرو ہو کر اس کے دل تک رسائی نہ پا سکتی، منزہ کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اگلا مرحلہ اتنا آسان ہو گا وہ خوشی میں مگن نوشینہ کا جواب نہ سن پائی تھی۔

"نوشینہ تمہارے بھائی ہمیں کبھی ایک نہ ہونے دیں گے، میری فیملی ہمیں بھرپور سپورٹ کرے گی، ہم بعد میں انہیں منا لیں گے۔" شہروز نوشینہ کو تسلیاں دے کر منانے کی کوشش کر رہا تھا، منزہ منزل و کامرانی کے قریب تر تھی، اس کے چہرے پر خوشی رقصاں تھی، وہ دبے پاؤں ریسیور رکھ کر پلٹ گئی۔

☆☆☆

"نوشینہ!" دن بھر کی تھکی ماندہ دھوپ سمٹ کر دیواروں کے انتہائی سرے پر پہنچ چکی تھی کہ منزہ نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا، وہ منڈیر پر پرندوں کے لئے دانہ اور پانی کے کٹورے بھر کر رکھ رہی تھی اس کے حسین چہرے پر حزن پھیلا تھا، آنکھوں میں مستقل ڈیرہ ڈالے اداسی نے اس کے حسن کو جاذبیت بخش دی تھی۔

"تمہارا شہروز سے رابطہ ہوا۔" منزہ کے لہجے میں شیرینی و خلوص کی چاشنی گھلی تھی، نوشینہ پگھلنے لگی، آنکھوں میں ٹھہری اداسی آنسوؤں میں ڈھلنے لگی۔

"بھابھی آپ وسیم بھائی سے ایک بار بات تو کریں مجھے یقین ہے وہ میری خاطر مان جائیں گے۔" نوشینہ کا ذہن سوچ سوچ کر پھوڑے کی طرح پکنے لگا، اس کا دل و دماغ کورٹ میرج پر تیار نہ تھا اور فی الحال اسے لاکھ سوچنے پر بھی کوئی دوسرا آپشن نہ سوجھا تھا، اس نے منزہ کے ہاتھ

تھام لئے، اسے یقین تھا کہ وسیم اس کی پسند کا سن کر معاملہ سنبھال لے گا، اس کا یقین بے جا نہ تھا، اگر منزہ اس سے مخلص ہو کر معمولی سی بھی کوشش کرتی تو وسیم خود چل کر ہاشم عمر کے پاس جاتا، اسے نوشینہ کی خوشیوں سے بڑھ کر کچھ بھی تو عزیز نہ تھا۔

''ہوں میں تمہیں پاگل دکھتی ہوں۔'' منزہ نے زہر خند انداز میں سوچا، نوشینہ کی آنکھوں میں التجا تھی، نوشینہ اس کا سوال گول کر گئی تھی۔

''نوشینہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے کوئی کوشش نہیں کی ہو گی۔'' منزہ نے لہجے میں دکھ سموتے ہوئے نوشینہ کا چہرہ اوپر کیا، وہ رو رہی تھی۔

''بھابھی پلیز، میری خاطر صرف ایک بار۔'' نوشینہ نے تڑپ کر التجا کی، منزہ کا دل پتھر کا ہو چکا تھا اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو نوشینہ کی تڑپ پر بے چین ہو جاتا۔

''نوشینہ تم اس سے کورٹ میرج کر لو۔'' منزہ نے ہمدردی سے اس کے آنسو سمیٹتے ہوئے مشورہ دیا۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی۔'' نوشینہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوئی۔

''اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے میں بعد میں وسیم کو منا لوں گی، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' منزہ نے اسے ایک اور لارا لگایا، نوشینہ سوچ میں پڑ گئی اس بے وقوف لڑکی کو ایک لمحہ کے لئے بھی خیال نہ آیا کہ بھابھی تو بھائی کو رشتے کے لئے نہ منا سکی تھی وہ بعد میں بات بڑھ جانے پر کیسے منا لیتی۔

''نوشینہ ہم کورٹ میرج کر لیں گے بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' نوشینہ کے کانوں میں شہروز کی آواز گونجی، اس کے چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائی تھی، حالات دونوں کے لئے ناسازگار تھے، ایسے میں فی الحال یہی فیصلہ بہتر تھا۔

''منزہ بھابھی میرے ساتھ ہیں یہ بھائی کو منا لیں گی۔'' نوشینہ کو منزہ پر اندھا اعتماد تھا اس کی پرسوچ نظریں منزہ سے ٹکرائیں، اس نے محبت سے اس کا ہاتھ دبا کر اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلایا، نوشینہ حتمی فیصلہ پر پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز دونوں کا سادگی سے نکاح ہو گیا، ہاشم عمر نے نوشینہ کے لئے گواہوں اور سرپرست کا بھی بندوبست کر دیا تھا، نکاح کی تقریب ہاشم عمر نے فارم ہاؤس پر کی تھی جہاں چند قریبی احباب اور دوست مدعو تھے، ہاشم عمر نے اپنے دوست احباب سے نہ جانے کس مجبوری کا ذکر کیا تھا کہ نوشینہ اور شہروز کو اپنے نکاح پر کسی قسم کی کوئی چہ میگوئی نہ سنائی دی انہیں نکاح کے بعد لوگ مبارکباد دے کر رخصت ہو گئے۔

''نوشینہ تمہیں عدم تحفظ کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں قدم قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔'' نوشینہ صبح کالج گئی تھی اور وہاں سے شہروز کے ساتھ اس کے فارم ہاؤس آ گئی تھی، ہاشم عمر اور کلثوم نے تمام انتظامات مکمل کر رکھے تھے، ان کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد چیدہ چیدہ مدعو کردہ مہمان بھی آ گئے، انہی میں نکاح خواں بھی تھا، نوشینہ کو نکاح کے بعد الگ کمرے میں پہنچا دیا گیا، شہروز مہمانوں کو رخصت کر کے اس کے پاس چلا آیا، شہروز کی بولتی آنکھوں نے نوشینہ کی بولتی بند کر دی تھی، وہ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی جھکا گئی، نوشینہ نے انتہائی قدم تو اٹھا لیا تھا مگر اسے اپنے بھائیوں کا ردعمل خوف کی مانند اعصاب پر بوجھ محسوس ہو رہا تھا، وہ جواباً مسکرا

بھی نہ سکی تھی۔

''نوشینہ تم بالکل پریشان نہ ہونا، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' نوشینہ پر گھبراہٹ طاری تھی، شہروز نے اس کے کانپتے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لئے۔

''مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے شہروز۔'' نوشینہ نے جھکی پلکوں سے دھیمے لہجے میں سرگوشی کی، دونوں کے رشتے کی نوعیت بدلتے ہی دل اس کی قربت پر تیزی سے دھڑکے جا رہا تھا، حیا سے جھکی پلکیں اٹھنے سے انکاری تھی، شہروز کے لبوں پر جاندار مسکراہٹ بکھر گئی وہ اک جذب سے نوشینہ کے سادگی سے سجے سنورے روپ کو دل میں اتار رہا تھا، نوشینہ نے معمولی میک اپ اور زیورات پہنے تھے، اس نے ڈریس بھی ہلکا کامدار منتخب کیا تھا، کلثوم نے اس کے سادگی بھرے دلہناپے پر سخت اعتراض کیا تو شہروز نے نوشینہ کا دفاع کرتے ہوئے انہیں سمجھا دیا تھا۔

''چلیں۔'' شہروز کی والہانہ نگاہوں کے ارتکاز نے اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھگو دیں، نوشینہ راہ فرار چاہنے لگی۔

''چلیں جی۔'' کالج آف ہونے میں تھوڑی دیر ہی رہ گئی تھی وہ چھٹی سے پہلے نوشینہ کو کالج ڈراپ کر دینا چاہتا تھا، شہروز کو گھبرائی ہوئی نوشینہ پر رحم آ گیا ورنہ دل کے تقاضے تو بڑھتے ہی جا رہے تھے، شہروز سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اور والٹ اٹھانے لگا، نوشینہ چینج کرنے کے لئے واش روم گھس گئی۔

☆☆☆

''شکر ہے تمہیں بھی میرا خیال آ گیا۔'' نائلہ نے کال ریسو کرتے ہی منزہ کی آواز سن کر محبت بھرا شکوہ کیا، دونوں کی کالج میں دوستی ہوئی تھی جو ابھی تک قائم تھی، نائلہ اسے گاہے بگاہے فون کر لیتی تو کبھی اس سے ملنے آ جاتی، منزہ اب سے کم ہی رابطہ کر پائی تھی، منزہ نے اسے کافی دنوں بعد فون کیا تھا، وہ گلہ کیے بنا نہ رہ سکی۔

''بس یار بچوں میں ٹائم ہی کہاں ملتا ہے۔'' منزہ نے خفت سے وضاحت دی، اس نے نائلہ کو کئی مہینوں بعد فون کیا تھا، اس کا گلہ بے جا نہ تھا۔

''یار نائلہ تم سے ایک کام تھا۔'' منزہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اصل موضوع پر آ گئی، جس کے لئے اس نے خصوصاً نائلہ کو فون کیا تھا، اسے کافی سوچ وچار کے بعد نائلہ بے حد موزوں لگی تھی، وہ یہ کام سارہ سے بھی کروا سکتی تھی، سارہ آوازیں بدلنے میں بلا کی ماہر تھی لیکن وہ کسی قسم کا ہرگز رسک نہ لینا چاہتی تھی۔

''ہاں ہاں کہو یار۔'' منزہ کے لہجے میں فارملیٹی تھی جیسے وہ تکلف سے کام لے رہی ہو، نائلہ نے لمحہ بھر کو ٹھٹکنے کے بعد اسے بولنے پر اکسایا۔

''نائلہ میں تمہیں ایک فون نمبر لکھواتی ہوں، تم نے اس نمبر پر کال کر کے کہنا ہے کہ کل نوشینہ نے شہروز سے خفیہ نکاح کر لیا ہے۔'' منزہ نے اسے ایک پی ٹی سی ایل نمبر لکھوا دیا، اس نے نوشینہ کو نکاح کرنے کی ترغیب دی تھی نوشینہ نے اس کے مشورے پر ہی اگلے روز نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، منزہ چاہتی تھی کہ نوشینہ کی منگنی کا ایشو کھڑا ہونے سے پہلے وسیم کو نوشینہ کے نکاح کی خبر ہو جائے، وہ کسی تھرڈ پرسن کے ذریعے وسیم تک نوشینہ کے نکاح کی خبر پہنچا کر اس معاملے میں بری الذمہ ہونا چاہتی تھی، فاخرہ کے آتے ہی نعیم بھائی نے ذاکر کے گھر والوں کو ہاں کر کے منگنی کی ڈیٹ فکس کر دی تھی، نوشینہ لازماً اسے وسیم بھائی سے بات کرنے کے لئے فورس کرتی، وہ ایسا کر کے نوشینہ کی نظروں میں تو سرخرو ہو جاتی

مگر وسیم کے سامنے پھنس جاتی، اس نے نائلہ کو وسیم کے آفس کا نمبر لکھوایا تھا۔

''یار نوشینہ وہی تمہاری نند۔'' نائلہ نے نوٹ بک پر نمبر نوٹ کرتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا، نائلہ کالج کے زمانے کی نرم خو اور خوش اخلاق منزہ سے واقف تھی وہ منزہ کی ذات کے دوسرے پہلو سے ناواقف تھی۔

''ہاں نہیں، بس یار تم یہ کام کر دو، اس طرح کسی مصیبت زدہ کی مدد ہو جائے گی۔'' منزہ وضاحتی انداز میں گویا ہوئی۔

''اوکے میں آج ہی بلکہ ابھی کال کر دیتی ہوں، لیکن یار دوسری طرف کون ہوگا۔'' نائلہ اس کی توقع کے عین مطابق با آسانی بلا حیل و حجت نیاز ہو گئی تھی، نائلہ نے فون بند کرنے سے پہلے اچانک خیال آتے پر پوچھا۔

''تم پوچھنا کہ امین انٹر پرائزز کا نمبر ہے۔'' منزہ نے کمپنی کا نام بتا دیا، نائلہ کو جرح کی عادت نہ تھی، اس نے مزید سوال کیے بنا فون رکھ دیا تھا، منزہ نے اطمینان بھرا طویل سانس بھرا، اس کے سر سے ایک بھاری بوجھ سرک گیا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو، امین انٹر پرائزز۔'' نائلہ نے کال ڈس کنیکٹ کر کے وسیم کا نمبر ملایا تھا، وسیم لنچ بریک کے بعد اپنی سیٹ پر آیا ہی تھا کہ فون کی بیل بجنے لگی، اس نے ریسیور کان سے لگایا، دوسری طرف سے بعجلت پوچھا گیا۔

''جی مس آپ کو کیا کام ہے۔'' وسیم نے شائستگی سے استفسار کیا، اس نے ریسیور کندھے کے سہارے کان سے لگا کر فائل کھول کر اپنے سامنے کر لی۔

''مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے مسٹر۔'' نائلہ کو یکدم اس کھیل میں دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

''جی فرمایئے۔'' وسیم نے مصروف انداز میں ریسیور دوسرے کان کی طرف منتقل کرتے ہوئے فائل کی ورق گردانی کا آغاز کیا۔

''نوشینہ نے شہروز سے خفیہ نکاح کر لیا ہے۔'' اک بم وسیم کے قریب بلاسٹ ہوا تھا۔

''کیا؟'' وہ بری طرح اپنی سیٹ پر اچھلا، قلم اس کے ہاتھ سے پھسل کر دور جا گرا وسیم کی آواز حیرت و صدمے سے پھٹ گئی تھی۔

''آپ کا دماغ درست ہے مس۔'' وسیم کا خون غصے سے کھول اٹھا، اس نے اپنے وجود میں اٹھتی اشتعال کی لہر دباتے ہوئے اپنا لہجہ نرم رکھا تھا۔

''بہتر ہوگا کہ آپ میرے دماغ پر ریسرچ کرنے کی بجائے نوشینہ سے جا کر تصدیق کریں۔'' نائلہ نے حق دوستی بخوبی نبھایا تھا، اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو اس نے فوراً کال کاٹ دی تھی، وسیم ریسیور کان سے لگائے سن بیٹھا رہ گیا۔

(جاری ہے)

عروس کی اُن بار کہیں

نایاب جیلانی

پینتیسویں قسط کا خلاصہ

نیل بر جہاندار سے گلالئی سے ملاقات کا ذکر کرتی ہے تو وہ چونک کر سوچتا ہے کہ یہ بھولی سری کہانی کا کردار نیل بر سے کہا آٹکرایا۔

ساہنواز خان مورے سے ملنے آتا ہے تو عروفہ کو بے حد برا لگتا ہے وہ عشیہ سے الجھ پڑتی ہے، ادھر ولید نشرہ سے انتقام لینے کے لئے عروفہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔

صندیر خان کا خاص بندہ اسے بتاتا ہے کہ جہاندار اصل میں کون ہے، صندیر خان سب جان کر سنانے میں رہ جاتے ہیں۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہوں کی حویلی کا کوئی گم شدہ کردار یوں سامنے آ جائے گا، کردار بھی وہ جو اپنے دامن میں انتقام اور تباہی لے کر آئے گا۔

امام کے آپریشن کی کامیابی پر پلوشہ پورے خاندان کو دعوت پر بلاتی ہے، امام جب ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق صبح سویرے واک کے لئے آیا تو شانزے سے ٹکراؤ ہو گیا جو اسے یوں واک کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چھتیسویں قسط



نشرہ کو گلائی کا کردار خاصا خاموش ہی لگ رہا تھا، چپ چاپ سی خاموش طبع، اداس آنکھوں والی لڑکی، اپنے آپ میں گم اور مگن سی۔

جانے کیوں نشرہ کی طبیعت میں اسے دیکھ کر تجسس اُمڈ رہا تھا، جی چاہتا، گلائی سے ڈھیروں باتیں کرے، اتنا بولے کہ تنگ آکر خاموش لڑکی دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر چلا اٹھے۔

''خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔''

مگر یہ بھی نشرہ کی خام خیالی تھی، گونگی لڑکی نے یہ کہنا بھی گوارا نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے بے تکان بولنے پر ہلکی سی مسکان عنایت کی، جیسے کہہ رہی ہو۔

''اچھی لڑکی! کیا تمہیں بھی بولنا آگیا؟'' اور نشرہ اس کے تاثرات دیکھ کر جانے کیوں جھینپ سی گئی تھی، لیکن یہ ہوا کہ رات کو اس کی معصومانہ سی خواہش کا ہیام نے خوف مذاق اڑا دیا۔

''اچھا، تو گلائی آپ کو سنڈریلا لگتی ہے؟ اور افراسیاب کی والدہ خوفناک جادوگرنی۔'' وہ موقع پا کر اس کی کھڑکی بجاتا سلاخوں کے اس پار آن موجود ہوا تھا، تنگ آکر نشرہ کو بھی گرم بستر چھوڑنا پڑا تھا۔

''تو کیا غلط کہہ رہی ہوں، اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ گلائی کو دیکھا ہے، یوں لگتا ہے، جادوگرنی نے اپنی قید میں سب سے چھپا کر رکھا ہوا ہے، بے چاری کو۔'' نشرہ کا دکھ سے برا حال تھا۔

''اور اپنی تائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' ہیام نے مسکراہٹ چھپا کر جیسے مصنوعی طنز کیا تھا، نشرہ کی بھنویں کھنچ سی گئی تھیں۔

''بات گھما پھرا کر مجھ پہ ہی لے آیا کرو صاحب۔''

''تو مثال اپنے گھر سے ہی دینی چاہیے۔'' وہ بھی تو ڈاکٹر ہیام تھا، ایک کی چار بنا لیتا تھا، لاجواب کرنا اسے خوب آتا تھا۔

اور آج تو اس کی چونچالی ہی اور تھی، ایک تو بہن کی فرض سے سبکدوشی، ایک اطمینان اور سکون کا احساس تھا عشیہ کو محفوظ ہاتھوں میں دے کر، دل تنکے کی مانند ہلکا پھلکا تھا۔

''اچھا، اس وقت میرا سر کیوں کھا رہے ہو۔'' وہ چڑ کر بولی تھی اور ساتھ ہی کھڑکی کے پٹ بھی بند کرنا چاہے، ہیام نے جلدی سے ہاتھ اندر گھسا کر اس کی کلائی پکڑ کر مروڑی تھی۔

''یہ تیزیاں کسی اور کو دکھانا جا کر۔''

''اوف۔'' وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔

''کیا ہے ہیام! ابھی شور مچا کر مورے کو جگا لوں تو دم دبا کر بھاگ نکلو گے، اب عشیہ بھی نہیں بچانے والی۔'' اس کی دھمکی پلس طنز پہ ہیام کی بلی بھی میاؤں میاؤں کرنے لگ گئی تھی، نشرہ کو ہنسی آ گئی۔

''تمہاری اس دھمکی کی ایسی کی تیسی کر دوں گا کسی دن۔'' اس نے مصنوعی رعب جما کر جتلایا تھا۔

''اور وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔''

''کیوں نہیں آئے گا، ضرور آئے گا۔'' ہیام نے نشرہ سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی تھی۔

''اچھا اب اجازت دو مجھے۔'' نشرہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''یار! دو کپ چائے کا سوال تھا۔'' ہیام کو اچانک یاد آیا، وہ تو نشرہ سے چائے بنوانے آیا تھا۔

''مگر میرا چائے پینے کا ارادہ نہیں۔'' نشرہ نے جمائی روک کر صاف جھنڈی دکھائی تھی۔

''تمہیں کون آفر دے رہا ہے، یار امام کے لئے، دیکھو مہمان ہے وہ ہمارا اور گلگت کی طرف تعینات ہونے والا پہلا سرکاری آفیسر، اس لحاظ سے دوہرا مہمان بنا ہمارا۔'' ہیام نے لجاجت سے کہا تھا، بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی، عشیہ کی شادی میں شرکت کرنے والا انتہائی خوبرو اور مہذب مہمان اچانک پردہ اسکرین پہ روشن ہوا تھا، اس نے سر ہلایا، جس سے ہیام کو بھی اطمینان ہوا، اب چائے بنے ہی بنے۔

''ویسے شکر ہے، تمہارا بھی کوئی ڈھنگ کا دوست نظر آیا۔'' جاتے سے ہلکا سا طنز کرنا بھی ضروری سمجھا تھا۔

''بالکل، تمہارے بھائی اسامہ سمیت میرا تو کوئی اور دوست ہی نہیں ڈھنگ کا۔'' وہ بھی ہیام تھا، وار خالی جانے سے چوکتا کیسے؟

''میرے بھائی کا نام مت لو۔'' نشرہ خفگی سے بولی تھی۔

''تمہارے بھائی کی طرف بہت کھاتے کھلتے ہیں، ایک دفعہ مل تو لے مجھے۔'' ہیام کا گم شدہ غصہ لوٹ آیا تھا، اسامہ نے شادی میں شرکت سے معذرت کر لی تھی اور ہیام چاہ کر بھی اصرار نہیں کر سکا تھا۔

''بھائی شادی میں بھی تو نہیں آیا۔'' نشرہ کے چہرے پر بھی ملال پھیل گیا تھا۔

''اسے کوئی ضروری کام تھا۔'' اب ہیام سے نشرہ کی رونی صورت بھی نہیں دیکھی گئی تھی، اسی لئے ہلکی سی تسلی دیتا چائے کی تاکید کرتا اندھیرے میں گم ہو گیا تھا، جبکہ نشرہ اسلام آباد سے آئے ہوئے خوبصورت مہمان کے بارے میں سوچتے ہوئے کچن میں جا رہی تھی، یہ وہی مہمان تھا، جس کی دیکھ بھال کے لئے تائی اور یمنیٰ اپنا گھر بار چھوڑ کر اسلام آباد ڈیرہ لگائے ہوئے تھیں۔

اب مہمان کو دیکھ کر اسے یقین آ گیا تھا، تائی نے اتنا بڑا رسک کیوں لیا تھا، ایسے شاندار رشتے داروں کی تیمارداری کرنا تو تائی اپنا اولین فرض سمجھتی تھیں، جہاں مفاد نظر آ جائے وہیں تائی کے دن رات بسر ہوتے تھے، اب کہ ولید سے بڑھ کر مفاد نظر آ رہا تھا، امام کی صورت میں۔

امام جو راحت جان نظر آتا تھا، کس ماں کی آنکھ کا یہ تارہ تھا؟ کس ماں کا لخت جگر تھا، اتنا مکمل، اتنا بھرپور اتنا عالیشان، یہ ہیام کا پہلا دوست تھا، جسے مورے نے اپنے پاس کئی گھنٹے بٹھایا، نہ آنکھیں سیراب ہو رہی تھیں اور نہ دل دیدے سے بھر رہا تھا۔

اک احساس تھا، جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھیں اور ان کی آنکھیں بار بار بھر آتیں، یہاں تک کہ وہ اٹھ کر مردان خانے میں چلا گیا تھا اور مورے کے آس پاس بہت ساری خوشبو چھوڑ گیا، عشیہ کو رخصت کرنے کے بعد وہ ہیام کو اندر بلا کر پوچھ رہی تھیں۔

''تمہارا دوست چلا تو نہیں گیا؟''

''نہیں مورے، خیریت کوئی کام تھا کیا؟'' ہیام نے تعجب سے پوچھا تھا۔

''کام تو نہیں، بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی، وہ آرام سے تو ہے؟'' انہوں نے متفکر انداز میں بات بنائی تھی۔

''جی ہاں، آرام سے ہے۔'' اس نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا تھا۔

''اور جائے گا کب؟''

''شاید سویرے، گلگت میں نئے ڈیئریکٹر جنرل کا چارج سنبھالے گا نا۔'' ہیام نے مزید بتایا تو وہ چونک گئی تھیں۔

''گلگت میں؟'' ان کے دل میں عجیب سی چنگی بھری گئی تھی۔

''کیا یہ وہی تو نہیں؟'' وہ کچھ بولتے بولتے رک گئی تھیں، کہ انہیں اچانک گلگت کے ایک دوسرے مکین کا خیال آ گیا تھا اور اچانک ان کا دل غم و غصے سے بھر گیا۔

''جہاندار۔'' مورے کے دل سے اک آہ برآمد ہوئی تھی، انہیں گلالئی کی سونی کلائیاں یاد آئیں اور آنکھیں گدلے پانیوں سے بھر گئیں۔

''دھوکے باز، بد عہد۔''

اور ان کے آنسو پھسل کر بہت ساری جھریوں میں گم ہو گئے تھے، ہیام کا دل بے چین ہو گیا تھا، اس نے آگے بڑھ کر مورے کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

''اور اس نے اپنا وعدہ توڑ دیا، قاتلوں کو چھوڑ دیا۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگی تھیں، ہیام ماں کا سر تھپتھپاتا رہا، انہیں تسلی ولاسے دیتا رہا، ان کی ڈھارس بندھاتا رہا۔

''ایسا نہیں ہے مورے۔'' کچھ دیر بعد ہیام گہری سانس بھرتا بہت ٹھوس لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور ایسا بالکل بھی نہیں ہے، جہاندار فریدے شاہ اپنے عہد توڑنے والا نہیں ہے، وہ قاتلوں کو چھوڑنے والا نہیں ہے۔'' ہیام ملائمت سے کہتا جا رہا تھا، بولتا جا رہا تھا، کچھ راز کھولتا جا رہا تھا۔

''اس نے کبیر بنو کی بیٹی سے نکاح کر لیا، اس نے گلالئی کا سوچا بھی نہیں، کیا شہروں میں زندگی گزارنے کے بعد وہ بھول گیا تھا کہ پہاڑی لوگ اپنی زبان سے پھرتے نہیں۔'' وہ کسی خوفزدہ پرندے کی طرح بیٹے کے مضبوط حصار میں کپکپاتے ہوئے سوال کر رہی تھیں، یا اپنے خدشات ختم کر رہی تھیں۔

''وہ حاکم وقت کے ساتھ حکمت عملی سے چل رہا تھا، نیل بر کبیر بنو اس کی چال کا ایک مہرہ ضرور ہو سکتی ہے، مگر بد عہدی کا برا شگون نہیں۔''

''وہ اسے پرکھوں کی حویلی میں لے گیا، اس منحوس کو میرے باپ کی حویلی میں لے گیا، اس لعنتی دجال کبیر بنو کی سپولن اولاد کو۔'' ان کے اندر نفرتوں کا جوار بھاٹا سلگ رہا تھا۔

''مورے آپ تسلی رکھیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس سے زیادہ ماں کو کیا دلاسہ دیتا، جبکہ شاہوں کی اس حویلی میں مورے کے سوتیلے بھائی کو اپنی بیوی کی تیمارداری کرتے دیکھ آیا تھا، سردار بنو کی من چاہی فارزہ بیوی کی قیامت خیز حسن رکھنے والی بیٹی کو اپنی ملکیت میں لے کر اس کافر

کا انتقام لینے کو دل کرے گا؟ وہ کیوں اپنی سونا عمر کو مٹی میں رولے گا؟

جب سامنے نیل بر کبیر ہو تو کسے پہاڑوں میں رہنے والی ان پڑھ گلالئی کا خیال آ سکتا ہے؟ کون سے وعدے؟ اور کہاں کی قسمیں؟ مگر ماں کو نہ امید کرنا اسے گوارا نہیں تھا۔

''اس کا لوٹ کر آنا بے مقصد نہیں ہے مورے۔'' اس نے ماں کے دونوں ہاتھ نرمی سے دبا کر تسلی دی تھی، جانے وہ مطمئن ہوئی تھیں یا نہیں، مگر خاموش ضرور ہو گئی تھیں، جبکہ ہیام دل میں بہت سارے بوجھ لئے مہمان خانے کی طرف آ گیا تھا، جہاں اس کا مہمان اک اور کہانی کھولے اس کا منتظر بیٹھا تھا۔

☆☆☆

ان تینوں کی چہکار نے پل بھر میں صندیر خان کو مبہوت کر دیا تھا۔

کیا چڑیاں اور تتلیاں اتنے رنگ بکھیرتی اور سریلے گیت گنگناتی ہیں؟ اسے اندازہ ہی نہیں تھا، لڑکیاں اس قدر چہکتی اور بولتی بھی ہیں۔

اس کے اپنے گھر میں تین لڑکیاں تھیں، اس نے سوائے نیل بر کو کسی اور کو اتنا بولتے نہیں دیکھا تھا، جس قدر گوے بول رہی تھی، بلکہ آج ہی تو بول رہی تھی اور ان تینوں کے ساتھ؟ اف یوں لگ رہا تھا سٹنگ روم میں بہت ساری کوئلیں کورس میں گانا گا رہی ہیں۔

تینوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے چکر میں اگلے کی بات ہی نہیں سن رہی تھیں، ایسی یگانگت، دوستی کا راتوں رات عملی مظاہرہ حیران کن تھا۔

صندیر خان کافی دیر تک تو دیکھتا ہی رہا اور پھر اچانک سباخانہ کی اس پر نظر پڑ گئی تھی، سباخانہ بجلی کے بٹن کی طرح منہ بند کیا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی حت کا منہ بھی آٹو میٹک بند ہو گیا، وہ دونوں مودب ہو کر بیٹھے سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

اس صورت حال کو گوے نے حیرانگی سے دیکھا تھا، پھر ان دونوں کے چہرے کا ہراس اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا، معاً گوے اپنی جگہ سے اٹھے بغیر ان دونوں کے ہاتھ پکڑ کر بٹھا چکی تھی۔

''تم دونوں کیوں اسٹیچو بن گئی ہو، کمال ہے یار، کیا اپنے ہی بھائی کو پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔'' گوے کا انداز لتاڑنے والا تھا۔

''ارے کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا؟'' گوے کے اگلے الفاظ نے ان دونوں بے چاریوں کو اور بھی حواس باختہ کر دیا تھا، بھلا ایسی گستاخی صندیر لالہ کی شان میں؟ یہ گوے تو آج مروائے گی؟

''واہ کیا خوب۔'' گوے ڈرامائی انداز میں تالی بجاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''اپنے گھروں کے یہ ماحول ہیں؟ بے چاری خواتین کو اتنا خوفزدہ کر رکھا ہے؟'' گوے کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا، ان دونوں لڑکیوں میں اعتماد کا شدید فقدان تھا، یہ جو اونچا بولنے اور اونچا ہنستے ہوئے خوفزدہ ہو جاتی تھیں، کتنے دنوں کی برین واشنگ کے بعد اب کہیں جا کر وہ دونوں ڈری سہمی لڑکیاں کھل کر ہنسنے بولنے لگی تھیں کہ اچانک یہ ڈریکولا واپس آ گیا تھا، گوے کو اپنی محنت اکارت جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

''تم اپنی پروفیسری اپنے پاس ہی رکھو، ہماری لڑکیاں خراب نہیں کرو۔'' صندیر خان چباہ کر

بھی لہجہ روکھا نہیں کر سکا تھا، کوے کو اتنے دنوں بعد نارمل حالت میں دیکھنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا، اگر کوے اس کی کزنز کے ساتھ خوش تھی تو صندیر خان کوے کی خوشی میں خوش تھا۔

''ان کو تو سیدھا کر رہی ہوں، خراب تو تم لوگوں نے کر رکھا ہے، بے چاریوں کی اپنی کوئی مرضی ہی نہیں۔'' کوے نے ناک چڑھا کر جتایا تھا۔

''اچھا اچھا۔'' صندیر خان سیز فائر کے موڈ میں تھا، وہ کوے سے اختلاف کر کے اس کا موڈ خراب کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''تم لوگوں کو کوئی مسئلہ تو نہیں۔'' اب وہ حمت اور سباخانہ سے پوچھ رہا تھا۔

''کوئی ایک مسئلہ ہو تو بتائیں، مسائل کے تو انبار ہیں۔'' جواب کوے کی طرف سے آیا تھا، آج وہ اچھی خاصی شیرنی بنی ہوئی تھی، یا پھر صندیر خان ہی ضرورت سے زیادہ اس کے لئے نرم ہو جاتا تھا۔

''چلو آج کے لئے صرف ایک ہی بتا دو۔'' وہ بات ختم کرنے کے موڈ میں نظر آیا، کیونکہ غریب خان کی کال آرہی تھی، اس نے کال ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یہاں ٹیلی ویژن بھی نہیں، انٹرنیٹ کی سہولت نہیں، کوئی ہوم تھیٹر آڈیو پلیئر تک نہیں، نہ کوئی کتاب، ناول، اخبار، میگزین حد ہے، انسان کرے تو کیا کرے، بندہ کتنا بول سکتا ہے؟ کتنا سو سکتا ہے؟ ایک ہی جگہ پہ قید رہ کر، باہر نکلنے کی اجازت تک نہیں۔'' کوے کو نان اسٹاپ شروع ہوتے دیکھ کر حمت اور سباخانہ کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

''اللہ! یہ لڑکی آج ضرور مروائے گی۔''

''اف۔'' صندیر خان نے بڑے ہی صبر کے ساتھ پوری رام کہانی سن لی تھی۔

''مندرجہ بالا، ساری شکایات دور ہو جائیں گی، البتہ باہر نکلنے کی اجازت نہیں مل سکتی، آنکھوں کو تراوٹ دینی ہو تو ٹیرس پہ چلی جایا کرو، یہاں جنگلی جانور دن دیہاڑے آنکلتے ہیں، اس لئے باہر نکلنے میں رسک ہوگا، البتہ کسی دن آپ لوگوں کو آؤٹنگ کروا دوں گا، اب کوئی اور حکم۔'' وہ موبائل کو دیکھتا ذرا عجلت میں بولا تھا، شاید غریب خان کو کوئی ضروری کام تھا، حمت اور سباخانہ تو اس درجے نرمی پر مرنے کے قریب پہنچ چکی تھیں، انہیں تو یہ ساری کوے کے وجود کی کرامات نظر آرہی تھیں۔

خوبصورت لب و لہجے میں بولتی ہوئی کوے کسی ایلیٹ کلاس کی کانفیڈنٹ لڑکی دکھائی دیتی تھی، ان دونوں کو کوے پہ بڑا ہی رشک آیا تھا۔

اور ادھر صندیر خان کوے میں ہونے والی تبدیلیوں کو حمت اور سباخانہ کی کمپنی کا اثر قرار دے رہا تھا، جو بھی تھا، یہ تبدیلی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

وہ خوشگوار تاثرات کے ساتھ مطمئن ہو کر باہر نکلا تھا، اب کوے کو اپنے مزاج اور خواہش کے مطابق ڈھالنا مشکل نہیں تھا، اب کوے کو اپنے ٹریک پہ چلانا ناممکن نہیں تھا۔

امام سے بدلہ لینا ایک طرف، جو جہاندار اور نیل بر کو ملانے کے لئے اس نے سہولت کار کا رول پلے کیا تھا اس کا انتقام بھی پورا ہو جاتا اور دوسری طرف وہ اپنی محبت کو بھی حاصل کر لیتا، وہ

کوے یہ خود کو مسلط کر کے حقیقی خوشی نہیں پا سکتا تھا اور اگر حقیقی خوشی نہ ملتی تو محبت کا حصول ہی بیکار تھا۔

اسے لگ رہا تھا، اب منزل دور نہیں ہے، جلد ہی وہ کوے سے نکاح کی بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، کیونکہ اس کے ذرائع کے مطابق امام، اب فارم میں آ چکا تھا اور اگر اسے آدھا فیصد بھی شک ہوا کہ جلی ہوئی لاش اس کی بہن کوے کی نہیں تو وہ کوے کو پاتال سے نکالنے کے لئے ہر حد سے گزر جائے گا، صندیر خان کو جلد از جلد یہ نیا بھی پار لگانی تھی، یوں لگ رہا تھا کچھ بھی ناممکن نہیں رہا، البتہ مشکلات تو بہت ساری تھیں مگر صندیر خان ان مشکلات سے گھبرانے والا نہیں تھا، وہ فارم ہاؤس سے باہر نکلا اور غریب خان کو کال ملا دی۔

''کوئی نئی خبر؟'' وہ بہت سکون سے پوچھ رہا تھا، دوسری طرف غریب خان نے جوش سے بتایا۔

''خاناں، بڑی خبر ہے، شاہوار خان کا نکاح ہو گیا اور وہ دلہن کے ساتھ اپنے فارم ہاؤس میں جا چکے ہیں۔''

''ارے واہ، امیزنگ۔'' صندیر خان نے بے ساختہ کہا۔

''یہ شاہوار تو ہم سے بہت تیز نکلا، خانم کی بیٹی اڑا لی، شادی رچالی۔'' اس نے سیٹی بجائی اور مسکراتا رہا۔

''اور خانم نے کیسے اپنی بیٹی دشمنوں میں بیاہ دی؟ بہت خوب، شطرنج کی بساط وہاں پر بھی بچھائی گئی تھی، اسے کہتے ہیں ذہانت کی چال، جو خانم تو چل نہ سکیں، ان کی بیٹی نے بہت ذہانت سے چلی اور ساری بساط کو پانسہ الٹ کر بدل دیا۔''

''شاہوار ہوا اپنے دل کی سلطنت سمیت خانم کی بیٹی کا ہوا، خانم کی بیٹی ہو محل کی پہلی بہو، واہ واہ، قدرت کے کھیل بہت عجیب ہیں، اب بی جاناں اور بابا خان کیا کریں گے بے چارے؟''

''ہو محل کے دروازے تو میں کھول رہا ہوں، شاہوار خان کو اس کی بیوی سمیت ہو محل لا رہا ہوں، اب شطرنج کی وہ بساط جو سالوں پہلے بی جاناں نے بچھائی تھی الٹ چکی ہے، وقت تبدیل ہو چکا ہے۔''

''اور مجھے وقت کی ضرورت کو سمجھنا ہے، گھریلو سیاست کا شکار ہو کر خود کو کمزور نہیں کر سکتا، شاہوار اور میں، جہاندار کے سامنے فولادی دیواریں ہیں اکیلے ہوئے تو دیواریں توڑ دی جاتی ہیں اور دیواریں پھلانگ بھی لی جاتی ہیں۔''

''نیل بر کو واپس لانے سے پہلے شاہوار کی واپسی ضروری ہے۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچتے ہوئے جیپ کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، اب اسے شاہوار خان کے فارم ہاؤس جانا تھا، گو کہ یہ مرحلہ بہت مشکل تھا مگر صندیر خان مشکلات سے گھبرانے والا ہرگز نہیں تھا۔

☆☆☆

اور اس نے وصل کی اتنی حسین رات دیکھی اور مبہوت رہ گئی۔

کیا کوئی کسی کو اس حد تک چاہ سکتا ہے؟ کیا کوئی کسی کو اس انتہا تک معتبر کر سکتا ہے؟ وہ

ڈرائیو وے سے لے کر اندرونی کمروں تک گلابوں کی نم پتیوں پہ چلتی ہوئی مبہوت انداز میں چل رہی تھی، وہ جیسے کسی قیمت اور نازک سے خواب کے اثر میں تھی اور اس خوف سے آنکھ نہیں جھپک رہی تھی کہ شیشے کا اتنا حسین خواب ٹوٹ نہ جائے اور پیچھے مورے کو کس انتہا کے خدشات لاحق تھے، کہ کہیں ان کی بیٹی کا نصیبہ بھی ان کے نصیب جیسا نہ ہو، کہیں بنو محل والوں کے ہاتھوں عشیہ بھی مات نہ کھائے، کہیں سارے زمانے کی رسوائی اور جگ ہنسائی عشیہ کے مقدر کا حصہ نہ بن جائے اور وہ کیسے اپنی ماں کے سارے خدشات چٹکیوں میں اڑا دے؟ اور ماؤں کو تو بیٹیوں کے معاملے میں بہت سارے خدشات ہوتے ہی ہیں۔

مگر یہاں آ کر اگر ایک دفعہ مورے دیکھ لیتیں تو اپنی بیٹی کے نصیب پہ رشک آ جاتا، وہ جو اس کے برابر چل رہا تھا، وہ سارے زمانے سے اسے کے لئے ٹکر لے کر آیا تھا، وہ اسے بیچ منجدھار میں کبھی بھی نہ چھوڑتا اور آج وصل کی یہ شب عشیہ کی خوش نصیبی بن کر اتری تھی، اس نے حجلہ عروسی میں شاہوار کو دیکھا تھا اس کے چہرے پہ فرشتوں کا سا نور اتر رہا تھا، کیا ظالموں اور جابروں کے چہرے ایسے ہوتے ہیں؟ اس کے دل نے پوری شدت سے انکار کیا تھا۔

اور آج عشیہ پورے دل کے ساتھ اپنے محرم کو اپنے دل کی سلطنت پوری آمادگی کے ساتھ سونپ رہی تھی، وہ جو پورے ماحول پہ چھایا ہوا تھا، جسے خدا نے اس کی خوش نصیبی بنا دیا تھا اور جانے وہ کیا کہہ رہا تھا، عشیہ کو سارے خوش کن تصور جھٹک کر سننا ہی پڑا۔

یادوں کو محبت کے گلابوں میں پرو کر
ہم کتنی نفاست سے تمہیں سوچ رہے ہیں

''ایکچوئلی موقع کی مناسبت سے کوئی اچھی سی غزل یاد نہیں آ رہی، یہ شعر و شاعری دراصل میرے بس کی بات ہی نہیں، مگر دل چاہ رہا ہے تمہارے اس روایتی روپ پر کوئی چھوٹا موٹا نذرانہ پیش کروں۔'' وہ اس کے عین مقابل بیٹھ کر امرت شیریں اس کی سماعتوں میں انڈیل رہا تھا۔

''ویسے عشیہ! تم کنفیوز سی کچھ عجیب لگ رہی ہو، یار ریلیکس رہو، میں وہی شاہوار ہوں، جسے دو سو باتیں سنا کر بنا چائے پلائے بھگا دیتی تھیں تم۔'' وہ اس کا نرم ہاتھ دباتا بڑی اپنائیت سے کہہ رہا تھا اور ادھر عشیہ کی ساری شرم اچانک ہی ہوا ہو گئی، غلط بات تو برداشت سے ہی باہر تھی، اوپر سے الزام؟

''کس دن چائے پیئے بنا گئے ہو تم، اللہ اللہ، ایسے جھوٹ تو نہ بولو۔''

''یاد کرو جس دن کہا تھا، چینی پتی اٹھا کر لے جاؤ اور گھر جا کے چائے بنا کر پیو۔'' شاہوار نے اسے کوئی پرانی بات یاد کروائی تھی۔

''وہ تو شروع کی بات تھی۔'' وہ تھوڑا شرمندہ ہوئی تھی۔

''نہ تب میں نے تم کو اتنا پھنسایا ہوا نہیں تھا۔'' اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارت تھی، عشیہ بھی جھینپ گئی تھی۔

''کہو، میری زندگی میں آ کر کیسا لگ رہا ہے؟'' وہ اس کی خوشنما آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر شانت ہو رہا تھا۔

''ابھی تو شروعات ہے۔'' عشیہ نے پلکیں جھکا کر جواب دیا تھا، اس کی وارفتہ نگاہوں کی تاب لانے کا حوصلہ نہیں تھا۔

''اور شروعات ایسی عاشقانہ نہ ہو تو انجام بھی ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔'' اس نے عشیہ کے ماتھے پر بہار دکھاتی ماتھا پٹی کو چھوا تھا، اس کا چاندی سا روپ شاہوار کے خمار کو اور ہوا دے رہا تھا۔

''تمہیں یقین آ گیا ہے نا، شاہوار خان جو کہتا ہے کر دکھاتا ہے خانم کو کیسے منایا؟ تمہیں لگتا تھا، سردار بنو کے بھتیجے سے اپنی بیٹی کا نکاح کریں گی؟''

''ہاں، تم نے میری ماں کو شیشے میں اتار لیا۔'' عشیہ کی ہلکی سی ہنسی کی جلترنگ نے کمرے کا فسوں بڑھا دیا تھا۔

''مگر تمہاری خدمات بھی گراں قدر ہیں۔'' شاہوار نے آدھا کریڈٹ اس کے حصے میں ڈال دیا تھا، یہاں پر عشیہ کی ایک بیٹ ضرور مس ہوئی تھی، دل ہلکا سا رک کر چلا تھا۔

''اور اگر شاہوار کو خبر ہوئی، میں نے اس کی سمت ہاتھ کس نیت سے بڑھایا تھا؟ ہمام کو اس کا حق دلوانے کے لئے اور بنو محل میں پورے حقوق کے ساتھ حکمرانی کرنے کے لئے اور اگر شاہوار جان جائے تو.....؟'' عشیہ کا کانپتا دل ٹھہر سا گیا تھا۔

''ہاں یہ تب کی بات تھی، مگر اب نہیں۔'' اس نے دل کو تسلی دی تھی، اس دل میں صرف شاہوار کا ہی خیال تھا، اسی کا تصور تھا، اسی کی چاہت تھی، اس دل میں کسی اجنبی آرکیالوجسٹ کا شائبہ تک نہیں تھا، عشیہ کا دل اور ضمیر مطمئن تھے۔

''میں نے تمہیں پا کر زمانہ پا لیا ہے۔'' شاہوار اس کے کانوں میں امرت انڈیلتا جا رہا تھا۔

''تم میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو۔'' اس نے عشیہ کی صبیح روشن پیشانی کو اپنے ہونٹوں کا جاندار لمس بخشا تھا، عشیہ کا سارا خون گالوں میں سمٹ آیا۔

''اور میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی؟'' اس نے جان عزیز شوہر کو خود سپردگی کا احساس بخشتے ہوئے بہت ناز سے کہا تھا، جیسے اسے یقین تھا، اس کا شوہر اس کی کوئی خواہش رد نہیں کرے گا۔

''تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ضرور پوری ہو گی۔'' شاہوار نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار تنگ کرتے ہوئے یقین دلایا تھا، اسے کچھ دور پتھروں پر کسی جیپ کے دوڑنے کی آواز آئی تھی۔

''کب؟'' عشیہ نے اسی ناز سے لجا کر پوچھا۔

''ابھی اور اسی وقت۔'' اس نے عشیہ کی خوشنما آنکھوں میں جھانک کر پورے یقین کے ساتھ کہا تھا، یوں کہ عشیہ پورے وجود کے ساتھ کانپ گئی تھی، ٹھٹک گئی تھی، چونک گئی تھی، جیسے شاہوار بھی چونک گیا تھا۔

فارم ہاؤس کے پھاٹک کا دروازہ کھلا اور کوئی جیپ ڈرائیو وے پر خاموشی سے آئی اور کھڑی ہو گئی تھی، شاہوار نے اس فسوں خیز ماحول میں گہرا سانس خارج کیا اور نرمی سے عشیہ کو خود سے علیحدہ کیا تھا۔

"ابھی اور اسی وقت کیسے؟" عشیہ نے بہت ہی عجلت اور بے قراری سے پوچھا تھا، کیونکہ شاہوار کے تاثرات بدل چکے تھے، اب وہاں سنجیدگی کی چھاپ تھی اور شاید وہ تیزی کے ساتھ کچھ سوچ بھی رہا تھا۔

"ایسے۔" اس نے باہر سے آتی قدموں کی چاپ کو سنتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔

"صندیر خان ہمیں لینے کے لئے آیا ہے، بلکہ مجھے نہیں تمہیں۔"

"کیا؟" عشیہ تعجب کے عالم میں اپنی جگہ پر منجمد ہوگئی تھی، کیا یہ ممکن تھا؟ بعض خواہشیں اتنی جلدی پوری ہو جاتی ہیں؟ اس کی دیرینہ خواہش، اس کا خواب، اس کا جنون۔

بنومحل کی غلام گردشیں اور اونچی بالکونیاں اسے بلا رہی تھیں، بنومحل کی راہداریاں عشیہ کبیر بنو کے لئے اپنی باہیں وا کیے کھڑی تھیں۔

وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات میں گم شاہوار کے چہرے کی غیر معمولی خاموشی کو بھی نہیں سکی تھی تو شاہوار خان نے اپنا وعدہ پورا کر دیا؟

اس کا دل چاہا، وہ پربتوں کی وادیوں میں اندھا دھند بھاگتے ہوئے چلا چلا کر اعلان کرے۔

"دیکھو اے وادیو! دیکھو اے پہاڑو! میں وہاں جا رہی ہوں جہاں سے ہمیں دھکے دے کر ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا تھا، میری ماں کے سر سے چادر کھینچ لی گئی تھی اور طلاق کا طوق گلے میں لٹکا دیا گیا تھا، ہمیں بے وارث کر دیا گیا تھا، بے گھر کر دیا گیا تھا، آج اسی حویلی میں پوری شان سے جا رہی ہوں یہ ہے قدرت کا انصاف، سردار بنو اور خانزادی حشمت جہاں، اب کیا نکال سکو گے مجھے؟ اتنا دم ہے تو نکال کر دکھاؤ۔" عشیہ اپنے رب کی اس رحمت پہ سجدہ ریز ہوتی شکرانہ پڑھنے اٹھ رہی تھی، دوسری طرف باہر کی فضا سازگار نہیں لگتی تھی۔

دونوں خانزادے جو حقیقی بھائی بھی تھے، ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے تھے، دونوں کے مزاج گرم لگتے تھے، دونوں ہی اپنی اپنی طرف سے ضبط کا خوب مظاہرہ کر رہے تھے۔

"میں تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔" ساری انا کو بالائے طاق رکھ کر صندیر خان نے اپنی آمد کی وجہ بتا دی تھی، نہ بھی بتاتا تب بھی شاہوار کو پتا تھا، وہ اسی مقصد کے لئے ہی آیا تھا اور صندیر خان بغیر حکمت عملی یا منصوبہ سازی کے ایک قدم بھی نہیں چلتا تھا۔

وہ اسے لینے آیا تھا، یہ نہیں تھا کہ برادرانہ محبت ٹھاٹھیں مار رہی تھی، یہ بھی نہیں تھا کہ اسے اپنے سفاک فیصلے کا ادراک ہو گیا تھا اور اب وہ مداوا کرنا چاہتا تھا۔

وہ کسی قیمت پہ بھی اپنے فیصلے کو پس پشت ڈال کر آنے والا نہیں تھا، اس کے پیچھے کوئی ٹھوس محرک کوئی بڑی وجوہات تھیں، سو شاہوار خان اتنا نا سمجھ نہیں تھا کہ بغیر وجہ جانے اٹھ کر چل پڑتا، کم از کم وجہ جانے بنا تو وہ جانے والا نہیں تھا۔

"میں جانے کو تیار ہوں۔" شاہوار نے ترنت جواب دیا تھا۔

"مگر......" شاہوار کے مگر نے صندیر کو قدرے بے چین کیا تھا، وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"اس کایا پلٹ کا محرک جاننا چاہتا ہوں۔"

"جلد ہی خیر ہو جائے گی، ابھی عجلت کا مظاہرہ نہ کرو، آج تو تمہاری شادی ہوئی ہے، مجھ سے ولیمے کی دعوت کا پوچھ لو، کل ایک بڑا اہتمام اور بڑا جشن منانے والا ہوں۔" صندیر خان صریحاً اسے ٹالنا چاہ رہا تھا، شاہوار کے ماتھے پہ بل آ گیا۔

"بچہ نہیں ہوں میں۔"

"بچے تو نہیں ہو، نہ میں سمجھ رہا ہوں، بچے اتنے بڑے کام اکیلے نہیں کر لیتے۔" وہ بھی جواباً جتانے سے باز نہیں آیا تھا۔

"تو پھر بتا دو میں اندر عشیہ کو تیاری کا بولتا ہوں۔" شاہوار نے ناگواری سے کہا تھا۔

وہ صندیر خان کے سرپرائزنگ انداز سے ایسے ہی خار کھاتا تھا، ویسے بھی اسے پہیلیوں میں بات کرنے کا خاندانی گریز تھا۔

"ضرور...... ضرور...... اور عشیہ کو یہ بھی بتانا، اس کی خانم ماں کا سوتیلا بھائی جو رشتے میں اس کا ماما لگتا ہے، اس کے نئے نویلے چہیتے شوہر کا سر اڑانے آ چکا ہے۔" صندیر خان کے اگلے الفاظ نے شاہوار خان کو سر تا پا منجمد کر دیا تھا، وہ ہکا بکا سا اس بڑے سرپرائز پہ صندیر کا منہ دیکھنے لگا، جیسے اسے سننے میں مغالطہ ہوا ہو۔

"تم نے کیا بولا ہے؟"

"جہاندار...... وہی جہاندار، فرخزاد کا بھائی آ گیا ہے، آیا تو وہ کب کا تھا، ظہور اپنا اب کیا ہے۔" صندیر خان نے زہر خند لہجے میں بتایا تھا۔

"مگر اس کا تو نیل بر سے نکاح ہوا تھا نا؟" وہ مارے حیرت کے کچھ اور بول ہی نہ سکا۔

"ہوں۔" وہ ہنکارا ابھرتا ساری کڑواہٹ کو اندر اتار چکا تھا۔

"اور پھر یہ سب کیا ہے؟" شاہوار کا دماغ چکرانے لگا تھا۔

"بتاتا ہوں، مگر تم ریلیکس رہو اور فی الوقت چلنے کی تیاری کرو۔" صندیر خان نے عجلت میں کہا تھا۔

"مگر یہ معاملہ تو بہت الجھ گیا ہے۔" شاہوار صحیح معنوں میں متفکر ہو گیا تھا۔

"مجھے الجھنوں کو سلجھانا آتا ہے۔" صندیر خان مطمئن تھا۔

"مگر خود سوچو، وہ دیت پہ راضی نہ ہوا تو بدلہ ضرور لے گا۔" شاہوار نے وہی بات دہرائی تھی جسے وہ ایک ہزار مرتبہ پہلے بھی سوچ چکا تھا۔

"دیکھ لیں گے کیا ہوتا ہے، پہلے تم تو چلو۔" وہ زچ ہونے لگا۔

"اور خان بابا، بی جاناں؟" اس کی آنکھوں میں استفسار تھا وہ شاید عشیہ کے حوالے سے پوچھ رہا تھا۔

"ان کو بھی دیکھ لوں گا۔" وہ ہمیشہ کی طرح اکیلے فیصلے کرتا آیا تھا، اس نے اب بھی اکیلے ہی فیصلہ کر لیا تھا، شاہوار چند پل سوچتا رہا اور پھر عشیہ کو لینے چلا گیا، کچھ دیر بعد یہ مختصر قافلہ بنومحل کی طرف رواں دواں تھا، آج وقت نے پانسہ پلٹ دیا تھا، کل فیصلوں کے اختیار کسی اور کے پاس تھے، آج فیصلوں کے اختیار کسی اور کے ہاتھ میں تھے۔

☆☆☆

وہ گلگت جانے کے لئے تیار تھا۔

ہیام اسے پل تک چھوڑنے کے لئے آیا تھا، آگے امام کی سرکاری جیپ کھڑی تھی۔

"مورے کو تمہاری بہت فکر ہو رہی تھی، دھیان سے جانا۔" ہیام نے اسے مورے کا پیغام دیا تھا، امام اس کی والدہ کے اپنائیت بھرے انداز پہ مسکرا دیا۔

"میں ان وادیوں میں سفر کرنے کا عادی ہوں۔"

"مگر ان کو کون سمجھائے، انہیں لگتا ہے، شہری بابو یہاں کے خطرناک راستوں پہ گاڑی چلانے کا عادی نہیں ہے۔" ہیام نے بے بسی کا واضح اظہار کیا تھا کہ وہ اپنی والدہ کو اس معاملے میں مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔

"ویسے آج رک جاتے تو اچھا تھا، سہ پہر کے وقت میری دوسری بہن کا بھی نکاح ہے۔"

"رکنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، مجھے ذرا دفتر اور علاقہ دیکھنے کے بعد واپس بھی جانا ہے، ایکچوئیلی گھر والوں کو اپنی ٹرانسفر کا نہیں بتا رکھا، ان کو یہی پتا ہے میں اس دفعہ سندھ کی طرف نکل رہا ہوں۔" امام نے ذرا وضاحت دیتے ہوئے اپنی مجبوری بتائی تھی، جسے ہیام سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا، اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو میرے بہنوئی سے رابطہ کرنا، افراسیاب خان بہت اچھا آدمی ہے، لیکن امن پسند ہے، خدانخواستہ کسی خطرے سے دوچار ہوئے تو ایک اور بھی ایڈریس دیتا ہوں۔" اس نے پتلون کی جیب سے ایک چٹ نکالی تھی۔

"یہ دیکھو، ایک جنگجو انسان کا ایڈریس ہے، کوئی خطرہ محسوس ہوا تو اس سے رابطہ کر لینا، اسے جہاندار شاہ کہتے ہیں، اگر امن میں اکیلا چھوڑے تو جنگ میں بالکل بھی اکیلا نہیں چھوڑے گا۔" ہیام نے اس کا کندھا تھپتھپا کر حوصلہ دیا تھا، امام کو ضرورت تو نہیں تھی پھر بھی اس نے احتیاطاً چٹ سنبھال لی۔

"عام طور پر وہ علاقہ بہت اچھا ہے، سیاسی دباؤ بھی نہیں، تمہیں سرکاری معاملات میں یہاں بیال کی نسبت وہاں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، یہاں سردار کبیر اور اس کے بھتیجے نے اپنا ہراس پھیلا رکھا ہے، دراصل سردار قبضہ مافیا کا کارندہ ہے، سو ان کے ہاتھ بھی لمبے ہیں، ایسے لوگوں سے کنارہ ہی بھلا۔" ہیام ایک اچھے دوست کا پورا حق ادا کر رہا تھا، امام ممنون سا اسے دیکھتا رہا۔

"سردار کے بھتیجے کی طرف میرے بھی کچھ حساب نکلتے ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

کیونکہ صندیر خان کے خیال ساتھ ہی حمت کا خیال بھی جڑا تھا اور حمت کا خیال ایسا تھا جو امام کے اندر تازگی اور امید بھر دیتا تھا، یہ حمت کا خیال ہی تھا، جو آج اسے واپس پربتوں میں لے آیا تھا اور ایک دن امام فریدے کو یقین تھا، وہ پربتوں کی شہزادی کو ظالم دیو کی قید سے آزاد کرا کے بہت دور محبتوں کی وادیوں میں لے جائے گا۔

"تمہیں بھی ٹرانسفر مبارک ہو۔" امام نے جاتے سے ہیام کی پشت پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے مصافحہ کیا۔

"خدا کا شکر ہے، لمبا پردیس کاٹنے کے بعد دیس نصیب ہوا۔"

"اللہ مبارک کرے، فی امان اللہ۔" امام ہاتھ ہلاتا جیپ کی طرف بڑھ گیا تھا، جبکہ ہیام مسکراتا ہوا تا دیر تک جیپ کو اونچے نیچے راستوں پہ دوڑتا ہوا دیکھتا رہا، واپسی پر اسے الجھا الجھا سا روز گل مل گیا تھا۔

ہیام اسے دیکھ کر چونک گیا، کیونکہ روز گل خاصا مضمحل لگ رہا تھا، جیسے رات بھر سے سویا نہیں تھا، اس کی آنکھیں نیند کی کمی کا شکار لگ رہی تھیں، ہیام فطری طور پر متفکر ہو گیا تھا۔

"تم ٹھیک نہیں لگ رہے؟"

"ہاں طبیعت ست ہے۔" روز گل نے الجھے انداز میں ہی جواب دیا تھا۔

"تو آرام کر لیتے، ہوٹل کیوں جا رہے ہو؟" ہیام نے ہمدردی سے کہا تھا۔

"کوئی بندہ اپنے نکاح والے دن بھی کام کرتا ہے۔" ہیام کے چھیڑنے پر روز گل پھیکے انداز میں مسکرایا، لفظ نکاح پہ اک زخمی مسکراہٹ نے جھلک دکھائی تھی۔

"تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" کچھ دیر بعد روز گل نے آہستگی سے کہا تھا، شاید اسے تمہید کے لئے کوئی بات نہیں مل رہی تھی۔

"ہاں بولو۔" ہیام بھی سنجیدہ ہو گیا تھا، کوئی بات تو تھی اور اسے خیر کی بات نہیں لگ رہی تھی۔

"یار! سمجھ نہیں آ رہی، شروعات کیسے کروں؟ مگر کہنا ضروری ہے، شروع میں عروفہ ہمارے رشتے سے بہت خوش تھی، بیچ کا عرصہ بھی وقت اچھا گزرتا رہا، بعد میں کچھ تلخ ہوتی گئی اور اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے تمہیں ایک مرتبہ پھر نکاح سے پہلے اس کی مرضی معلوم کر لینی چاہیے۔" روز گل نے بالآخر اپنی الجھن بتا دی تھی اور ہیام کا تفکر کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

اسے بھی عروفہ کا رویہ اب عجیب لگ رہا تھا، عشیہ کی رخصتی کے بعد تو اور بھی عجیب ہو رہی تھی، یہ نہیں کہ عشیہ رخصت ہو گئی ہے، گھر کی ذمہ داری ہی سنبھال لے، الٹا سب کچھ نشرہ پہ لاد کر خود پہلے ہی مایوں بیٹھ گئی تھی، ابھی تو صرف نکاح تھا، شاید رخصتی نہ ہی کرتے، مگر مورے کا رخصتی پر بھی اصرار تھا اور اب روز گل کے خدشات نے ہیام کو بھی متفکر کر دیا تھا۔

وہ گھر آیا تو سیدھا مورے کے کمرے میں پہنچ گیا، یہاں پہ اور ہی بحث چل رہی تھی، مورے جہاندار اور گلالئی کا کھاتہ کھولے بیٹھی تھیں، نشرہ ہمہ تن گوش سن رہی تھی۔

یہاں کے قصے کتنے مزیدار تھے، وہ بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی تھی، ہیام پہلے ہی تپا ہوا تھا، ایویں ہی نشرہ پہ غصہ الٹ دیا۔

"ہر وقت بہانہ بنا کر چٹ پٹی سننے میں لگی رہتی ہو، بندہ کوئی کام کاج سنبھال لیتا ہے۔" اس بے وقت کی کلاس پہ نشرہ جہاں اچھل کر سیدھی ہوئی تھی وہیں مورے نے ناک پر انگلی دھر کے بیٹے کی اچھی خبر لی۔

"نہ تو بچہ، اتنے دن سے تین وقت پکا پکایا کسی ہوٹل سے لا رہے ہو؟ صفائی ستھرائی تمہارے اونچے محلوں کے باوا اپنے نوکر بھجوا کر کرواتے ہیں، کپڑے دھوبی دھو کر استری کر کے دے جاتا ہے، حد کرتے ہو بچہ۔" مورے نے ایسے لتے لئے کہ بے چارہ ہیام اور بھی بے چارہ لگنے لگا تھا۔

سر جھکا کر ہنستی نشرہ کو مجازی خدا پہ ترس آگیا تھا۔
"ناشتہ لا رہی ہوں، تشریف رکھیے، آپ کے خاندانی حلوائی حلوہ پوری چنے اور دو چار قسم کی چٹنیاں بنا کر دے گئے ہیں، عالی جاہ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔" جواباً وہ بھی حساب پورا کرتی آہستگی سے کھسک گئی تھی جبکہ ہیام منہ کھول کر دیکھتا رہ گیا تھا۔
"کتنی تیز ہوگئی ہے مورے۔"
"مگر تم سے کم، کتنا بے چاری بچی کو ستاتے ہو، ایک وہ مہمان، دوسرا پردیس میں پڑی ہے، تیسرا اس گھر کو اپنوں سے بڑھ کر سنبھالا ہوا ہے، اوپر سے باتیں بھی سنائے جاتے ہو۔" مورے نے خفگی سے کہا تھا۔
"ہاں تو اپنے گھر میں لوگ مہمان تھوڑی ہوتے ہیں۔" ہیام نے بالآخر بلند اسے بھی سنایا تھا، ادھر نشرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔
"اپنا گھر۔" یہ احساس ہی راحت جاں تھا، اس کے اردگرد پھول ہی پھول کھل اٹھے تھے، سکون قلب نے ہر برے احساس کو مٹا ڈالا تھا، اسے یقین تھا ایک دن یہ گھر اور اس گھر کے مکین اس کا وجود تسلیم کر لینے والے تھے، کیونکہ اس کا یقین کامل تھا۔
"مورے! یہ عروفہ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔" کچھ دیر بعد ہیام موقع پا کر پوچھ رہا تھا، گو کہ وہ بہت ہی سنجیدہ تھا، مگر اسے مورے کا انداز قطعاً بھی سنجیدہ نہیں لگا تھا۔
"ایک مسئلہ ہو تو بتاؤں، ایک سو ایک مسائل ہیں۔"
"مورے! میں سنجیدہ ہوں۔"
"میں بھی لطیفہ نہیں سنا رہی بچے، کوئی ایک مسئلہ نہیں، مسئلوں کی پٹاری ہے، ہر بات میں بلاوجہ ضد اور عشیہ کا مقابلہ، اب عشیہ کی قسمت اس کے ساتھ، کوئی ایک دوسرے کا نصیب کیسے لے سکتا ہے، روز گل میں بھی کمی نہیں، اپنا کاروبار ہے، کماتا ہے، اسے خوش رکھے گا، یہاں پہاڑوں میں ایسے رشتے چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتے، مگر اس لڑکی کا دماغ ساتویں آسمان پر ہے، اگر سرداروں میں ہی بیاہ کرنا ہے، تو کبیر بڑو کا ایک اور بھتیجا بھی ہے، کر لے وہاں، کل کو مجھے کوئی الزام نہ دے، ماں نے زیادتی کر دی۔" مورے نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بات ہی مکا دی تھی، ہیام ہکا بکا دیکھتا رہ گیا تھا۔
"روز گل مہارانی کی ناک تلے نہیں آتا، زور زبردستی تو نہیں، جب رشتہ دیا تھا، اس سے پوچھ کر دیا تھا، تب روز گل میں کیڑے نہیں تھے۔" وہ تلخی سے بول رہی تھیں۔
"ناپسندیدگی کی کوئی وجہ؟" ہیام نے مارے تفکر کے پوچھا۔
"ارے کوئی وجہ نہیں، شاہوار سے موازنہ کرے گی تو سو وجوہات نکال لے گی، اب ہر کوئی شاہوار تو نہیں بن سکتا، احمق ترین لڑکی ہے، تم فکر نہ کرو، خیر سے نکاح ہو اور ہم آزاد، پھر تمہارا بھی کچھ سوچوں گی۔" انہوں نے پیار سے اس کا متفکر چہرہ ہاتھوں میں لیا۔
"مورے! ایک دفعہ پھر پوچھ لیں، کہیں زیادتی نہ ہو جائے، پھر بھی مجھے چاروں بہنیں برابر ہیں۔" اس نے برادرانہ جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ماں کا ہاتھ چوم لیا تھا۔

"میرا بچہ! اللہ تم کو ضرور سرخرو کرے گا۔" انہوں نے بیٹے کی پشت کو سہلایا تھا، معاً نشرہ ناشتے کی ٹرے اٹھا کر لے آئی تھی، کمرے میں لاہوری ناشتے کی اشتہا پھیل گئی۔
"آں ہاں، آج تو لاہوری ناشتا بنا دیا ہے۔" وہ ٹرے کو دلچسپی سے دیکھتا رہا۔
"میرا خاندانی حلوائی خاصا نکما اور پھوہڑ ہے، حلوے کی سوجی زیادہ لال کر دی، پوریاں اکڑا دی ہیں اور چنے لوہے کے چنے معلوم ہوتے ہیں۔" وہ جان بوجھ کر نشرہ کو چڑاتا ٹرے کی طرف لپکا ہی تھا جب نشرہ سرعت سے ٹرے سمیت پیچھے ہوگئی تھی۔
"تو چاہیے حضور کسی نکھٹو حلوائی سے رابطہ کیجئے، یہ طعام آپ کے کھانے کے لائق نہیں ہے۔" وہ منہ بنا کر تڑخ رہی تھی، ساری محنت کو جناب عالی نے منٹوں میں اکارت کر ڈالا تھا۔
"دیکھیں مورے، یہ مہمان بلائے جان بن رہے ہیں۔" ہیام روہانسا ہوا، مورے کو بھی ہمدردی بٹورنے کے لئے گھسیٹا۔
"تو بچہ، شرافت سے تسلیم کرو، حلوائی بہت مہارت رکھتے ہیں اور تعریف پوری وصول کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔" اس نے مورے کا ووٹ بدلتے دیکھا اور دھک سے رہ گیا، اللہ اللہ یہ کیا ماجرا تھا؟ یعنی کہ حد ہی ہوگئی، ہیام اپنا سا منہ لے کر رہ گیا تھا، نشرہ کو ترس ہی آگیا، فوراً ٹرے سامنے رکھی اور آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی تھی۔
"حضور کیا سمجھے تھے۔" اس کا انداز شرارتی تھا، ہیام مصنوعی کراہ کر ٹرے پر جھک گیا، مورے اپنی تسبیح پڑھنے میں مصروف ہوگئی تھیں اور نشرہ عشیہ کا فون سننے کے لئے بھاگی تھی۔

☆☆☆

دونوں کے بیچ اچانک ہی خلیج آگئی تھی۔
وہ جو از خود فاصلے سمٹ گئے تھے، دوریاں ختم ہوگئی تھیں، ایک دم ہی تعلقات میں سرد مہری آگئی اور اب کہ تعلقات میں ترشی کا سبب نیل بر کا رویہ تھا۔
گو کہ وجہ گالی نہیں تھی، بلکہ ان دونوں کی آخری بحث وجوہات خرابی کا شاخسانہ تھی، جہاندار نے کافی مرتبہ گزشتہ بحث کے اثرات زائل کرنے کی کوشش کی تھی اور جب اسے اپنے اور جہاندار کے رشتے کی حقیقت معلوم ہوئی تو وہ اندر تک سے متنفر ہو چکی تھی۔
یہ بھی نہیں سوچا کہ اس کے اپنے تو اسے سولی چڑھا رہے تھے اندھی روایات کی بھینٹ چڑھانے والی تھی، یہ جہاندار تھا، جس نے اسے بچا لیا، گھر دیا، سائبان دیا، ہر ضرورت پوری کی، مگر چونکہ اس کے خون میں خود غرضی شامل تھی، سو وہ اپنا قصور کم ہی مانتی تھی۔
صبح بھی جہاندار باہر نکلنے سے پہلے دو مرتبہ بہانے بہانے سے اسے بولنے پہ اکسا تا رہا تھا مگر جواب ندارد۔
"انسان کو حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔"
"اب حقیقت کا سامنا ہی کرنا چاہتی ہوں۔" وہ تڑخ کر بولی تھی، جہاندار نے گہرا سانس لیا۔
"چلو شکر ہے خاموشی تو ٹوٹی۔"

وہ رات سے نیل بر کے عجیب و غریب رویے پر پریشان تھا، جو بھی تھا، ایک دوسرے کی عادت ہو گئی تھی، نیل بر کی آواز سننا ایک معمول بن گیا تھا، اس کی خاموشی نے جہاندار کو بے قرار کر دیا تھا، اسے اپنے الفاظ پہ بھی پشیمانی تھی، بندے کو اتنا بھی منہ پھٹ نہیں ہونا چاہیے، وہ خود کو بہت دفعے کوس بھی چکا تھا، اب نیل بر نے اس بات کو یا تو دل پہ لے لیا تھا یا انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔

اگر جہاندار کو پہلے معلوم ہوتا یہی بات آگے جا کر حالات بگاڑ دے گی، یا ان دونوں کے بیچ رنجشیں اتنی شدت اختیار کر جائیں گی تو جہاندار اس بات کو اتنا معمولی ہرگز نہ لیتا۔

کوئی بھی سدباب کر لیتا، کوئی بھی بند باندھ لیتا، کیونکہ اسے خبر ہی نہیں تھی، نیل بر اس کی زندگی میں جس قدر اچانک آئی تھی، اتنی ہی اچانک ایک خاص مقام اور جگہ پہ بھی پہنچ گئی تھی، شاید اس احساس کا ادراک بروقت ہو جاتا تو آنے والا وقت کم از کم جہاندار کے لئے پچھتاوے کا باعث نہ بنتا۔

''انسان کو حقیقت پسند ہی ہونا چاہیے۔'' جہاندار نے لقمہ دیا۔

''انشاء اللہ جھوٹے خیالوں سے نکل آئی ہوں، اب بہکاوے میں نہیں آؤں گی۔'' یہ ایک خاص قسم کی وارننگ تھی، جس کا مطلب تھا۔

''اب تم بھی اپنی حد میں رہو گے جہاندار شاہ، یہ ضرورت کا رشتہ بھی ختم ہی سمجھو۔'' جہاندار گہرا سانس بھرتا بالوں میں انگلیاں چلاتا رہا اور نیل بر وارننگ دیتے ہوئے اچانک واش روم کی طرف بھاگی تھی، جہاندار بھی فطرتاً متفکر ہوا۔

''خیریت تو تھی؟'' وہ دو قدم چل کر واش روم کی طرف آیا تھا، دروازے کی جھری سے نیل بر ابکائیاں لیتی نظر آ رہی تھی، جہاندار اور بھی متفکر ہوا۔

''تم ٹھیک تو ہو۔'' وہ تولیے سے منہ پونچھتی باہر نکلی تو جہاندار نے ترنت پوچھا۔

''ٹھیک نظر آ رہی ہوں؟'' جواباً وہ تڑخ کر بولی تھی، جہاندار گہرا سانس بھرتا رہ گیا۔

''لگتا ہے، فوڈ پوائزن ہو گیا۔'' اس نے خود ہی مرض کی تشخیص کر لی تھی، جہاندار نے کوئی تبصرہ نہیں کیا، البتہ آفر ضرور کی تھی۔

''کہو، تو ڈاکٹر پاس چلتے ہیں، زیادہ طبیعت نہ بگڑ جائے۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں، بگڑ جائے طبیعت، یہاں زندہ رہنا کون چاہتا ہے؟'' وہ غصے کی انتہا پہ تھی، جہاندار کو چپ ہی بھلی معلوم ہوئی۔

''مایوسی کی باتیں نہیں کرتے۔''

''تم مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے؟'' نیل بر نے تنگ کر پوچھا تھا۔

''چھوڑ سکتا ہوں، اگر تم چیک اپ کروانے کی حامی بھر لو تو۔'' جہاندار نے سابقہ نرمی کا مظاہرہ کیا تھا، شاید کسی بھی طریقے گزشتہ رویئے کی تلافی ہو جاتی، جو بھی تھا اسے اپنے روڈ انداز اور سخت الفاظ پر بعد میں بھی ندامت ہوتی رہی تھی، نیل بر اتنا سخت رویہ ڈیزرو نہیں کرتی تھی، اسے احساس تھا، اسے دل سے احساس تھا۔

''نیل بر! ضد نہیں کرو اور میرے ساتھ چلو۔''

مگر نیل بر صاحبہ ٹس سے مس نہ ہوئیں، یوں رات سے اگلا دن اور اگلے دن سے دوپہر ہو گئی تھی، اس کی حالت ویسی ہی رہی، اب کہ جہاندار زبردستی اسے اٹھا لایا تھا، وہ راستہ بھر بلاوجہ ہی چیختی رہی تھی۔

''نہیں مرتی اور نہ اتنی سی خرابی طبیعت سے میرا کچھ بگڑتا ہے۔''

''کہیں مر مرا گئی تو میرے ذمے نہ لگ جاؤ، صندیر خان تو مجھ پہ قتل کا مقدمہ کروائے گا، وہ تو پہلے ہی گھات لگا کر بیٹھا ہے۔'' جہاندار نے ازراہ مذاق کیا تھا، نیل بر کی تپ اور چڑھ گئی تھی۔

''گواہی دے کر مروں گی، میرا خون تمہارے ذمے نہیں۔'' وہ تڑخ کر بولی تھی۔

''اب خوش؟''

''نا۔'' وہ اس کا لال انگارہ چہرہ دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''خوش تو میں تب رہوں گا جب تم مجھے خوشخبری دو گی جس کی علامات پر میں کشاں کشاں جا رہا ہوں۔'' اس کا انداز بھرپور معنی خیز قسم کا تھا، نیل بر پہلے تو ہونق ہوئی تھی، پھر اس کی بات سمجھ کر شدید غصہ کھا گئی۔

''ہونہہ، میں اور تمہارا بچہ پیدا کروں گی، بھول ہے تمہاری، جیسے تم بے فیض ویسی تمہاری اولاد بے فیض۔''

''یہ تو زبردستی کا ڈھول اب بجانا پڑے گا۔'' جہاندار برابر مسکرا رہا تھا، اس کے روشن چہرے پہ انوکھی سی خوشی تھی اور بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ نیل بر کے پاس ایسی بصارت نہیں تھی، ورنہ اس پل اسے اپنے وجود پہ ناز ہوتا، جہاندار کی آنکھوں میں اس کے لئے محبت ہی محبت تھی اور شاید محبت سے کچھ اور بھی آگے تھے، کوئی ایک احساس جو نیل بر کے وجود سے جڑا تھا۔

وہ اس کی نسل کی امین بننے جا رہی تھی، نیل بر سمجھتی یا نہ سمجھتی، وہ اس کے لئے دنیا کی ہر عورت سے زیادہ انمول ہونے جا رہی تھی، وہ اسے کیسے بتاتا، اس کی جلتی زندگی میں پہلا خوشگوار جھونکا اسی خوشخبری کے توسط سے آنے والا تھا۔

آنے والا یہ بچہ اس کی زندگی کا پہلا حسین تحفہ تھا، شاید نیل بر اس کے دل میں اتر کر دیکھ سکتی، وہاں آج کی رات جشن بہاراں تھا، اس کے دل کا ہر طاقچہ سنہرے چراغوں کی لو سے منور تھا اور جب گلگت کی مشہور گائنا کالوجسٹ نے خوشخبری کی تصدیق کی تو جہاندار فریدے خوشی سے دیوانہ ہو گیا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

رانگ نمبر

ندا علی عباس

غصے سے مٹھیاں بھینچی دانت پہ دانت جمائے سرخ چہرہ لیے وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکراتی پھر رہی تھی۔ آج پھر سکول سے آتے ہی بھابھی سے ٹاکرا ہو گیا تھا۔ وہی بھابھی کی شکی عادت، ایک تو بس میں سیٹ نہ ملی تھی سارا راستہ کھڑے ہو کر دھکے کھا کھا کر اسکا موڈ سخت غارت ہو چکا تھا۔ الٹا گھر آ کر بھابھی کی تفتیشی نظریں، پندرہ منٹ لیٹ کیوں ہوئی ہو آج؟ ام ہانی کا دل کیا کھڑے کھڑے ہی بھابھی کو کچا چبا ڈالے اور اوپر سے عائزہ آج کل نجانے کہاں غائب تھی۔ مسلسل چھٹیاں کیے جا رہی تھی سکول سے۔ عائزہ کا خیال آتے ہی وہ فون کی جانب لپکی تھی۔ ذرا کمینی سے پتا تو کروں کس خوشی میں چھٹیاں کر رہی ہے۔ موبائل کان سے لگاتے ہی وہ بڑبڑائی تھی دوسری جانب مسلسل بیل جا رہی تھی۔ ہیلو عائزہ بدتمیز کدھر غائب ہو کمینی سکول کیوں نہیں آ رہی دو دن سے اس کھڑوس پرنسپل کو بہانے بنا بنا کے میرا تو منہ پک گیا ہے اور گھر آ کر بھابھی کی باتیں الگ سے سننی پڑتی ہے یہ تم غائب کدھر ہو ذرا جو بدتمیز کو توفیق ہوئی ہو میرا گھر آنے کی یقین کرو عائزہ تم۔۔۔۔۔۔۔ او ہیلو محترمہ پلیز ذرا بریک تو لگا لیں بولی جا رہی ہے بولی جا رہی ہے کم از کم اگلے بندے کی بھی سن لیں۔۔۔ وہ جو کال پک ہوتے ہی نان سٹاپ بولے چلی جا رہی تھی بھاری گھمبیر مردانہ آواز سن کر چپ رہ گئی۔۔ اوہ سوری آپ کون صاحب۔۔۔ دل ہی دل میں خود کو کوستی ہوئی سنجیدگی سے بولی تھی۔ ارے کال آپ نے کی ہے تو آپ کو چاہیے پہلا تعارف آپ کروائیں ویسے بھی وہ کہے محاورہ ہے لیڈیز فرسٹ۔۔۔ آگے سے آتی مسکراتی آواز پہ ام ہانی کا دل چاہا کاش یہ بندہ سامنے ہو اور وہ اس کے سر کا بھرتہ بنا ڈالے۔۔۔ دیکھیں مسٹر مجھے تعارف کا کوئی شوق نہیں ہی آپ پلیز عائزہ کو بلوا دیں مجھے اس سے بات کرنی ہے دانت پیس کر وہ غصے سے بولی تھی۔۔۔ پہلی بات تو یہ ہے محترمہ آپ مجھے مسٹر کہہ کر مخاطب کریں گی تو میں سخت مائنڈ کروں گا آپ مجھے میرے نام سے پکار سکتی ہے جہانگیر خان۔۔۔ ویسے دوست مجھے جہان کہہ کر بلاتے ہیں اگر آپ چاہیں تو آپ بھی کہہ سکتے ہے۔ اور دوسری بات آپ جس عائزہ کی بات کر رہی ہے نجانے وہ بیچاری اس وقت کہاں ہوگی۔۔۔ چہرے پر مخصوص مسکراہٹ سجائے وہ بڑے مہذبانہ انداز میں گویا ہوا تھا۔ ام ہانی کی سیٹی گم ہوئی تھی دوسرے ہی لمحے وہ بھڑک اٹھی۔۔ کیا مطلب وہ کہاں ہوگی یہیں رہتی ہے وہ کتنی دفعہ بات ہو چکی ہے میری اس سے۔۔۔ اور تم دو منٹ میں فون پکڑاؤ عائزہ کو غیرت نہیں آتی لڑکیوں کے فون اٹھاتے ہوئے حد ہو گئی بھئی۔۔۔ ام ہانی کا بس نہ چلتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر کسی نہ کسی طرح وہ اس بندے کو فون کی تاروں سے کھینچ کر نکال سامنے لائے آگے سے جاندار قہقہہ سن کر ہانی کا خون کھول اٹھا تھا۔۔ سوری بھئی بڑی خونخوار لڑکی ہو۔۔ عائزہ یار کدھر ہو تمھاری کسی جنگلی دوست کا فون ہے آ جاؤ ورنہ دو منٹ میں مجھے کچا چبا جائے گی۔ دوسری طرف وہ ہنستے ہوئے شاید عائزہ کو بلا رہا تھا۔ چند منٹ دوسری طرف خاموشی رہی تھی۔۔۔ عائزہ تو گھر نہیں ہی آپ پلیز کوئی میسج چھوڑنا چاہیں تو۔۔۔ چند لمحوں بعد دوبارہ جہانگیر کی آواز سنائی دی تھی۔۔۔ کہاں گئی ہے وہ اور یہ دو دن سے سکول کیوں نہیں آ رہی۔۔۔ بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے وہ بولی تھی (حد ہے دو دن سے محترمہ سکول سے غائب ہے اور گھر بھی دستیاب نہیں ہو رہی اور اوپر سے موبائل بھی گھر چھوڑ رکھا ہے۔۔۔

کیوں نہیں آ رہی اس کا جواب تو آپ اسی سے لینا اور کہاں گئی ہے تو لڑکیوں کا ایک ہی کریز ہوتا ہے شاپنگ کرنا وہ بھی کہیں گئی ہوگی شاپنگ پہ۔۔۔ شکر ہے خدا کا اس نے مجھے لڑکی نہیں بنایا ورنہ اس وقت میں بھی فون پہ آپکو دستیاب نہ ہوتا۔ دوسری طرف سے جہانگیر کی دبی دبی ہنسی سنائی دی تھی۔۔۔ دماغ خراب ہے تمھارا کچھ زیادہ نہیں پھیل رہے تم آنے دو عائزہ کو نجانے کیسے کیسے لفنگوں کو پال رکھا ہے گھر میں حد



ہے۔۔۔وہ غصے سے بھڑکی تھی۔۔۔ویسے آپکی آواز بہت پیاری ہے اور غصے میں آپ شاید اور بھی پیاری لگتی ہوں گی کاش میں آپکو اس وقت دیکھ سکتا۔۔۔وہ مزے سے لے کر بولا تھا۔۔۔اوو یو۔۔۔شٹ اپ۔۔۔وہ غصے سے چیخی تھی۔۔۔دھیرج دھیرج محترمہ میں شٹ اپ ہو جاتا ہوں آپ پلیز غصہ تھوک دیں ویسے اگر کبھی دوبارہ غصہ کرنا ہو تو اسی نمبر پہ رابطہ کر لیجیے گا یقین کریں میں خوبصورت لوگوں کی باتیں (جلی کٹی) جب تک نہ سنوں میرا کھانا ہضم نہیں ہوتا مجھے تھوڑا کام ہے بائے بائے۔۔۔مسکراتے لب ولہجے میں کہتے ہی وہ کال کاٹ گیا تھا۔۔۔اور غصے کی شدت سے ام ہانی نے موبائل دیوار پہ دے مارا تھا۔ "بدتمیز" "گدھا" الو کا پٹھا۔۔۔اور جو جو منہ میں آیا تھا بکتی چلی گئی تھی۔۔۔

یہ اس کا روز مرہ کا کام تھا جب جب اسکی بھابھی سے لڑائی ہوتی تھی وہ عائزہ کو کال کرکے جب تک ساری روداد عائزہ کو نہ سنا لیتی اسکا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا اور آج عائزہ کی جگہ نجانے کس بدتمیز نے فون اٹھایا تھا اسے یاد تھا کہ عائزہ اکلوتی اولاد تھی اپنے ماں باپ کی اسکا کوئی بھائی نہ تھا بابا بھی جاب کے حوالے سے دوسرے شہر ہوتے تھے پھر کون تھا جس نے فون اٹھایا تھا (چلو رات پھر کال کرکے عائزہ سے بات کرے گی) مگر موبائل (اچانک ہی اسے ٹکڑوں کی صورت میں موبائل کا خیال آیا تھا) تیزی سے اٹھ کر وہ موبائل کی طرف لپکی تھی۔ بکھری پڑی بیٹری اور سم اٹھا کر موبائل میں ڈالی تھی کافی تگ و دو کے بعد موبائل آن ہو گیا تھا مگر سکرین پہ چند خراشیں چھوڑ گیا تھا۔ موبائل آن ہوتے ہی میسج ٹون بجی تھی اور وہ چونک اٹھی تھی اور جیسے جیسے وہ میسج پڑھتی گئی اسکا رنگ بدلتا چلا گیا۔۔۔سنیں محترمہ آواز تو آپکی اچھی تھی ہی بات کرنے کا انداز بھی مجھے آپکا کافی پسند آیا۔ خیر میری کوئی بات بری لگی ہو تو معذرت۔۔۔آپ پلیز نمبر دوبارہ چیک کر لیجیے گا یہاں عائزہ نام کی کوئی لڑکی نہیں رہتی۔۔۔شکریہ۔۔۔وہ سر تھام کے بیٹھ گئی تھی کچھ خیال آتے ہی وہ فرینڈ لسٹ چیک کرنے لگی تھی (واقعی وہ کمینہ سچ کہہ رہا تھا صرف ایک ہندسے کی وجہ سے وہ نمبر غلط ملا بیٹھی تھی) ام ہانی کی سب سے بری عادت تھی کہ وہ کبھی نمبر نام سے سیو نہیں کرتی تھی بلکہ سیو کرنا وہ ضروری سمجھتی ہی نہ تھی اور وہ بدتمیز کیسے مزے سے اسکا مذاق بنا رہا تھا۔۔۔اسکا خیال آتے ہی ہانی نے موبائل اٹھایا اور 'بھاڑ میں جاؤ' لکھ کر سینڈ کر دیا۔۔۔اور وہ شاید اسی کے جواب کے انتظار میں بیٹھا تھا۔۔۔ہاہاہا چلیں ساتھ میں چلتے ہیں مزہ آئے گا فوراً رپلائے آیا تھا۔ شٹ اپ ہانی کا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔۔۔جواب میں اسمائیلی فیس آیا تھا ہانی نے غصے سے موبائل بیڈ پہ پٹخا اور واش روم میں جا گھسی تھی۔

وہ دو بہن بھائی تھے ام ہانی اور حمدان۔۔۔حمدان بھیا شادی شدہ تھے انکا پانچ سال کا ایک بیٹا بھی تھا سنان۔۔۔بھابھی غیر خاندان سے تھی اور بھرپور تیوروں والا رویہ رکھتی تھی حمدان بھیا نے پسند سے شادی کی تھی اس لیے بیوی کا وہ بہن سے برا رویہ بھی اگنور کر دیتے تھے اللہ جنت نصیب کرے جب تک اماں ابا زندہ رہے تھے دونوں ام ہانی کی ڈھال بنے رہے مگر آگے پیچھے اماں ابا کے اس دنیا سے جاتے ہی بھابھی بھی کھل کر سامنے آ گئی حمدان بھیا صبح کے گئے رات کو آتے بھابھی شکایات کا پنڈورا کھول کے بیٹھ جاتی بھیا چپ چاپ سنے جاتے بھابھی بھائی کو چپ دیکھ کر غصے سے واک آؤٹ کر جاتے اور بھیا ایک شفقت بھری مسکراہٹ ام ہانی کی طرف اچھالتے اور اسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ جاتے نہ بیوی کے ساتھ بحث کرتے نہ بہن کو سرزنش کرتے (غلطی ہوتی تو کرتے ناں) شاید وہ جانتے تھے انکی بیوی کس مزاج کی ہے دو اور دو کو چھ بتانے والی۔۔۔ام ہانی کا قصور کیا تھا؟؟ صرف اتنا کہ وہ رنگت میں سانولی تھی نجانے وہ کس پہ پڑی تھی حمدان بھیا بالکل اماں اور ابا

کا پرتو تھے گورے چٹے موٹے موٹے نین نقش خاندان میں ایسا کوئی بھی نہ تھا سانولی رنگت والا حالانکہ بھابھی خود بھی گوری چٹی تیکھے نین نقش والی تھی شاید اسی وجہ سے ہانی کو ہر وقت طنز کا نشانہ بنائے رکھتی اور ام ہانی بھابھی کا سامنے تو بڑا ضبط کا مظاہرہ کرتی مگر تنہائی ملتے ہی رونا دھونا اللہ کا ساتھ شکوہ شکایت شروع کر دیتی اور ہر بار عائزہ اسکی ہمت بندھاتی۔۔۔یار سانولی رنگت بھی انسانوں کی ہوتی ہے خدانخواستہ کالی رنگت تو نہیں ہے نہ تمہاری ذرا سی سلونی رنگت ہونے سے کیا ہوتا ہے یار جچتا ہے یہ رنگ تم پہ۔۔۔دراصل بھابھی جلتی ہے تم سے تمہارے جیسے لمبے گھنے بال اور تمہارے جیسی گہری نشیلی آنکھیں نہیں ہے ناں اسکے پاس۔۔۔سوکھا سڑا اپنا شلجم دیکھا ہے کبھی وہ بھی چھپا ہوا ایسی رنگت ہے ان کی۔۔۔ایسی بھی شکل کو جانا ہے انسان کے پاس کم از کم سیرت ہونی چاہیے جیسی نقش نہ عقل بچائی تمہارے بھائی کو نظر کیا آ گیا تمہاری بھابھی میں یقین کرو ہانی کبھی تم مجھے پہلے اپنے بھائی سے ملوا دیتی تو آج میں تمہاری بھابھی ہوتی۔ محبت سے اسکے آنسو صاف کرتی پیار سے سمجھاتی عائزہ آخر میں بات کا رخ مزاق کی طرف موڑ دیتی اور ہانی مسکرا دیتی اور عائزہ اسے ہنستے دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی اور بات کا رخ موڑ دیتی اور ام ہانی بھی وقتی طور بھی سب کچھ بھول بھال کر عائزہ کے ساتھ باتوں میں لگ جاتی۔

کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔وہ رات سنان کو کہانی سنا رہی تھی جب میسج ٹون بجی تھی۔ جہانگیر کے نمبر سے میسج دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ میسج ڈیلیٹ کرکے وہ دوبارہ سنی کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو نیند سے بھری آنکھیں لیے دلچسپی سے کہانی سننے کے چکر میں جاگ رہا تھا۔ (کبھی ایسا ہو۔ تجھ سے ملن کی کوئی صورت نہ ہو۔ مایوسی کی آخری حد ہو۔ جب دعائیں بے اثر لگیں۔ آنکھیں ویران ہوں۔ وجود رہگزار ہوا ہے میں اچانک۔ مجھے تمہاری طرف سے I miss you کا میسج ملے۔ اور سارا وجود تیرے جذبوں کی خوشبو سے مہک اٹھے۔ وہ سنی کو لائٹ آف کرکے ابھی لیٹنے ہی والی تھی جب میسج ٹون دوبارہ بجی تھی جہانگیر کے نمبر سے جذبوں سے گندھی ہوئی غزل پڑھتے ہی اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟؟ غصے سے میسج بھیجا تھا۔ پچھلے تین دنوں سے وقتاً فوقتاً اسکے شاعری بھرے میسج آ رہے تھے۔ (مزاق سے بھرپور) مگر وہ بغیر ریپلائے کیے مسلسل اگنور کر رہی تھی مگر وہ بھی شاید ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا۔ میرا مسئلہ آپ ہے۔ جھٹ سے ریپلائے آیا تھا۔ دیکھو جہانگیر خان میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی بغیر دیکھے میں تمہارا نمبر ملا بیٹھی ہوں۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ میں ایسی ویسی لڑکی ہرگز نہیں ہوں جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ پلیز تم ٹائم پاس کرنے کیلئے کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لو اور میرا پیچھا چھوڑ دو تمہاری مہربانی ہوگی۔ ہانی نے اسے سلیقے سے سمجھایا تھا۔ محترمہ میں بھی ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں اور نہ ہی آپکے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہوں بس اتنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے دوستی کر لیں آپ مجھ سے اپنے دکھ شیئر کریں میں اپنے دکھ آپ سے شیئر کر لیا کروں گا۔ مجھے بھی ایک دوست کی ضرورت ہے۔ ڈیٹس اٹ۔ جہانگیر کا جوابی ریپلائے پڑھ کر وہ جھنجھلا اٹھی۔ تمہارا دماغ خراب ہے میری زندگی میں کوئی غم نہیں الحمدللہ میں بہت خوش رہتی ہوں تم اپنے لیے کوئی اور ڈھونڈ لو اور پلیز میرا دماغ مت کھاؤ اب مجھے تمہارا کوئی میسج نہیں آنا چاہیے۔ گڈ نائٹ۔ غصے سے میسج سینڈ کرکے وہ لیٹنے ہی لگی تھی جب دوبارہ ٹون بج اٹھی تھی۔ اچھا میں تو سمجھا آپ کو اپنی بھابھی کی زیادتی کا قصہ سنانے کیلئے شاید کسی دوست کی ضرورت ہو خیر جیسے آپ کی مرضی ام ہانی۔ میسج تھا یا کوئی دھماکہ وہ ایک

دم سے اٹھ بیٹھی۔ میرا نام کیسے جانتے ہو اور میری بھابھی کے بارے میں؟؟ فوراً سوال پوچھا تھا مگر جواب ندارد۔ گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی آگے بڑھتی گئی اور جہانگیر خان کے موبائل کی میسج ٹون ہر لمحہ ہر پل بجتی رہی اور وہ چہرے پر مسکراہٹ لیے میسیجز کھولتا رہا مسکراتا رہا۔

میرے صبر کا امتحان مت لو جہان مجھے بتاؤ میرے بارے میں تم اتنا سب کچھ کیسے جانتے ہو۔ وہ شاید رو دینے کے قریب تھی۔ اس کی انگلیاں تیزی سے کی پیڈ پر چلنے لگی دوسری طرف میسج ٹون بجنے سے پہلے ہی ہانی میسج ریسیو کر چکی تھی۔ ویسے جانتا تو میں آپ کے بارے میں بہت کچھ ہوں آپ کون ہے کہاں رہتی ہے کیا کرتی ہے آپ کے گھر میں کتنے افراد ہے سب کچھ کبھی فرصت میں بتاؤ گا آپکو۔ ویسے مجھے اچھا لگا آپ نے میری دوستی ایکسپٹ کر لی۔

میں نے کب کہا کہ مجھے تمہاری دوستی قبول ہے۔ اپنے سوال کا جواب نہ پا کر ہانی کو غصہ آیا تھا فوراً اسے پہلے لکھ بھیجا۔ آپ نے مجھے جہان کہا ہے ناں اور جہان مجھے صرف میرے دوست کہتے ہیں تھینک یو ہانی۔ گڈ نائٹ۔ جہانگیر کا ریپلائے دیکھ کر گہری سانس بھرتے ہوئے وہ سونے کیلئے لیٹ گئی۔ ”عجیب انسان ہے“ آخری سوچ جو اس کے ذہن میں تھی وہ یہی تھی۔

گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑے سے بچنے کیلئے اس نے بھیا سے اجازت لے کر اسکول جاب کر لی بھیا خود چاہتے تھے کہ وہ بھابھی کی نظروں سے زیادہ تر دور ہی رہا کرے جب جب وہ بھابھی سے سامنے آتی بھابھی خود ہی جھگڑے کا بہانا ڈھونڈنے بیٹھ جاتی سارا دن وہ اسکول رہتی اور جتنی دیر باہر رہتی فریش رہتی گھر آتے ہی وہی ڈپریشن۔ وہ پچیس 25 سال کی ہونے والی تھی بھیا چاہتے تھے کہ ہانی کی اب شادی ہو جانی چاہیے لڑکی کی یہی عمر شادی کیلئے بیسٹ ہوتی ہے پہلے تو بھیا نے بھابھی سے آس پاس رشتہ ڈھونڈنے کو کہا اور بھابھی آئیں بائیں کر کے ٹالنے لگیں اور جب بھیا کے توسط سے چند ایک رشتے آئے نجانے بھابھی نے ان کے کانوں میں کیا صور کہ دوبارہ انھوں نے آنے کی زحمت ہی نہ کی بھیا ہاتھ ملتے رہ گئے ہر بار بھابھی سے پوچھتے ”آخر کچھ تو کہا ہوگا انھوں نے“ مگر بھابھی کندھے اچکا کر ”مجھے کیا پتہ کا پوز“ دیتی اور سب کچھ دیکھتے ہوئے کچھ نہ کر سکنے کے باوجود ہانی دانت پیس کر رہ جاتی۔

اس دن بھی وہی کچھ ہوا تھا بھیا کے کولیگ کا رشتہ آیا تھا بھیا آدھا آف لے کر آئے تھے انھوں نے فون کر کے ہانی کو اسکول سے جلدی گھر پہنچنے کا کہا تھا جلدی جلدی کرنے کے باوجود جب وہ گھر پہنچی مہمان جانے کیلئے تیار کھڑے تھے۔ وہ جھجکتی ہوئی سلام کرتی ذرا آگے آئی تھی ”ہوں یہ ہے وہ لڑکی“ ایک عورت آگے بڑھی تھی ہانی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ تمہیں صبح کی دس کالیں کر چکی ہوں ہانی بتایا بھی تھا کہ مہمان آ رہے ہیں جلدی آنا۔ بھابھی چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے تیزی سے اسکے قریب آئی تھی ہانی نے چونک کر بھابھی کو دیکھا تھا (خدا کا خوف کریں بھابھی دس کالیں) جتنا بھی کر لو مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ بھابھی ہی بری ہے بیچاری کی۔ بھابھی نے ڈوپٹے سے آنکھ کا کونہ صاف کیا تھا خواتین کی نظریں ہانی پر گڑی تھیں۔

ویسے ثنا شاہینا ہم تو حمدان کا رہن سہن دیکھ کر امپریس ہوئے تھے کہ اتنے اچھے بھائی کی بہن بھی اچھی ہوگی مگر یہیں بھی جھکا دیا اپنے گھر میں اپنی ہی اتنی پیار کرنے والی بھابھی کے برا ہو گلے گھر جا کر وہ کیا کرے گی بھی ہمارے سامنے ہی ثنا نے تمہیں نجانے کتنی کالز کی تھی مگر نہ جی مجال ہے جو تم ایک کال بھی اٹھائی ہو اور جب کال اٹھائی بھی تو کتنی بدتمیزی

سے بولی تھی خدا کی پناہ اللہ بچائے بھئی ایسی بدتمیز منہ پھٹ لڑکیوں سے اچھا بھئی ثنا شاہ حمدان سے معذرت کر لینا ہماری طرف سے چلتے ہیں۔ وہ خاتون بولتی ہوئی بھابھی سے گلے ملتے ہوئے نکلتی چلی گئی اور وہ آنکھیں پھاڑے بھابھی کو دیکھتی رہ گئی جو مسکراتی ہوئی آنکھ کے کنارے ٹکا ہوا مصنوعی آنسو صاف کرتے ہوئے اسکے قریب آئی ”ہاں لو ہانی میرے بھائی کیلئے ہاں کر دو ورنہ یہ بلیک میلنگ کے تماشے تمہیں روز دیکھنے کو ملیں گے جس منہ سے تم نے اسے انکار کیا تھا ناں اسی منہ سے تم ہاں کرو گی اور دیکھنا بہت جلد تم ہاں کرو گی بھی ورنہ میرا نام بھی ثنا شاہ نہیں۔“ کہتی ہوئی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

پھر کوئی دکھ ملے کا تیار رہنا اے دل
کچھ لوگ آج کل بہت پیار سے پیش آ رہے ہیں

وہ بکھری بکھری سی میں جب میسج ٹون بجی تھی وہ اوندھے منہ تکیے میں سر دیے پڑی رہی تھی تھوڑی دیر بعد دوبارہ موبائل بجا تھا۔

اس سے کہو میری سزا کو کچھ کم کر دے
میں مجرم نہیں ہوں غلطی سے عشق ہوا تھا

بے دردی سے گال رگڑتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی تھی جب تک وہ ریپلائے نہیں کرے گی وہ یونہی شاعری سناتا رہے گا مگر آج اسکا بات کرنے کا بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔

اسے کہنا جنت اور طاق کا نہیں ہم سے کوئی واسطہ
ہمیں جب بھی ضرب لگی تقسیم ہوئے اور بکھر گئے

لکھ کر جہانگیر کے نمبر پر سینڈ کر دیا۔

ذکر کرتی ہے ہر جگہ تیرا
میں نے خوشبو کے کان کھینچے

فوراً اسمائیلی فیس بنا جہانگیر کا ریپلائے آیا تھا۔

لڑکیوں کے دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں اور دکھ اس سے بھی عجیب
ہنستی جاتی ہے اور کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

ایک آنسو لڑھکتا ہوا گال تک آیا۔

اک اور بار میری عیادت کو آئیے
اچھی طرح سے میں ابھی اچھا نہیں ہوا

وہی مجسم وہی شرارت کر رہا تھا ہانی نے سپاٹ نظروں موبائل کو سے دیکھا۔

مجھے کیا پتہ دکھوں کی قیمت صاحب
میرے اپنے تو مجھے مفت میں دیتے ہیں۔

ہانی نے جوابی ریپلائے بھیج کر سر تکیے پر رکھ دیا اگلے ہی پل موبائل بجا تھا اور مسلسل بجا تھا بنا دیکھے وہ جانتی تھی کہ کال کرنے والا کون تھا کال کا بٹن پش کر کے موبائل کان سے لگایا تھا۔ سب خیریت ہے ناں۔ ہو سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ہوں۔ رندھی آواز میں جواب دیا۔ اداس کیوں ہو رہی ہو۔ اسکا لہجہ گھمبیر تر ہوا۔ بس یونہی میرا موڈ نہیں ہے آج بات کرنے کا۔ ہانی کے رندھے لہجے پر جہان کو تکلیف ہوئی۔ ہانی جتنا تم کو گی اتنی تکلیف ہوگی آج کے دن جو جو تم پر بیتی بھابھی نے جو کیا جو کہا میں وہ سب سننا چاہتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں تمہاری زندگی میں اس عورت کے سوا کوئی دکھ نہیں۔ وہ لمحے بھر کیلئے خاموش ہوا تھا کوئی جواب نہ پا کر دوبارہ اسے پکارا تھا۔ ہانی۔ لہجے میں دکھ تھا تکلیف تھی۔ تم بہت خوش قسمت ہو جہان تمہیں زندگی میں کبھی کوئی غم نہیں ملا۔ وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔ ہر شخص پرفیکٹ نہیں ہوتا۔

جس وقت سڑک کراس کر کے وہ پارک کے گیٹ تک پہنچی تب گھڑی پورے چار بجا رہی تھی گیٹ کے قریب لگے سرخ گلاب دیکھ کر اسے بے ساختہ جہان کی بات یاد آئی تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ سمیٹے اس نے ڈھیرے سے گلاب توڑا اور دھڑکتے دل کے ساتھ گیٹ کے

اندر قدم رکھا نظریں اٹھائی اور اگلے ہی پل وہ ساکت رہ گئی وہ اس سے چند گز کے فاصلے پر ہی تو تھا۔اس نے سچ کہا تھا کہ لوگ ایک سے دوسری نظر اسے دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اسکی رنگت ہی اتنی ڈارک تھی اور اس پہ پہنے اس کے وائٹ کپڑے ہانی کا دل عجیب ہوا تھا مگر اسکے ہاتھ میں تو گلاب بھی تھا مطلب وہی جہان تھا۔ہانی کا دل کانپا تھا۔یا اللہ مجھے ہمت دے وہ دل ہی دل میں کراہ ہی تھی نجانے کیوں دل کیا کہ وہ الٹے قدموں واپس بھاگ جائے اور پھر مڑ کر بھی جہانگیر خان سے رابطہ نہ رکھے مگر اگلے ہی پل اسے اس میسج کا خیال آیا تھا جو جہان نے فون کال کے بعد اسے کیا تھا ہانی میں جانتا ہوں تم مجھے پہلی نظر دیکھ کر ہی ریجیکٹ کر دو گی مگر میری بات ہمیشہ یاد رکھنا تم مجھے بیشک ریجیکٹ کر دینا بیشک مجھ سے شادی نہ کرنا مگر میں نے تمھیں بغیر دیکھے محبت کی ہے اور ہمیشہ تمھیں ہی چاہتا رہوں گا وہ دوبارہ میسج کھول کر پڑھ کر اس نے دل کو دلاسا دیتے ہوئے موبائل پرس میں رکھا اور دل مضبوط کر کے قدم آگے بڑھانے ہی لگی تھی مگر اگلے ہی پل اسے رکنا پڑا جہان کے پاس ایک اور لڑکا آ کھڑا ہوا تھا ہنستے مسکراتے ہوئے وہ جہان کے گلے لگا تھا۔ہانی کو وہ دنیا کا سب سے خوبصورت مرد لگا تھا وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ آج سے پہلے اس نے اتنا خوبصورت مرد پہلے کبھی نہ دیکھا تھا وائٹ شرٹ نیلی جینز میں وہ سج رہا تھا گالوں میں پڑتے ڈمپل لاپرواہی سے بکھرے بال ماتھے پہ گرے پڑے تھے اور جب اگر کبھی وہ انھیں سنوارتا ہوگا تو قیامت ڈھاتا ہوگا۔۔(الففف ہانی جہان پہ فوکس کرو صرف جہان پہ)۔۔۔وہ دل ہی دل میں خود کو کوستی چند قدم اسکے نزدیک آئی تھی دونوں کی ہانی کی طرف پشت تھی دونوں میں سے ابھی کسی نے بھی ہانی کو نہیں دیکھا تھی۔۔اس سے پہلے کہ اسکے قریب جاتی جہان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ان دونوں کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا اور اگلے ہی پل وہ ساکت رہ گئی تھی اسی خوبصورت لڑکے نے جہان کے ہاتھ سے گلاب کا پھول یہ کہتے ہوئے لیا تھا "یہ مجھے پکڑا دے یار کہیں ہانی آ نہ جائے اور تجھے ہی جہان نہ سمجھ بیٹھے" اور دوسرے لڑکے (جسے وہ کافی دیر سے جہانگیر سمجھ رہی تھی) نے ہنستے ہوئے گلاب کا پھول اس لڑکے کو تھما دیا تھا۔۔ہانی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں (تو وہ اس وقت سے جسے جہانگیر سمجھ رہی تھی تو وہ جہانگیر نہیں تھا بلکہ جواب آیا تھا وہ جہانگیر تھا) مگر جہان نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کہ وہ میری طرح کالا ہے ہانی نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا "لگتا ہے مجھے ہی غلط فہمی ہوگئی ہے میں کال کر لیتی ہوں جہان کو" کہتی ہوئی وہ جہان کو کال ملانے لگی۔۔اور اگلے ہی پل وہ سن سی رہ گئی جب اسی خوبصورت لڑکے نے جینز کی پاکٹ سے مسلسل بجتا اپنا سیل نکالا اور مسکراتے ہوئے کان سے لگا لیا۔۔یس جہان سپیکنگ۔۔۔دلنشیں مسکراتی آواز ہانی کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور اگلے ہی پل وہ نفی میں سر ہلاتی الٹے قدموں پارک سے باہر نکل آئی موبائل ابھی تک اسکے ہاتھ میں دبا تھا جس میں سے مسلسل جہانگیر کی پریشانی بھری آواز آ رہی تھی مگر وہ ہوش میں ہوتی تب سنتی ناں۔

موبائل مسلسل بج رہا تھا اور لگا تار بج رہا تھا اور وہ تکیے میں منہ دیے پڑی رو رو کر نڈھال پڑ چکی تھی۔وہ جب سے آئی تھی تب سے روئے چلی جا رہی تھی۔۔اور رو رو کر وہ اب اتنی نڈھال پڑ چکی تھی کہ اسے لگتا تھا کہ اسکے اندر آنسو بہانے کے لیے قطرہ تک نہ بچا ہو۔موبائل مسلسل وائبریٹ ہو رہا تھا۔رات کا ایک بج رہا تھا اور کال کرنے والے کو ذرا برابر بھی پرواہ نہیں تھی کہ ٹائم کیا ہو چلا ہے۔پھوڑے کی طرح دکھتے

ہوئے سر کو دباتے ہوئے ہانی کا دھیان مسلسل وائبریٹ ہوتے موبائل کی طرف گیا تھا بوجھل دل کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر اس نے موبائل اٹھا لیا۔۔دو سو اسی () کالز اور تین سو باون () میسجز (او میرے خدا) ہانی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھاما تھا اسی پل موبائل دوبارہ بجا اور میسج کھل کر سامنے آ گیا ہانی خدا کی قسم کھا کے کہہ رہا ہوں اب اگر تم نے ریپلائے نہ کیا تو اگلے پانچ منٹ میں میں تمھارے گھر آ جاؤں گا۔۔وہ پاگل ہو رہا تھا۔۔ہانی نے بیدردی سے آنکھیں رگڑتے ہوئے کال بیک کی تھی جو پہلی ہی بیل پہ ریسیو کر لی گئی۔۔ہانی مت کرو یار۔۔۔وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھا۔جواب ندارد۔۔۔وہ بالکل خاموش رہی آنسو دوبارہ ابل ابل کر باہر گرنے لگے۔۔تم وہاں سے بھاگ کیوں آئی تھی۔۔وہ پوچھ رہا تھا۔۔تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا میرا مذاق بنایا اپنے دوستوں کے سامنے۔۔۔وہ جیسے پھٹ ہی تو پڑی تھی۔پاگل ہو گئی ہو تم میں بھلا تمھارا مذاق کیوں بناؤں گا عزت ہو تم میری اور اپنی عزت کو بیچ بازار میں کوئی بیچا کرتا ہے کیا۔۔۔وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا تھا۔تو وہ سب کیا تھا پھر تم نے کہا تمھارا رنگ کالا ہے اور تم نے اپنے دوست کو اپنی جگہ لا کھڑا کیا وہ میرا مذاق بنانا نہیں تھا تو کیا تھا۔۔وہ بے ساختہ رو دی تھی۔ہانی یار۔۔۔۔اچھا رو تو نہیں ناں۔۔۔۔سچ میں میں مانتا ہوں میں نے تم سے جھوٹ بولا میرا کلر بلیک ہے مجھے لگا تم مجھ سے شادی کیلئے ہاں نہیں کرو گی اس لیے میں نے یہ سب کیا مگر سچ میں ہانی میں سچ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور اس دوست کو میں نے وہاں نہیں بلایا تھا وہ تو وہاں اپنی فیملی کے ساتھ آیا تھا اتفاق تھا کہ ہم وہاں مل گئے قسم سے یار میرا کوئی پلان تمھیں شرمندہ کروانے کا نہیں تھا۔۔وہ مسلسل اپنی صفائی دے رہا تھا ہانی کو اپنے دل سے جیسے بوجھ سرکتا محسوس ہوا۔۔اور اگر میں اسے جہان سمجھ کر اسکے پاس چلی جاتی تو۔۔۔سوں سوں کرتی وہ غصے سے بولی تھی تو جہان قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔۔ایسا میں ہونے دیتا میری جان۔۔۔میں جب آیا تھا تو میں نے دور سے ہی تمھیں دیکھ لیا تھا تمھیں آتے دیکھ کر میں جان بوجھ کر کال سننے تھوڑا دور چلا گیا غلطی مجھ سے یہ ہوئی کہ گلاب عدنان (دوست) کے ہاتھ تھما گیا اور تم اسے ہی جہان سمجھ بیٹھی۔پھر جب میں نے تمھیں اسکے قریب جاتے دیکھا تو میں تیزی سے اسکے پاس چلا گیا تب بھی میں نے جان بوجھ کر تمھیں اگنور کیا کہ آیا تم مجھے پہچان لوگی کہ نہیں مگر پہچاننے سے پہلے ہی تم بھاگ نکلی۔۔۔وہ منہ بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔۔

جہان تم بہت خوبصورت ہو میں ہرگز ہرگز بھی تمھارے قابل نہیں ہوں۔۔۔تم پلیز کوئی اپنی جیسی خوبصورت لڑکی ڈھونڈ لو۔۔۔۔۔وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی ہانی میرے سامنے ایسی بات بالکل بھی نہ کرنا میری نظر میں تم سے زیادہ خوبصورت لڑکی کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور یہ کیا تم ہر وقت کالی کالی کی رٹ لگائے رہتی ہو اتنا پیارا کلر تو ہے تمھارا آج کے دور میں ہر دوسری لڑکی کا کلر ایسا ہی ہے یہ تو مجھے تمھارے بھابھی ہی نفسیاتی لگتی ہیں نجانے کیا چاہتی ہے وہ عورت۔۔دانت پیستے ہوئے وہ بولا تھا۔۔وہ چاہتی ہیں میں شادی کر لوں مگر صرف ان کے نکھٹو اور نکمے بھائی کے ساتھ۔۔۔تو پھر ٹھیک ہے تم تیار ہو جاؤ شادی کیلئے مگر صرف میرے ساتھ آ رہا ہوں صبح میں پاپا کو لے کر پھر دیکھ لیں گے تمھارے اس نکھٹو عاشق اور تمھاری نیم پاگل بھابھی کو بھی۔۔۔وہ بھی اسی کے لب و لہجے میں بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔۔۔سب کچھ اچانک ہوا تھا جہان کے پاپا کا آنا آتے ہی سب کچھ منٹوں میں طے کر جانا ہانی کو لگا سب کچھ خواب تھا وہ ابھی جاگے گی اور پھر سے وہی

سب ہوگا بھابھی کی چیخ وپکار طنزیہ باتیں۔مگر جب
جہان کے پاپا نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اسکے سر پر
ڈوپٹہ اوڑھایا جہان کی ماما کے کنگن پہنائے اور اسکی
مٹھی میں پیسے تھما کر شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا
بیٹا اگر جہان کی ماما زندہ ہوتی تو یہ سب وہی کرتی مگر
جہان کیلئے اسکی ماں اور اسکا باپ میں ہی ہوں میرا
مطلب ہے کہ آج سے تمہارا سسر بھی میں ہی ہوں اور
تمہاری ساس بھی میں ہی ہوں مجہان کی طرف دیکھ
کر آنکھ دباتے ہوئے وہ بولے تو وہاں موجود سب
مسکرا دیے تھے۔۔۔۔۔

شروع میں جب پاپا گھر آئے تو بھیا
ملک کے اتنے بڑے نامور بزنس مین کو اپنے گھر دیکھ
کر بوکھلا گئے اور جب انہیں جہان کے پرپوزل کا پتا
چلا تو مزید حیران رہ گئے کہاں پانچ مرلے والے عام
سے گھر میں رہنے والی انکی عام سی بہن اور کہاں اتنے
بڑے بزنس مین کا بیٹا بھیا تھوڑا سا ہچکچائے ضرور مگر
پاپا بھی اپنے باپ کے ایک ہی تھے ہاں کروا کر ہی دم
لیا اور تو اور پندرہ دنوں کے اندر اندر رخصتی بھی کروا
ڈالی۔شروع شروع میں بھابھی نے شور وغل مچانا چاہا
مگر اس دفعہ بھیا سچ طرح مرد بن کر سامنے آئے اور
بھابھی کی تو گویا سٹی ہی گم ہوگئی۔رخصتی تک خاموش
ہی رہی اور آج میں۔یعنی ام ہانی بھیا کی شفقت بھری
پیار بھری دعاؤں تلے رخصت ہو کر اس خواب
بھرے خوبصورت محل میں بنے ایک خوبصورت
ڈیکوریٹ ہوئے کمرے میں پورے حق کے ساتھ
جہانگیر خان کے کمرے میں بیٹھی اسی کا انتظار کر رہی
وں۔ابھی ابھی جہان کی کزنز یہاں سے اٹھ کر گئی ہے
۔کسی کی آنکھوں میں میرے لیے محبت کسی کی شفقت
کسی کی حسد اور کسی کی آنکھوں میں میرے لیے
بھرپور نفرت تھی مگر مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھ
جہان تھا اور جب جہان کی محبت میرے ساتھ تھی
میں دنیا کی ہر نفرت ہر حسد سے لڑنے کا حوصلہ رکھتی
ہوں لوگ کہتے ہیں رانگ نمبرز زندگی برباد کرتے
ہیں مگر میں یہ کہنا چاہوں گی کہ ضرورے نہیں ہر رانگ
نمبر آپکی زندگی برباد کر دے کسی کی زندگی میری طرح
سنور بھی سکتی ہے کیا پتا کوئی جہان آپکا بھی منتظر
ہو۔۔۔۔۔۔۔

ایگری ہاں؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

☆☆☆

حزن

بیا نور

کراچی شہر کی شہ رگ میں نصب بلند و بالا پروقار عمارت، جس کی پیشانی پر چمکدار سنہری حروف میں برہان بلڈنگ لکھا جگمگا رہا تھا، راہگیر اس غرور سے کھڑی عمارت کو داد دیے بغیر راستہ عبور نہ کر پاتے، یہ عمارت ہر پل سینکڑوں نگاہوں کا مرکز تھی۔

اسی عمارت کا سب سے بڑا اور سب سے شاندار آفس جو ووڈ ورک کا اعلیٰ شاہکار تھا، جس کی دیواروں پر لگی دنیا بھر سے منگوائی گئیں بیش قیمت ایبسٹریکٹ پینٹنگز آفس کی دلکشی مزید بڑھا رہی تھی، یہ آفس اس عمارت کا بیک وقت دل بھی تھا اور دماغ بھی۔

وہ رائل بلیک سوٹ زیب تن کیے طمطراق سے کرسی کی پشت پر سر ٹکائے بیٹھا اپنے سامنے کی نشست پر براجمان معزز وزیٹر کی گفتگو بڑے انہماک سے سن رہا تھا۔

''مسٹر برہان! آپ تو جانتے ہی ہیں ہماری کمپنی کو یکے بعد دیگرے نقصان پہنچے ہیں جس کی وجہ سے کمپنی خسارے میں چلی گئی ہے اور حالات اس قدر پست ہو گئے ہیں کہ مارکیٹ میں کوئی بھی ہم سے پارٹنر شپ کرنے کو تیار نہیں...... اگر جلد ہی ہمیں سٹرونگ بیک اپ نہ ملا تو......'' ماضی کی نامور کمپنی کے مالک چوہدری اصغر کے چہرے پر تفکرات کا جال تھا۔

''بولتے رہیے...... رکیئے مت۔'' برہان نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور ہمارا بھی۔''

''ہمیں کیسے فائدہ ہوگا؟'' طنزیہ مسکراہٹ نے لبوں کا احاطہ کیا۔

''وہ ایسے مسٹر برہان کہ اگر آپ ہمارے بیک اپ بنتے ہیں تو ایک سال تک ہمارے بزنس میں آپ کا پرافٹ سات پرسنٹ ہوگا جبکہ ہمارا چالیس پرسنٹ ہوگا۔'' چوہدری اصغر پرامید ہوا۔

''چوہدری صاحب آپ سیدھے سیدھے کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو چند روپے ادھار چاہیے۔'' چوہدر اصغر جو کل تک ناک پر مکھی تک نہ بیٹھنے دیتا تھا آج سڑک پر آنے کے خوف سے در در کی خاک چھان رہا تھا، جو لوگ کل تک سلام جھاڑتے تھے آج دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے۔

''مسٹر برہان آپ یہی سمجھ لیں۔'' ان کے چہرے کی جھریاں مزید گہری ہوئیں۔

وہ چوہدری اصغر کی خستہ حالت سے حظ اٹھا رہا تھا، اس کی سرمئی آنکھوں کی چمک چوہدری کے جھکے کندھے اور متفکر چہرہ دیکھ کر مزید بڑھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر انٹر کام پر گارڈز کو اندر آنے کا حکم صادر کیا۔

''چوہدری صاحب کو باعزت طریقے سے باہر کا راستہ دکھاؤ۔'' اس کے حکم پر گارڈز فوراً حرکت میں آئے تھے، چوہدری اصغر اس تذلیل پر گونگو کی کیفیت میں گارڈز کے ساتھ گھسیٹتا چلا جا رہا تھا۔

پانچ سال قبل جب وہ ایک معمولی سا دبلا پتلا لڑکا جس کے میلے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے، نوکری کے لیے عملے سے نظر بچا کر چوہدری اصغر کے دفتر میں گھسا تھا، کتنی درخواست کی تھی منتیں کی تھیں مگر...... دھکے دے کر باہر نکال دیا گیا تھا، فقط پانچ سال۔

''برہان کسی کا قرض نہیں رکھتا۔'' وہ آسودگی سے مسکرایا۔

آبادی سے قطعی دور بوسیدہ سی چھوٹی سی اینٹوں کی عمارت جس پر رنگ و روغن کا شائبہ تک نہ تھا واقع تھی، جس کے دائیں جانب جھونپڑیاں اور بائیں جانب کوڑے کرکٹ کی کھائی تھی جدھر شہر بھر کا کچرا لا کر پھینکا جاتا تھا، قدرے فاصلے پر ہونے کے باوجود غلاظت کی بدبو عمارت کے کواڑ بھی کھٹکائی رہتی، عمارت جیسی باہر تھی ویسی ہی اندر تھی، ضعیف اور کھنڈر۔

''باحو مال آ گیا ہے۔'' لالے نے خباثت سے آنکھ دبا کر کہا۔

وہ پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھا خاکی رنگ کی فائل میں پھر سے کسی معزز شخصیت کے کالے کرتوت تہہ در تہہ رکھ رہا تھا، اس اڈے کا یہ چھوٹا سا دفتر تھا جس میں ایک زرد آلود بلب، چار کرسیوں اور میز کے علاوہ کچھ نہ تھا، یہ دفتر اس عمارت کا بیک وقت قبرستان بھی تھا اور قربان گاہ بھی، اس نے لالے کی بات پر سر اٹھا کر اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر خاکی فائل بند کر دی، ہاتھ ہلا کر اندر لانے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں کے بعد لالے اور بالی کے ساتھ تین لڑکیاں بھی داخل ہوئیں، لڑکیوں کے ہاتھ بندھے ہوئے اور آنکھوں اور منہ پر بھی سختی سے کپڑا باندھا گیا تھا، باحو کی طرف سے اشارہ ملنے پر تمام پہرے ہٹا دیے گئے۔

''خاموش اب آواز نکلی تو یہیں مار کر یہیں دفن کر دوں گا۔'' باحو کی سفاک دھاڑ گونج اٹھی روتی چلاتی لڑکیاں سہمی ہرنوں کی مانند کپکپانے لگیں، لالے اور بالی نے بھی پستولیں کس لیں۔

وہ کرسی سے اٹھا اور چلتا ہوا ان تینوں کے قریب آیا، ان تینوں کا معائنہ باریک بینی سے کرنے کے بعد واپس اپنی مخصوص نشست سنبھال لی۔

''دو ہفتوں کے بعد تم لوگ یہ ناکارہ مال میرے سامنے لا رہے ہو۔'' وہ غصہ میں چلایا۔

لالے اور بالی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر لڑکیوں پر اچٹتی نگاہ ڈال کر باحو کو دیکھنے لگے۔

''باحو! تو تو جانتا ہے شہر کے حالات کتنے ٹائٹ ہو رہے ہیں، جگہ جگہ تو ناکے لگے ہوئے ہیں پولیس بھی جونک کی طرح شہر کے چپے چپے سے چپکی ہوئی ہے بڑی مشکلوں سے یہ مال ہاتھ لگا ہے۔'' بالی نے صفائی پیش کی۔

''دن رات لونڈیوں کے پیچھے خوار ہوئے ہیں تب جا کے ان تین بلبلوں کو پھانسا ہے۔'' لالے نے بھی حصہ ڈالا۔

''گم کرو ان بھکارنوں کو میرے سامنے سے۔'' اس کے حکم کی فوراً تعمیل کے بعد پھر سے دونوں اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

''اب کیا حکم ہے باحو۔'' بالی نے کہا۔

''تم لوگوں کو یہ کیا سستی منڈی لگتی ہے کسی کو بھی اٹھا کر میرے متھے مارو گے اور میں پانچ سو میں آگے دھکا دے دوں گا، کتوں کی طرح خاک چھان کر بھی خاک ہی اٹھائی ہے۔'' وہ شدید مشتعل تھا۔

''میں نے تو کہا تھا لالے کو کہ باحو استاد کے منہ کو نہیں لگتا یہ مال مگر اس نے بولا اگر آج بھی خالی ہاتھ گئے تو سمجھ لے باحو کے ہاتھوں ہم گئے۔'' بالی منمنایا۔

''اس لیے تو تین لائے کہ کوئی تو تجھے بھائے گی؟'' لالے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''ابے ڈھکنوں یہ سستا مال کوئی بھی بیچ سکتا ہے، ہم لوگوں نے زمیں کی حوریں بیچی ہیں حوریں اسی لیے ہماری جڑیں مضبوط ہیں اور دو دن تک اگر کوئی لڑکی دوبئی نہ پہنچی تو جو بھاری ایڈوانس ڈکار چکے ہیں نا ہم وہ میں تم دونوں کی آنتوں سے نوچ کر شیخ کو واپس کروں گا۔'' اس

نے قہر آلود نظر دونوں پر ڈالی۔

"استاد ہم پھر شکار پر جاتے ہیں اس بار تجھے خوش کر دیں گے۔" وہ پرعزم تھے۔

"شیدا نظر نہیں آ رہا کدھر مرا ہوا ہے؟" باھو کا دھیان اپنے تیسرے خاص آدمی کی طرف گیا۔

"استاد جی شیدا آج کل گھر بسانے کے چکروں میں ہے۔" بالی نے دانتوں کی نمائش کی، باھو نے چونک کر اس کو دیکھا اور شہد رنگ آنکھوں سے مخصوص اشارہ کیا جسے وہ دونوں بخوبی سمجھتے تھے۔

☆☆☆

وہ میز پر ٹانگیں پھیلائے کرسی کی پشت پر ٹیک لگائے نیم دراز تھا، جیب سے سگریٹ نکالا اور لائیٹر سے سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیا اندر کو اک لمبا سانس کھینچ کر دھواں باہر چھوڑ دیا، ناک اور منہ سے دھواں اڑاتا وہ شیدے کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ تو گھر گرہستی بسانے کے چکروں میں ہے؟" اس کے سوال پر شیدے نے گردن جھکالی۔

"یاد ہے نا اس دھندے کے کیا قانون ہیں، یا پھر اس لونڈیا نے سب بھلا دیا۔" باھو نے دانت بھینچے۔

"استاد میرا یقین کر تو جب بلائے گا شیدا سر کے بل چلا آئے گا اور نہ ہی کسی کو بھنک پڑے گی کام ایسے ہی چلتا رہے گا جیسے چل رہا ہے، کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔"

"تبدیلی نہیں آئے گی تو کس لئے بیاہ رچا رہا ہے۔" باھو نے قہقہہ لگایا، لالے اور بالی جو خاموشی سے بیٹھے مزے لے رہے تھے ان کی ہنسی بھی ابل پڑی۔

"تو بیوپار بھی کرے گا، عیاشی بھی کرے گا، میلی گنگا میں طاری بھی لگائے گا، لوگوں کی زنانیاں بیچے گا مگر اپنی بچا کے رکھے گا ہے نا۔"

شیدا خاموش رہا کہتا بھی کیا جو اس دھندے سے منسلک تھا باھو کا قانون اس پر ماننا واجب تھا، باقی سب کی طرح اس نے بھی دل و جان اور جوش و جذبے سے حلف اٹھایا تھا، باھو کے رائج کردہ قانون نامے کی ایک اہم شق کے مطابق رشتوں کی کوئی گنجائش نہ تھی، رشتوں سے بندھا شخص کسی قابل نہیں رہتا، دل میں ہلکی سی محبت کی گرد بے حسی کی جمی کائی کو کھرچ پھینکتی اور بے حسی ہی اس دھندے کا پہلا اصول تھا۔

"شیدے عیاشی کر، جتنی دل کرے کر، لیکن اپنے بھیجے میں یہ فکس کر لے کہ اگر باھو کی مرضی کے خلاف گیا تو تیری نظروں کے سامنے تیری ووٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کروں گا اور پھر تیرے، یاد رکھ پہلی غلطی ہی آخری ہے۔"

کتنی سفاکیت تھی اس کے چہرے پر، شیدا محض سر ہلا کر رہ گیا، وہ قانون شکنی کی سزا نہیں بھگت سکتا تھا، عورتوں کا کیا ہے ایک جائے گی دوسری آ جائے گی، لیکن وہ کچھ وقتی احساسات کے بدلے خود کو قطعی موت کے گھاٹ نہ اتار سکتا تھا۔

باھو جانتا تھا اس کے تینوں خاص آدمیوں میں اس کے خلاف جانے کی اوقات نہیں تھی، شیدے سے مطمئن ہو کر اس نے خاموش تماشائی بنے ان دونوں کی طرف رخ کیا۔

"اگر تم لوگوں کا پیٹ بھر گیا ہو تو ٹھکانے لگا دو۔" اس کا اشارہ ان لڑکیوں کی طرف تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں نے سر تسلیم خم کیا، باھو کے خلاف جانے کی ہمت جو نہ تھی، اس نے میز پر کچھ تصویریں پھیلا دیں، وہ چاروں سر جوڑے میز پر سر جھکائے بیٹھے تھے، اب وہ اک اچھے کپتان کی طرح اگلے معرکے کے پیچیدہ پیچیدہ نکات ان کو سمجھانے لگا۔

☆☆☆

وہ خوبصورتی سے سجے اس ہال کے قدرے سنسان کونے میں ہاتھ میں مشروب کا گلاس تھامے کھڑا تھا یہ سیاست کی نامور شخصیت ریاض قریشی کی جانب سے دی جانے والی خاص پارٹی تھی جو صرف خاص لوگوں کے لئے منعقد کی گئی تھی، شہر بھر کے معزز شرفاء مدعو تھے، وہ ان گیدر نگز کا کوئی خاص گرویدہ نہ تھا مجبوراً شریک ہونا پڑتا تھا، ڈیڑھ گھنٹے کی مشقت کے بعد اسے یہ پرسکون گوشہ عنایت ہوا تھا، لیکن یہ سکون بھی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔

"سویٹ ہارٹ تم یہاں کس سے چھپ کر کھڑے ہو۔" نویرہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم سے۔" اس نے سرسری جواب دے کر گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"اوہ پھر تو تمہاری کوشش رائیگاں گئی۔" اس نے قہقہہ لگایا، یہ ریاض قریشی کی تیسری کم عمر بیوی تھی جو اپنی بولڈ اداؤں سے سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی، لیکن برہان پر خاص عنایت تھی، وہ چمکدار سرمئی آنکھوں والے پر دل ہار بیٹھی تھی۔

برہان نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی، اسے نویرہ سمیت اس پارٹی میں موجود تمام بنت حوا میں قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی، یہاں کوئی بھی اس کے ٹائپ کی نہیں تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہاں موجود سب معزز اشخاص کی بیویاں اور گرل فرینڈز تمہیں دیکھ کر آہیں بھر رہی ہیں...... مگر میں نے بھی کہہ دیا ہے نویرہ کے ہوتے ہوئے کوئی تم پر نظر نہ رکھے۔" وہ اک ادا سے ہنستی ہوئی اس پر جھکی۔

"مسز قریشی اپنے شوہر پر بھی نظر رکھ لیں سنا ہے کہ چوتھی کے چکروں میں ہیں وہ آج کل۔" برہان طنزیہ مسکرایا۔

"ڈارلنگ اس بڈھے کی بات کر کے میرا موڈ سپوئیل مت کرو۔" میک اپ کی موٹی تہہ سے لبریز چہرے پر اک لمحے کو ناگواری کی بھی تہہ جم گئی۔

"صرف اپنی بات کرو۔" وہ اگلے ہی پل اپنی جون میں لوٹ آئی، برہان نے کوئی جواب نہ دیا اور سامنے فاؤنٹین کو دیکھتے ہوئے شربت کا گھونٹ بھرا۔

"ایسا کیا ہے اس فوارے میں اور اس شربت میں جو مجھ سے زیادہ تمہاری توجہ ان پر ہے۔" نویرہ نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک سپ لیا اور واپس گلاس اسے تھما دیا، برہان کے چہرے پر سرخی چھا گئی اور اس نے گلاس واپس نویرہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"مجھے نفرت ہے جوٹھ سے۔" لفظ چبا کر کہتا وہ وہاں سے ہٹ گیا، نویرہ اس بے عزتی پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

وہ پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہی نکل آیا تھا، شام کی لالی ہر سو پھیلی تھی، ڈوبتے سورج کی ڈوبتی کرنیں دن بھر کی بھاگ دوڑ کو بھی ڈبو رہی تھی۔

وہ پارک میں درختوں کی اوٹ میں بنے سنگی بینچ پر بیٹھا کیاریوں میں لگے پھولوں کی رنگ برنگی قطاروں کو دیکھ رہا تھا، ہوا کے شریر سے جھونکے پر پھولوں کا نٹ کھٹ سا رقص تماشبین کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا، پارک کے اس حصے میں تماشبین کے نام پر صرف دو چمکدار سرمئی آنکھیں تھیں یا پھر...... ایک خوبصورت شوخ رنگدار تتلی جو جانے کہاں سے پھولوں کو داد دینے دیوانہ وار

کیاریوں کی طرف جھومتی جھامتی اڑتی جا رہی تھی، برہان حسین پھول اور دیوانی تتلی کی پریم کتھا سے محظوظ ہو رہا تھا
وہ محبت گروں کی مکمل تصویر تھی مکمل منظر تھا، کہ اچانک منظر میں تیسرا فرد بھی دوڑا چلا آیا۔
تتلی پھولوں کی دیوانی تھی اور وہ تتلی کی دیوانی تھی، وہ تتلی کا پیچھا کرتے کرتے پارک کے قدرے سنسان حصے میں آ گئی تھی، گلابی فراک میں خود بھی گلابی ہوئی جا رہی تھی، تتلی پر نظریں مرکوز کیے اردگرد سے بیگانہ دیوانہ وار تتلی کو پکڑنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی، آخر کار پھول کا رس چوستی تتلی کو پھرتی سے اچک لیا، تتلی کو اس کے پھول سے جدا کیے فتح کے نشے میں چور جیسے آئی تھی ویسے چلی بھی گئی۔
برہان جہاں کا تہاں رہ گیا، اب نہ پھولوں میں رنگ تھے نہ ہوا میں شرارت، وہ لڑکی اپنے ساتھ پھولوں کا اور اس کا دل بھی بند مٹھی میں لے گئی تھی۔

☆☆☆

برہان کی غائب دماغی کو تقریباً تمام اسٹاف نے بھی نوٹ کیا تھا، یہ آج کی ہی بات نہیں بلکہ گزشتہ کئی ایام سے تبدیلی وقتاً فوقتاً سب کی نظروں میں آ رہی تھی مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ کوئی اس کی بات اپنے روڈ باس سے پوچھ لیتا، ہر وقت سختی سے بھینچے ہونٹوں میں مسکراہٹ کا دلفریب خم، سرمئی آنکھوں میں کسی کے عکس کی چمک، ہر پل چاک و چوبند رہنے والا لاشعوری طور پر کھویا کھویا رہنے لگے تو کیسے عشق کی مشک نہ پھیلے۔
میٹنگ روم میں ہوا کے سروں پر پھولوں کا رقص اور پھولوں پر مقناطیسی کشش کے تحت کھنچتی تتلی اور وہ...... اور وہ...... نہ میٹنگ رہی نہ پھول رہے نہ تتلی رہی...... صرف وہ...... اور کچھ بھی نہیں۔
"سر...... سر...... ایکسکیوزمی سر!" منیجر حامد نے برہان کا کندھا ہلایا، تب جا کر حقیقت کی دنیا میں واپس آیا، سب کی نظریں اسی پر مرکوز تھیں۔
"سر آپ کو کرنٹ پروجیکٹ پر اپنا پوائنٹ آف ویو دینا ہے۔" حامد کے کہنے پر ایک پل کو خود پر تاؤ آیا مگر اگلے ہی پل وہ اپنے مخصوص پروفیشنل اسٹائل میں لوٹ آیا تھا۔
میٹنگ ختم ہونے کے بعد وہ لاشعوری طور پر اسی پارک میں موجود تھا، کسی کی کھوج میں اس کی یہ موجودگی بھی پہلی بار نہیں تھی گزشتہ کچھ دنوں سے پارک میں حاضری باقاعدگی سے دی جا رہی تھی، مگر بے سود، جانے وہ کون تھی کہاں سے آئی تھی، کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا وہ، لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ اپنے ذرائع کی مدد لی جائے۔
وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا اور اس کے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اس لڑکی کی سب انفارمیشن موجود تھی، ہونٹوں کا خم اور آنکھوں کی چمک گہری سے گہری ہوتی چلی گئی۔
مہک منصور گریجویشن کی طالبہ تھی اور سونے پر سہاگہ اس کے ماتحت کام کرنے والے ایک معمولی ورکر منصور احمد کی صاحبزادی تھی، برہان کو اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، دلچسپی تھی تو بس اس میں...... فقط اس میں۔
پھر اگلے ہی ماہ اس خوبصورت تتلی کو مہک منصور سے مہک برہان بننے میں چند پل لگے تھے، بالکل ایک خواب کی طرح ایک فیری ٹیل کی طرح، خوبصورت شہزادہ آیا اور شہزادی کو فتح کر کے اپنے سنگ اپنی سلطنت میں لے گیا۔
شہزادے نے جو چاہا پا لیا، بے حد آسانی سے بنا کسی رکاوٹ کے، رکاوٹیں عام لوگوں کی

راہ میں آتی ہیں نہ کہ شہزادوں کی، شہزادی کو پا کر وہ مغرور تھا وہ فاتح تھا۔
شہزادی خوش تھی، نہ گلہ نہ شکایت، اپنوں کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے وہ بے حد خوش تھی، ہر آنکھ شہزادے کی آن بان سے متاثر تھی، شہزادی خود اپنی قسمت پر نازاں تھی، لاکھوں لڑکیوں کو چھوڑ کر شہزادے کی نگاہ کرم اس پر پڑی تھی، وہ کیسے نہ رشک کرتی وہ کیسے نہ شاد ہوتی۔

☆☆☆

زندگی آج سے پہلے تو کبھی اتنی رنگین اتنی شوخ نہ تھی۔
ساحل سمندر پر ننگے پاؤں ہاتھوں میں ہاتھ لیے اک دوجے میں گم چلتے جا رہے تھے، ڈوبتے سورج کی کرنیں سمندر کی تیز دھار لہروں میں مدغم ہو رہی تھیں۔
"تم جانتی ہو اس دنیا میں سب سے خوبصورت چیز کیا ہے؟" برہان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"کیا ہے؟" مہک نے مسکرا کر استفسار کیا۔
"تمہاری مسکراہٹ۔" برہان نے نرمی سے اس کی مسکراہٹ کو چھوا۔
"آپ جانتے ہیں اس دنیا کی سب سے خوبصورت چیز کیا ہے؟" مہک نے بھی اس کے انداز میں پوچھا۔
"کیا ہے؟" برہان مسکرایا۔
"آپ کی آنکھوں کی چمک۔" مہک نے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کو اپنی پوروں سے چھوا، برہان کا قہقہہ بلند ہوا۔
"لوگ کہتے ہیں چمکدار آنکھوں والے بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔" اس نے اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے مہک کو گھورا۔
"لوگ تو کچھ بھی کہتے ہیں آپ تو بالکل بھی خطرناک نہیں۔"
"تو کیسا ہوں میں پھر؟"
"بہت اچھے...... بہت نرم دل...... بہت معصوم۔" برہان کے بلند و بانگ قہقہے پر مہک نے غصے سے اسے دیکھا۔
"معصوم؟" ہنسنے کے دوران وہ بمشکل بولا۔
"چالاک سے چالاک عورت بھی مرد کے مقابلے میں مرد معصوم نہیں ہوتا عورت معصوم ہوتی ہے۔"
"معصوم ہوتی ہے۔" وہ ہنوز خفگی سے دیکھ رہی تھی۔
"اچھا ٹھیک ہے میں معصوم ہوں اور بتاؤ اور کیا کیا ہوں؟" برہان نے مسکراہٹ دبائے بظاہر سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"بہت برے ہیں آپ۔" اس کے رخ موڑنے پر برہان کا قہقہہ ایک بار پھر ساحل پر گونج اٹھا۔
"اور تم بہت اچھی ہو، بہت نرم دل ہو اور بہت معصوم ہو۔" برہان نے اسی کے الفاظ اک جذب سے لوٹائے، مہک ہولے سے ہنس دی۔
"چلو تمہیں اک اسپیشل جگہ دکھاتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے گاڑی کی اور بڑھا۔
"آہاں، کوئی سوال نہیں۔" اس سے پہلے کہ وہ اس جگہ سے متعلق کوئی سوال کرتی اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
گاڑی اک پارک کے آگے رکی، مہک نے برہان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
وہ پارک کے اسی گوشے میں کھڑے تھے مہک نا سمجھی میں کبھی جگہ کو کبھی برہان کو دیکھ رہی تھی کہ اتنی عام سی جگہ میں کیا اسپیشل تھا۔
"یہاں تم تتلی کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئی تھی

اور تب ہی میں نے تمہیں پہلی بار یہاں دیکھا تھا اور بس دیکھتا رہ گیا۔" برہان نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے کان میں سرگوشی کی، اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"مجھے تتلیاں بہت پسند ہیں، اس دن فرینڈز کے ساتھ آئی تھی میں تو بس تتلی دیکھی اور۔"

"اور مجھ تک پہنچ گئی تم دوڑتی دوڑتی۔" برہان نے اس کی بات اچک لی وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

موبائل کی گھنٹی بجی برہان نے نمبر دیکھا۔

"آفس سے کال ہے ایک منٹ۔" وہ تھوڑے فاصلے پر جا کر فون سننے لگا۔

مہک مسرور سی پھولوں سے اٹی کیاریوں کو دیکھنے لگی، وہ خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی تصور کر رہی تھی، برہان کی چاہت کے ان گنت ستارے صرف و صرف اس کے گرد گردش کرتے تھے، وہ خوش تھی بہت خوش، برہان کا خیال ہی روح میں تازگی بھر دیتا، اس کا ساتھ رشک و غرور میں بھگو دیتا، وہ فون پر بات کرتے برہان کو دیکھنے لگی، محبت سے، اپنائیت سے، برہان نے بھی کال کے دوران مہک کو اک نظر دیکھا، چاہت سے، حق سے، کسی اور نے بھی بینچ پر بیٹھی اس لڑکی کو بہت غور سے دیکھا، مکاری سے، حرص سے۔

☆☆☆

رات کی تاریکی اپنے پھن پھیلائے ڈسنے کو تیار کھڑی تھی، وہ برہان بلڈنگ سے نکل کر کچھ منٹ کی ڈرائیو پر قدرے سنسان علاقے میں واقع دو کمرے کے چھوٹے سے گھر میں داخل ہوا، یہ اس کی واحد پناہ گاہ تھی جس کی کسی کو خبر نہ تھی۔

اس نے الماری سے کالے رنگ کی شلوار قمیض نکال کر پہنی، نفاست سے سلجھے ہوئے ماڈرن ہیر سٹائل کو بے دردی سے بے ترتیب کیا، خوبصورت سرمئی آنکھوں میں سرمہ سلائی سے تین چار تہیں سرمہ کی لگائی، شہد رنگ لینز پہلے دائیں آنکھ میں ڈالا اور پھر بائیں، مصنوعی مونچھوں کو ناک اور ہونٹ کے درمیان سجا لیا، ہاتھوں کی تمام انگلیوں پر موٹی سلور کی انگوٹھیاں اور سستے چھلے چڑھائے، گلے اور کندھوں پر چمکدار رومال پھیلایا، مضبوط کلائی پر سلور گھڑی پہنتے ہوئے آئینے میں اپنا جائزہ لے رہا تھا، ہمیشہ کی طرح سب ٹھیک تھا، باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، برہان سے باھو تک کا سفر بس اتنا تھا۔

وہ اپنے تینوں چیلو کے ساتھ اپنے گناہوں سے لتھڑے اڈے پر موجود تھا، ایک بہت بڑی کامیابی کے بعد پینے پلانے کا دور چل رہا تھا۔

"باھو طبیعت تو ٹھیک ہے تیری۔" لالے نے پینے کے دوران پوچھا۔

"کیوں کیا ہوا؟" باھو نے جواب دیا۔

"تو پی جو نہیں رہا آج۔"

"میں پی کر آیا ہوں، عیش کرو تم لوگ۔" باھو نے مسکرا کر فیاضی دکھائی۔

"استاد ہمارا ساتھ تو دے تیرے بغیر تو مزہ ہی نہیں آ رہا۔" شیدے نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اپنا گلاس اور ادھ کھائے لوازمات کی پلیٹ باھو کے آگے سرکا دی۔

"او اناڑیا، تجھے نہیں پتہ کیا کہ باھو جوٹھ کو دیکھتا بھی نہیں سونگھتا بھی نہیں اور کھاتا بھی نہیں۔" بالی نے شیدے کو ایک دھپ رسید کی، لالے نے بھی بالی کی تائید میں سر زور زور سے ہلایا۔

"استاد شیر ہے اپنا۔" شیدا زور سے ہنسا، نشہ کے زیر اثر شیدا ہی سب سے پہلے آتا تھا۔

"جتنا جشن منانا ہے آج رات منا لو، سورج

نے سر نکالتے ہی تم لوگ کام پر لگ جاؤ گے۔" باھو نے سب پر نظر ڈالی اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ وہ اس بدبو دار جگہ پر ساری رات گزارتا۔

"باھو تو فکر ہی نہ کر کل میں نے ایسا لش پش مال دیکھا ہے کہ کیا بتاؤں آج تک ایسی چیز کسی کے ہاتھ نہیں لگی ہوئی۔" لالے کی نظروں میں یکدم پارک کی بینچ میں بیٹھی اس اپسرا کی شبیہ گھوم گئی۔

"بلے وئی بلے لالے تیری پھرتیاں، تو شروعات اسی سے کرو۔" باھو کہہ کر چلتا بنا، وہ اس جگہ پر مزید وقت ضائع کیے بغیر اپنی مہکتی جنت میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے شاندار آفس میں بیٹھا تھا، فری تھا تو ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا نمبر ملانے کے دوران اسے خیال آیا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو مہک نے بتایا تھا کہ وہ اپنی دوست کے گھر جائے گی، اس نے موبائل واپس رکھ دیا، کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں، مہک اس کی روح پر قابض تھی، وہ کمال کی ساحرہ تھی جو ہر لمحے برہان کو اپنے سحر میں جکڑے رکھتی تھی، تخیل میں بھی اس کو محسوس کر رہا تھا، اس کے خیال سے ہی ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی، فون کی گھنٹی پر وہ چونکا۔

لالے کا نمبر سکرین پر دیکھ کر مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی، برہان نے دونوں کاموں کو الگ رکھا تھا، بالکل دن اور رات کی طرح، دن اور رات اک دوسرے سے جڑے ہونے کے باوجود بھی اک دوجے سے الگ تھے، بالکل برہان اور باھو کی طرح دن برہان تھا اور رات کی روشنی میں رات کی کالک ہرگز نہیں ملنا چاہتا تھا۔

"بکو کیا مسئلہ ہے؟" برہان نے کال پک کرتے ساتھ ہی کہا۔

"باھو وہ لڑکی اٹھالی ہے۔"

"تو سلامی دوں تجھے؟"

"نہیں وہ مسئلہ ہو گیا ہے ایک۔"

"کیسا مسئلہ؟"

"باھو تو آجا ابھی۔"

"کیوں چھاپہ پڑ گیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسی بات ہے پھوٹ لے اب۔"

"باھو وہ لڑکی ہوش میں آنے کے بعد بپھری ہوئی شیرنی کی طرح گلے کو پڑ رہی تھی، شیدے کو گلاس کھینچ کر مارا دو سر پھوڑے بیٹھا ہے۔"

"او تم لوگوں سے ایک لڑکی نہیں سنبھل رہی لعنت ہے تم سب پر۔" برہان تپ کر رہ گیا۔

"باھو کا بو تو کر لیا ہے اسے مگر اس نے خود کو بھی زخمی کر لیا ہے۔" لالے کی بات پر برہان مزید طیش میں آیا۔

"ایک کمرہ وچ بھی وارے میں نہیں مجھے اور تو کہہ رہا ہے کہ زخمی کر لیا ہے۔"

"مجھے تو یہ لڑکی پاگل لگ رہی ہے، پتا نہیں کسے آوازیں دے رہی ہے اور تو اور کچھ ہی لمحوں میں کمرے کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔"

"مجھے نہ پاگل چاہیے نہ زخمی، جو کرنا ہے اس کا اب کرو تم لوگ میرے کسی کام کی نہیں، رات آ کر بات کروں گا اور ہاں خبردار ایسی فضول باتوں کے لئے آئندہ مجھے فون کیا۔" برہان نے فون بند کر کے ٹیبل پر پٹخا۔

"لڑکی نہیں سنبھالی گئی نکموں سے نقصان کروا دیا۔" ان کو بھاری گالی سے نوازا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو آنکھوں میں کوئی جال سا

محسوس ہوا منظر واضح نہ تھا، دھند سی دھند تھی، کچھ ہی دیر میں جب دھند چھٹی تو حواس بحال ہوئے۔

وہ تو گھر سے نکلی تھی اپنی سہیلی کے گھر جانے کے لئے راستے میں ٹیکری پر کچھ لینے اتری تھی اس کے بعد، اس کے بعد ذہن میں کوئی یاد نہیں، تاریکی ہی تاریکی۔

اب خود کو اک انجان کمرے میں پایا، وسوسے خدشات میں گھری اپنے ساتھ ہوئے حادثے کا تعین بھی نہ کر پائی تھی کہ دروازہ کھول کر اندر کوئی داخل ہوا۔

''ہیں، اوئے لالے شیدے اسے ہوش آ گیا ہے۔'' بالی نے وہی کھڑے ہانک لگائی، ہاتھوں میں رسی اور کپڑا پکڑے وہ اس نیت سے آیا تھا کہ ہوش آنے سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دے اور کپڑے سے آنکھوں کو ڈھانپ دے، مگر آگے تو منظر ہی اور تھا۔

''کون ہو تم لوگ اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' بظاہر وہ چیخی تھی، مگر چیخنے میں خوف چھپا تھا جو آواز کی لڑکھڑاہٹ سے عیاں تھا۔

''چڑیا ہم وہ ہیں جو تیرے پر کاٹیں گے چل اوئے بالی اب دیکھتا رہے گا یا باندھے گا بھی۔'' لالے نے بالی کو گھورا، وہ آگے بڑھا۔

خوف و ہراس اس کے دل پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا، وہ یہاں اک پل نہیں رہنا چاہتی تھی اور یہاں سے عزت و آبرو سے نکلنے کے لئے اسے آخری دم تک کوشش کرنی تھی، اس نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے آدمی پر اندھا دھند ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیئے، مسلسل چیختے ہوئے روتے ہوئے جو چیز ہاتھ میں آئی اٹھا اٹھا کر پھینکتی رہی، ہاتھ پاؤں چلاتی رہی، چیختی رہی، اور کسی کا نام پکارتی رہی۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر ششدر کھڑے آنکھیں پھاڑے اس کی حرکات ملاحظہ فرما رہے تھے، سکتہ تو تب ٹوٹا جب مردانہ آہ سنائی دی، یکے بعد دیگرے گلاس کا وار سیدھے اور سر پر لگا، شیدا سر پر ہاتھ رکھے بیٹھ گیا، ویسے بھی ذرا نازک مزاج واقع ہوا تھا اوپر سے خون کی پتلی سی لکیر جب سر سے ہوتی ہوئی چہرے تک پہنچی تو آپے سے باہر ہو گیا۔

''میں قتل کر دوں گا اس کا تم لوگوں کو یہ پاگل ہی ملی تھی کیا، دیکھ کتنا خون نکل رہا ہے۔''

اس نے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیر کر ان دونوں کی ہمدردی بٹورنی چاہی، کوئی اور وقت ہوتا تو کچھ چھینٹے خون پر خوب ٹانگ کھینچتے مگر ابھی اس بپھری گھوڑی کو نکیل ڈالنی تھی۔

لالے آگے ہوا تو اس لڑکی کا تھپڑ سیدھا نشانے پر لگا، لالے کا پارہ آسمان پر پہنچ گیا، بالی اور شیدا الگ تپے ہوئے تھے، تینوں نے مل کر اس نازک سی لڑکی کو دھنک کے رکھ دیا، جب غصہ قدرے ٹھنڈا ہوا تو اس کی حالت دیکھ عقل بھی لوٹ آئی۔

''باھو کو کیا کہیں گے وہ تو چھوڑے گا نہیں۔'' بالی کو فکر لاحق ہوئی۔

''ایسا کرتے ہیں اسے بتائیں گے ہی نہیں اور اسے ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔'' شیدے نے حل نکالا۔

''نہیں باھو سے چھپا نہیں سکتے وہ جان جائے گا بہت شاطر ہے بتانا ضروری ہے میں کرتا ہوں بات۔'' لالے نے کہہ کر فون جیب سے نکالا۔

''لیکن ابھی تو دن ہے۔'' بالی نے اصول یاد دلایا۔

''مجھے مت سکھا۔'' لالے نے نمبر ملایا اور سچ میں جھوٹ کی آمیزش کر کے سب بتا دیا، بند کر کے وہ کمینگی کے تاثرات لئے باھو کا اجازت نامہ ان کے گوش گزار کرنے لگا، ان کی نظر اب زمین پر کراہتی ہوئی مہک پر پڑی۔

ننھی مہک پھول کی دیوانی تھی اور وہ تتلی کی دیوانی تھی، وہ تتلی کا پیچھا کرتے کرتے پارک کے قدرے سنسان حصے میں آ گئی تھی، گلابی فراک میں خود بھی گلابی ہوئی جا رہی تھی، تتلی پر نظریں مرکوز کئے اردگرد سے بیگانہ دیوانہ وار تتلی کو پکڑنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی، آخر کار پھول کا رس چوستی تتلی کو پھرتی سے اچک لیا، تتلی کو مٹھی میں بند کئے دوڑتی ہوئی دور اک درخت کے گھنے سائے کے نیچے کھڑی ہو گئی۔

بند مٹھی آہستہ سے کھولی، تتلی نے پر پھڑپھڑائے اس نے پھر سے مٹھی بند کر دی، کئی بار یہ عمل دہرائی گئی، تتلی کی آزادی کی تگ و دو جیسے لطف دے رہی تھی، اب اس کے پروں سے تھام کر کبھی ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتی کبھی چہرے پر، تتلی اپنے نازک انتہائی ننھے پروں سے اس کی جلد پر ہلکی سی گرفت کرتی تو ساتھ ہی پیچھے کھینچ لیتی، کبھی جلد پر رکھتی کبھی پیچھے ہٹا لیتی، کسی بچے کی طرح اپنے کھیل میں مگن دوسرے کی تکلیف سے یکسر لا علم، کچھ ہی دیر میں پروں کا شوخ رنگ اس کی پوروں میں نقش ہو گیا، اپنی انگلیوں پر رنگ کتنا دلکش لگ رہا تھا بالکل تتلی کی طرح، اس کے دھنک رنگ پروں کو ہلکا ہلکا مسلنے لگی، اس کی انگلیاں اس کے شوخ رنگوں سے رنگتی چلی گئیں اور تتلی کا رنگ ماند پڑتا گیا، جب جی بھر گیا تو اسے ایک پھول پر چھوڑ کر چلی گئی، نڈھال تتلی پھول سے پھسل کر کانٹوں میں اٹک گئی، خار اس کے آر پار تھے، پنکھ بکھر گئے، رنگ اڑ گئے، تتلی اپنا آپ گنوا بیٹھی۔

☆☆☆

باھو نے اڈے پر پہنچتے ہی پہلے تو سب کی اچھی خاصی خبر لی، آج شام کو ہی وہ یہاں موجود تھا، اس نے ایک نظر اوندھی پڑی لڑکی پر ڈالی۔

''اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے تم لوگوں کو ننگی کا ناچ نچایا تھا۔'' اس نے آگے بڑھ کر لڑکی کو اک ٹھوکر ماری، وہ کسی بے جان شے کی طرح اک ہی ٹھوکر پر قلابازی کھا گئی، اس کا چہرہ باھو کے سامنے تھا، باھو جامد ہو گیا، جسم کا خون نچڑ گیا، حواس معطل ہو گئے، نہ پیروں تلے زمین تھی نہ سر پر آسمان، قدم لڑکھڑا گئے، وہ پوری قوت سے نیچے گرا۔

''مہک۔'' اس کے لبوں نے خاموشی سے پکارا اپنا آواز کے، آواز تھی بھی کہاں، وہ سرتاپا شل تھا۔

وہ تینوں نا سمجھی میں باھو کو دیکھ رہے تھے، لالے نے جھنجھوڑ کر اسے ہوش کی دنیا میں لانے کی کوشش کی اور یہی اس نے غلطی کی، اپنی زندگی کی آخری غلطی آخری گناہ۔

باھو نے اس کی کمر کی بیلٹ پر لٹکی پستول کھینچی اور جتنی گولیاں تھیں ان تینوں کے جسموں پر داغ دیں، نہ کوئی بات نہ کوئی مہلت۔

اندر کی آگ ان کی موت سے بھی نہ ٹھنڈی ہو پا رہی تھی، شاید غم و غصے میں آسمان موت دے بیٹھا تھا، بہر حال جو بھی تھا اس وقت صرف و صرف مہک کو بچانا تھا۔

ہسپتال میں اک، اک لمحہ اس نے ایک ٹانگ پر کھڑے گزارا ڈاکٹر نے جہاں اس کی زندگی کی خبر سنائی وہی وہ بری خبریں بھی سنا دی۔

تب سے دردوں کی آگ اس کا شریر بھی جھلسا رہی تھیں، آنکھوں کی چمک کی جگہ لہو اترا ہوا تھا،

وہ اس بوسیدہ عمارت کے سامنے کھڑا تھا جس کے اندر جانے کتنی لاشیں دفن تھیں، لیکن بظاہر تین تھیں اس کے وفاداروں کی اس کے خاص آدمیوں کی، جنہیں ان کے مالک نے ہی اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا اور اب اس عمارت کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا کر جلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

''سوری آپ کی وائف کا مس کیرج ہو گیا ہے، وہ اب بھی ماں نہیں بن سکتیں، ہمیں بے حد افسوس ہے مسٹر برہان۔'' کانوں میں آوازیں گونجنے لگیں، شاید جلتی عمارت سے چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

''جو کرنا ہے اس کا اب کرو تم لوگ، میرے کسی کام کی نہیں، مجھے جوٹھ سے نفرت ہے۔'' کوئی ہنسا تھا۔

''باھو جوٹھ کو دیکھتا نہیں سونگھتا بھی نہیں کھاتا بھی نہیں۔''

''شروعات اسی سے کرو۔''

''جوٹھ سے نفرت ہے۔'' وہ کانوں پر ہاتھ رکھے چیختا رہا چلاتا رہا، یہاں تک کہ گلا چھل گیا، رنج و غم سے جگر چھلنی تھا آہ و کرب سے دل پھٹا جا رہا تھا، وہ تب تک ادھر سے ہلا نہیں جب تک عمارت راکھ نہ بن گئی، اس عمارت کی راکھ میں باھو کی راکھ بھی شامل تھی۔

اس واقعے کو سال بیت گیا تھا، زندگی اپنی ڈگر پر لوٹ آئی تھی، زخموں پر وقت کا کھرینڈ آ چکا تھا، زخم اب بھی اپنی مضبوط جڑیں گاڑھے وہیں موجود تھے۔

مہک حتی الامکان کوشش کر رہی تھی کہ زندگی کے سیاہ ترین پہلو کو بھول جائے، برہان کا ساتھ ہی تھا جو وہ کافی حد تک زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔

باھو کا نام و نشان سب راکھ ہو لیا، رات کی تاریکی کو دن کی روشنی نگل گئی تھی، اب تھا تو صرف برہان، بظاہر مضبوط و توانا مگر اندر سے ضعیف اور کھنڈر۔

وہ چاہ کر بھی مہک کے سامنے حقیقت آشکار نہ کر پایا کہ اپنی اور اس کی بربادی کے پیچھے وہ تھا، یہ ملال ساری زندگی کا ساتھی تھا، حزن کے کانٹے اس کے سینے میں اگے تھے، حزن کا دھواں سانسوں میں رچا تھا۔

بہر حال اب جو بھی تھا اسے مہک کی خاطر جینا تھا، اپنے کیے کی سزا بھگتنی تھی، یہ تو رب کا قانون ہے، جو جیسا کرے گا اسے اسی کا پھل ملے گا۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

حدیث نبوی ﷺ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کرے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچا دیں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

سارا حیدر، ساہیوال

کام کی باتیں

- جہاں دو راستے آتے ہوں وہاں سوچ آتی ہے، جس آدمی کے پاس راستہ ہی ایک ہو اسے سوچنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔
- زندہ رہنا چاہو تو موت قیامت ہے اور مرنا چاہو تو زندگی قیامت ہے۔
- سخی تب سخاوت کریگا جب سائل بھی موجود ہو۔
- گناہ گار کا گناہ عاجزی پیدا کر رہا ہے تو وہ بچ سکتا ہے۔
- چھوٹی نیکی کو کبھی چھوٹی نہ سمجھنا، چھوٹے گناہ کو کبھی چھوٹا گناہ نہ سمجھنا۔
- اگر ایک ہاتھ اللہ کے لئے رکھ دو تو سارا وجود ہی اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا۔
- پیسہ آتا ہے ''غرور'' دینے کے لئے اور جاتا ہے مسکینی دیکر۔
- اللہ تعالیٰ کا راستہ مومن کے دروازے سے شروع ہوتا ہے۔
- فلسفہ انسان کو بوڑھا کر دیتا ہے اور شاعری تجدید شباب کرتی ہے۔
- جس سے ایک لفظ بھی سیکھو دل سے اس کی عزت کرو۔
- کامیابی کا زینہ بہت سی ناکامیوں کی سیڑھیوں سے بنا ہوا ہے۔
- اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے اگر کوئی چیز اچھی نہیں تو یہ اسلام نہیں کیونکہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔
- بچے کے لئے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے، خواہ بچے کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو۔
- خیرات دیا کرو، تاکہ تمہارے بچے بھی بھیک نہ مانگیں۔
- تحریر ایک خاموش زبان ہے اور قلم ہاتھ کی زبان۔

مسز نگہت غفار، کراچی

طلبا کی نفسیات

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو عموماً بند رکھتے ہیں وہ عام طور پر مغرور ہوتے ہیں مگر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو کھولتے

اور بند کرتے رہتے ہیں وہ عموماً نالائق ہوتے ہیں مگر گھریلو مسائل بڑی خوبصورتی سے حل کر لیتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کھول کر رکھتے ہیں مگر لکھتے کم ہیں وہ عموماً ذہین ہوتے ہیں مگر وہ دوسروں کو اچھا مشورہ نہیں دیتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کی نب جان بوجھ کر دوسروں کو چبھوتے ہیں وہ عموماً حاضر جواب ہوتے ہیں مگر انہیں زندگی میں کامیابی بڑی دیر بعد ملتی ہے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو خواہ مخواہ استعمال کرتے رہتے ہیں اور الٹی سیدھی لکیریں کھینچتے رہے ہیں، وہ عموماً حاضر جواب ہوتے ہیں مگر ان کی پڑھائی میں دلچسپی کم ہوتی ہے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو بار بار منہ میں رکھتے ہیں وہ عموماً ہوشیار ہوتے ہیں مگر کسی کی چیز کو حفاظت سے نہیں رکھتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کا ڈھکنا دوسرے ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ عموماً لیکچر کو سمجھ لیتے ہیں، مگر ان کے جذبات سرد ہوتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو کسی مسئلے کو حل کرتے وقت پین کو بار بار کتاب پر مارتے ہیں وہ ریاضی میں کمزور ہوتے ہیں مگر بہترین وکیل ثابت ہو سکتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران صرف خاص خاص باتیں نوٹ کرتے ہیں وہ عموماً امتحان میں اچھے نمبر حاصل کر سکتے ہیں مگر وہ کسی کے صحیح دوست نہیں ہوتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پنسل کو دانتوں میں دباتے رہتے ہیں وہ عموماً آرٹ میں ماہر ہوتے ہیں مگر وہ جذباتی حوالے سے بڑے حساس ہوتے ہیں۔

ساجدہ احمد، ملتان

قابل غور

ا۔ گر جانا بزدلی کی بات نہیں بلکہ گر کر نہ اٹھنا بزدلی ہے۔

۲۔ کسی شہنشاہ کے تاج سے زیادہ قیمتی موتیوں سے زیادہ چمکدار اور چاندنی رات سے زیادہ پرکشش کوئی چیز ہے تو وہ 'وفا' ہے۔

۳۔ شاعر وہ سپیرا ہے جس کی پٹاری میں سانپوں کی بجائے انسانوں کے دل بند ہوتے ہیں۔

صفہ خورشید، لاہور

بڑی باتیں

O سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں زمین پر جھکی ہوئی ہیں، جس نے اس کی شاخ کو تھام لیا وہ اسے جنت میں لے جائے گی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

O تعجب ہے اس شخص پر جو خدا تعالیٰ کو جانتا ہے اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ بھی کرتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

O زبان کو شکوہ سے روک، خوشی کی زندگی عطا کی جائے گی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

O جو شخص اپنی قدر آپ نہیں کرتا اس کی قدر کوئی دوسرا نہیں کرتا۔ (حضرت علیؓ)

O سب سے زیادہ عقلمند شخص وہ ہے جو اپنی بات کو اچھی طرح ثابت کر سکے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

عابدہ حیدر، بہاول نگر

☆☆☆



مسز نگہت غفار ---- کراچی

کہیں بے کنار سے رتجگے کہیں زرنگار سے خواب دے
تیرا کیا اصول ہے زندگی مجھے کون اس کا جواب دے
جو بچھا سکوں تیرے واسطے جو سجا سکوں تیرے راستے
میری دسترس میں ستارے رکھ میری مٹھیوں میں گلاب دے

....

شاخ سے ٹوٹ کے غنچے بھی کبھی کھلتے ہیں
رات اور دن بھی کبھی زمانے میں ملتے ہیں
بھول جا جانے دے تقدیر سے تکرار نہ کر
میں تو اک خواب ہوں اس خواب سے تو پیار نہ کر

مریم انصاری ---- سکھر

اب میں یہ کہہ سکتا ہوں
ہجر کے صدمے سہہ سکتا ہوں
تو بچھڑا تو کہیں نے جانا
میں تنہا خوش رہ سکتا ہوں

....

احباب کو رہی میری عیوب کی جستجو
میں پرخلوص ان کے ہنر تولتا رہا

....

چاہ کر تم کو ہر خوشی گنوا دی ہم نے
زندگی تم کو سمجھا تو زندگی لٹا دی ہم نے
خواب تیرا سجایا پلکوں میں جب
چپکے سے آنکھ کی روشنی گنوا دی ہم نے

عزہ فیصل ---- قصور

لمحہ موجود کے اندر بھی لمحہ امکان رہتا ہے
مجھے اکثر خود سے بھی بڑھ کر اس کا دھیان ہے
جو سرشاریاں عطا کرتا ہے ذہنوں کو
میرے پاس آ کر وہ کیوں بے جان رہتا ہے

....

یاد آتا ہے اس سے متعارف ہونا
خوشبو کا ہوا سے تعارف ہونا
دکھ کے آنسو کیوں بجتے ہیں غزل
ارماں تھا دل کا محبت سے واقف ہونا

....

ویران ہے تیرے بغیر یہ گھر
آ جاؤ کہ زندگی ہے مختصر
لوٹ کے پھر کب آیا ہے انجم
وقت گیا ہے جو اک بار گزر

نور انور ---- فیصل آباد

تو جو نہ جائے تو زندگی سنور جائے
نہ کرو ستم اتنے کہ کوئی مر جائے

....

تیرا ملنا اک خواب جیسا
اور جینا ہے عذاب جیسا

....

اس طرف سمندر کے خوفناک تیور ہیں
اور ہم گھروندوں میں سیپیاں سجاتے ہیں
وحشتوں کے صحرا میں کون یہ بتائے گا
کس کو یاد رکھتے ہیں کس کو بھول جاتے ہیں

فاریہ سلیم ---- شرقپور

میں نے پوچھا زندگی کیا ہے
ہنس پڑے پھول رو پڑی شبنم

....

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے

تسلی دی کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

یہ سوچ میں ڈوبا ہوا ٹھہرا ہوا انداز
جیسے کبھی آپس میں تعلق نہ رہا ہو
مجھ سے تو نہیں رکتے یہ بہتے ہوئے آنسو
کیا بات ہے کیا ہو گیا کیوں مجھ سے خفا ہو
سارا حیدر ---- ساہیوال

تنہائی سے باتیں کرتے شام گزاری ہے
لمحہ لمحہ جیتے مرتے شام گزاری ہے
وہ جانے کس گھر آنگن کی رونق بن بیٹھا
جس کی یاد میں آہیں بھرتے شام گزاری ہے

اے میری جان برسات کے موسم میں روٹھا نہ کر
موسم اور بھی بہت ہیں روٹھنے کے لئے

اگر آؤ تو عجب سا پتہ ہے میرا
دل سے لینا اجازت اور چل پڑنا
ساجدہ احمد ---- ملتان

تنہائی کا زہر پینا ہے مجھے
تجھے ماں یاد کر کے رونا ہے مجھے
دنیا کی باتیں جو میرے دل پہ گہرا زخم ہیں
کہ اس زخم کو بھی چھپانا ہے مجھے

تو جو رہتا نہ تھا کہ اک پل بھی میرے بغیر
مدت ہو گئی ہے اب تجھ سے ملے ہوئے

آنکھوں میں آنسو مٹتے نہیں
لوگ زخم لگانے سے باز آتے ہیں
صفہ خورشید ---- لاہور

ہوا مت مری گلیوں میں آیا کرو
آؤ تو اس کی خوشبو بھی لایا کرو
مت اتنا شور کر مت اتنا تیز چلو
اسے تو محسوس ہونے دیا کرو

تیرے حسن کے شعلوں سے جلتی ہوں مدتوں
پھر بھی تیرے قرب کی تلاش میں رہتی ہوں

اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
چڑیوں کے چہکنے سے پھولوں کے مہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی
عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

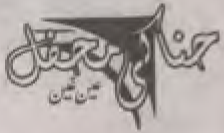
تمام عمر تعلق سے منحرف رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے
ہر اعتراض پہ گہری خاموشی
یہی تو وصف مرے ہمسفر بچایا ہے

لہجہ تھکا تھکا ترا پلکیں جھکی جھکی تری
اتنی خفیف سی خوشی کتنی صعوبتوں کے بعد
خوشبو چراغ شاعری یہ ہدیہ تیرے نام ہوں
تو بھی نہ آ سکا اتنی نشانیوں کے بعد

ہم تو یوں اپنی زندگی سے ملے
اجنبی جیسے اجنبی سے ملے
ہر وفا ایک جرم ہو گویا
دوست کچھ ایسی بے رخی سے ملے
آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

تمام شب جہاں جلتا ہے اک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

تم نے پھر بھی زمانے کے چلن سیکھ لئے
میں تو کچھ بھی نہیں کر پایا محبت کے سوا
☆☆☆



سارا حیدر ---- ساہیوال

س: حنا کی محفل میں شرکت چاہتی ہوں پلیز اجازت دیجیے؟
ج: اجازت ہے۔
س: حصول رزق حلال عبادت ہے آج کل کیسے سمجھایا جائے؟
ج: نوٹ دے کر۔
س: جو لوگ حسد کی بھٹی میں جلتے ہیں ان کا علاج بتائیں؟
ج: ان کو جلنے دو جب جل جائیں گے تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔
س: آپ کے پاس سے جلنے کی بو کیوں آ رہی ہے سچ سچ بتاؤ کون ہے وہ؟
ج: تم ہی تو ہو جو جل رہی ہو۔
س: میں نے سنا ہے آپ کی عینک بہت موٹی ہے، ویسے کیا نمبر ہے؟
ج: کیا تم اپنی عینک گھر بھول آئی ہو جو میری لگانا چاہتی ہو۔

ساجدہ احمد ---- ملتان

س: سکون بھی خواب ہوا نیند بھی ہے کم کم، کیوں؟
ج: بدہضمی کی وجہ سے ہے۔
س: کیوں جان پر بن آئی ہے بچھڑا ہے اگر وہ؟
ج: اس سے بھی پوچھو کہ تم سے بچھڑ کر وہ کتنا خوش ہے۔
س: شعر کا جواب دیں۔
سب کو فکر ہے مگر اپنے آپ کی
مجھے فکر ہے تو صرف اس کی
ج: جواب حاضر ہے۔
یہ راہ محبت کہتے ہیں پر خار بھی ہے اور دور بھی ہے
لیکن دل مضطرب کیا کیجیے مشتاق بھی ہے مجبور بھی ہے

صفہ خورشید ---- لاہور

س: کبھی لمحے صدیوں جتنے ہو جاتے ہیں
کبھی سال یہ لمحوں میں کٹ جاتے ہیں
ج: دنیا بے ثبات میں ہر شے ہے تیز گام
ہر دن کے ساتھ رات ہے اور صبح کی ہے شام
س: کبھی آنسوؤں سے ہتھیلیوں پر پڑے چھالے
کبھی کوئی بے بسی سے انہیں چھپالے
ج: نازک خیال اب بھی ہیں موجود اے فلک
خالی رہا نہیں کبھی دریا حباب سے

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

س: انسانیت کی معراج کیا ہے؟
ج: انسان بننا۔
س: دنیا کا مشکل مرحلہ کیا ہے؟
ج: آدمی کا انسان بننا۔
س: تدبیر اور تعبیر میں کتنا فاصلہ ہے؟
ج: بہت تھوڑا۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

س: یہ چلتے چلتے رک کیوں گئے؟
ج: تم نے آواز جو دی۔
س: سوچ لو پھر نہ کہنا؟
ج: سوچ بھی لیا کچھ نہیں کہوں گا۔

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

س: یہ دنیا والے بڑے بے وفا ہوتے ہیں؟

ج: مجھے تو دنیا والوں میں شامل نہ کرو۔
س: کل میں نے اسے ڈانٹا تو بہانے بنانے لگا؟
ج: چھوٹا بھائی ہے پیار سے بھی بات کریں اس بیچارے سے۔
س: میں جب بھی اس کی طرف دیکھتی ہوں تو نظریں جھکا لیتا ہے؟
ج: ابتدائے عشق جو ہے نا۔
س: میرا دل زور زور سے ہنسنے کو چاہتا ہے؟
ج: بڑی خطرناک علامت ہے۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: چپ چاپ میری بات سنو؟
ج: شکر ہے کچھ سنانے کا خیال تو آیا۔
س: یہ روگ مجھے اس جوگی سے لگا ہے؟
ج: سانپ کی چال نہ چلیں کیونکہ جوگی پڑ لیتے ہیں۔
س: یہ زندگی افسانہ ہے ناول ہے یا ناولٹ؟
ج: جی کہانی بھی ہو سکتی ہے۔

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

س: میں کیا کروں مجھ سے کچھ نہیں ہو پاتا؟
ج: سارا دن لیٹے رہنا یہی حال ہوگا۔
س: میں نے سنا ہے کہ وہ؟
ج: کیا سنا ہے اس کے بارے میں۔
س: میں بھی کتنی نادان ہوں؟
ج: چلو اب پتہ چل گیا۔

آمنہ خان ---- راولپنڈی

س: لوگ آسمان سے کیا چاہتے ہیں؟
ج: گرمیوں میں بارش اور سردیوں میں دھوپ۔
س: یہ دنیا والے محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن محبت کرنے والوں کے دشمن ہوتے ہیں؟
ج: اسے فعل اور قول میں فرق کہتے ہیں۔
س: اب میرے پاس پوچھنے کے لئے کچھ بھی نہیں؟
ج: لیکن میرے پاس جواب دینے کو بہت کچھ ہے۔

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

س: یہ بزرگ لوگ ہر وقت اپنے جوانی کے قصے کیوں سناتے ہیں؟
ج: اس کے سوا ان کے پاس اور ہوتا ہی کیا ہے۔
س: وہ پہلے سے آیا کچھ نہ کہا اور چلا گیا؟
ج: اس نے کسی کے آنے کی آہٹ سن لی ہوگی۔
س: میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں کروں یا نہ کروں چلو نہیں کرتے آپ بھی کیا یاد کریں گے کسی رئیس سے پالا پڑا تھا؟
ج: اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش نہ کرو۔
س: عین غین جی تم آخر ہو کیا شے؟
ج: بس عین غین ہوں جو سمجھنا ہے سمجھ لو۔

حنا شاہین ---- حیدر آباد

س: میں اب تک یہ سمجھ نہیں سکی کہ آپ سوالوں کے جواب کیا دیتے ہیں؟
ج: جواب سمجھنے کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔
س: چلو جی مان لیتے ہیں کہ آپ بڑے عقلمند ہیں لیکن ہم بھی کسی سے کم نہیں؟
ج: یہ میں نے کب کہا ہے آپ کسی سے کم نہیں میں تو میں ہی ہوں۔
س: سنو سنو اے دنیا والوں عین غین کی امر کہانی؟
ج: آپس کی باتیں دوسروں کو نہیں بتاتے۔

☆☆☆



نکتہ چیں

ایک شخص کو بیوی کے کاموں میں نکتہ چینیاں کرنے کی عادت تھی، ایک روز وہ دفتر سے لوٹا تو اس کی بیوی نے انڈہ ابال کر دیا جس پر اس نے کہا۔
"آج تو میں نے آملیٹ کھانا تھا؟"
دوسرے روز بیوی نے آملیٹ بنا دیا تو وہ بولا۔
"میں نے تو ابلا ہوا انڈہ کھانا تھا۔"
تیسرے روز بیوی نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ایک ساتھ آملیٹ اور ابلا ہوا انڈہ پیش کیا جس پر شوہر ناراض ہونے لگا۔
"کر دیا ناں ستیاناس جس انڈے کا آملیٹ بنانا تھا اسے ابال دیا اور جسے ابالنا تھا اس کا آملیٹ بنا دیا۔"

آمنہ خان، راولپنڈی

فکر

لیکچر روم میں پروفیسر صاحب لیکچر دے رہے تھے کہ ایک بات پر بحث شروع ہو گئی کہ انسان کے مرنے کے بعد روحیں نہیں مرتیں، بلکہ زندہ رہتی ہیں۔
کچھ شاگردوں کا نظریہ تھا کہ روحیں مرنے کے بعد کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہیں، اسی دوران ایک لڑکے نے اٹھ کر سوال کیا کہ۔
"اگر میرے مرنے کے بعد میری روح کسی گدھے کے جسم میں چلی گئی تو پھر کیا ہوگا؟"
پروفیسر صاحب اطمینان سے بولے۔
"تم فکر مت کرو روحیں کبھی اپنے پرانے جسم میں واپس نہیں جاتیں۔"

صابرہ سلطانہ، کراچی

شجرہ نسب

ابن انشاء اپنے شجرہ نسب پر روشنی ڈالتے ڈالتے ایک پتے کی بات کر جاتے ہیں کہ آدمی کے لئے کیا ایک ہی حوالہ کافی نہیں کہ وہ ابن آدم ہے وہ لکھتے ہیں۔
"پروفیسر محمد ایوب قادری ایک محقق آدمی ہیں، شجرہ نسب مانگ رہے تھے ہمارے ہاں کہاں سے آتا۔"
ہم نے کہا کہ "بزرگوں میں ہمیں اپنے والد کا نام دیا ہے ایک اور مورث اعلیٰ کا کہ اپنے زمانے کے مشہور پیغمبر تھے، بولے کون؟"
ہم نے حضرت آدم کا نام بتایا تو عقیدت سے ادھ موئے ہو گئے۔ (ابن انشاء کی تصنیف "خمار گندم" سے)

حنا شاہین، حیدر آباد

گھاٹا

کرتے کرتے وہ یہ بات بھی کر گیا
مری محبت میں اسے گھاٹا پڑ گیا
پچھلے سال تھا جیب میں لاکھ روپیہ
سال کے بعد جیب میں سناٹا پڑ گیا
پچھلے سال چلتا تھا سپر اسٹور
اب کے سال ٹھیلہ فٹ پاتھ پر پڑ گیا

کل تک کھاتا تھا میں برگر فائیو اسٹار کے
آج مجھ کھانا لنگر سے پڑ گیا
مری کوٹ پتلون سب گئی ہیں بک
فقط مرے پاس کرتا رہ پجامہ گیا
گھر کر دیا جب سے میں نے تیرے نام
سونا مجھے جب سے سڑک پر پڑ گیا

سدرہ خانم، ملتان

ماہر امراض نسواں

ڈاکٹر صاحب ایک مریض کو دیکھتے ہی بولے۔

''آپ کو تو عینک کی بہت عرصے سے ضرورت ہے لیکن آپ آج نظر چیک کرانے آئیں ہیں۔''

مریض نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''کمال ہے، آپ کو یہ بات میرا معائنہ کرنے سے پہلے ہی معلوم ہوگئی، آپ تو یقیناً تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

''تجربے کی تو اس میں کوئی بات نہیں ورنہ آپ بورڈ پڑھ لیتے، میں ماہر امراض نسواں ہوں۔''

آسیہ فرید، خانیوال

مناسب موقع

اسٹیج ڈرامے کے دوران ایک کارندہ ہانپتا ہوا دوڑا دوڑا پروڈیوسر کے پاس پہنچا، پروڈیوسر اس وقت ڈریسنگ روم میں ہیروئن کے ساتھ کولڈ ڈرنک پی رہا تھا۔

''کیا بات ہے اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''

''سر وہ ہیرو نے ولن کو گولی مار دی ہے لیکن ولن نے چپکے سے ہاتھ بڑھا کر مجھے یہ چٹ تھما دی ہے۔''

کارندے نے ایک چٹ پروڈیوسر کو دے دی، اس پر لکھا تھا۔

''میرے بقایا جات پچھلے پردے کے پیچھے سے دے جاؤ ورنہ میں گولی کھانے کے باوجود نہیں مروں گا۔''

مریم انصاری، سکھر

نشے باز

ایک شرابی نشے کی حالت میں ایک عورت سے ٹکرا گیا، عورت غصے کی ذرا تیز تھی، گالیوں کے ساتھ ساتھ اس نے شرابی کے دو ہاتھ بھی جڑ دیئے، شرابی کو بھی جواباً غصہ آگیا اور وہ جل کر گویا ہوا۔

''میں نے پوری زندگی میں تمہارے جیسی بدصورت عورت نہیں دیکھی۔'' عورت شرابی کے اس جملے پر بولی۔

''میں نے بھی اپنی پوری زندگی میں تمہارے جیسا گھٹیا نشے باز نہیں دیکھا۔''

''میرا نشہ۔'' شرابی ذومعنی انداز میں مسکرایا۔

''میرا نشہ تو صبح تک اتر جائے گا۔''

عزہ فیصل، قصور

ریسرچ

''تم دو سال کہاں غائب تھے؟''

محبوبہ نے طویل جدائی کے بعد ملاقات ہونے پر اشتیاق سے سوال کیا۔

''کیا تم دوبئی چلے گئے تھے؟''

''نہیں۔''

عاشق نے جواباً قہقہہ لگایا۔

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

مسز نگہت غفار: کی ڈائری سے ایک نظم

ادھ جلے سگریٹوں کے ٹکڑے
میز پر پھیلی ہوئی چائے کی پیالیاں
ڈسٹ بین میں کاغذ کے بیشمار ٹکڑے
کہانیوں کے مختلف صفحات نامکمل اور ادھورے
آتشدان میں جلتی آگ گھڑی کی ٹک ٹک
پرہول سناٹا، رات کا پچھلا پہر اور اس کی سوچیں
دور کہیں سے جھینگروں کی کان میں چبھتی آوازیں
گلی میں بھونکتے لڑتے کتوں کا بے ہنگم شور
''سی'' کی آواز کے ساتھ اس نے
انگلی میں پکڑی سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک دی
اس کے لبوں پر بیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی
اور پھر اس نے اپنی ہی آپ بیتی لکھ ڈالی

سارا حیدر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

میں اپنی ذات
انا اور خودداری کے سپرد کیے
منزل بہ منزل چلتی جارہی تھی
یہ سوچے بنا کہ
کبھی کبھی ذات کی حفاظت کے لیے
انا اور خودداری بھی قربان کرنا پڑتی ہے
کبھی اک لمحہ کی خوشی کی خاطر
ہزار لمحوں کی غموں کی مسافت
بھی طے کرنا پڑتی ہے

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

تم بن لیتے ہو ریشمی خواب
دھاگے کچے بھی ہوا کرتے ہیں
کہتے ہیں ناں چند لوگ محبت کو دغا
جذبے سچے بھی ہوا کرتے ہیں
اک جھوٹ قائم نہیں دنیا ساری
لوگ سچے بھی ہوا کرتے ہیں
مانا کہ ٹوٹا کرتے ہیں وعدے پیار کے
بندھن پکے بھی ہوا کرتے ہیں
بدنام تو زمانے نے کیا انہیں آنسہ
دل والے اچھے بھی ہوا کرتے ہیں

صفہ خورشید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''مشورہ''

اپنی سب خواہشوں کا گلا گھونٹ کر
جسم وجاں کو نئی زندگی بخش دے
وقت یونہی نہ رو رو کے ناشاد کر
یوں نہ اپنی جوانی کو برباد کر
بیتے لمحوں کو ہر پل نہ اب یاد کر
خدا کی یاد سے دل کو آباد کر
مجھ سے بہتر ملے گا تجھے ہمسفر
اے میری جان جاں!
گر نہ ہوتیں مرے پاؤں میں بیڑیاں
بنا کے دلہن تجھے لاتا میں اپنے گھر
اے مری دلربا اب نہ آنسو بہا
بیتے لمحوں کو جان وفا بھول جا
بیتے لمحوں کو جان وفا بھول جا
یوں سمجھنا کہ ماضی اک خواب تھا
اک حسین خواب تھا

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

تم سے اچھا تو یہ چاند ہے
جو نظر نہ آتا ہے

تم سے اچھے تو یہ ستارے ہیں
جو دل کی بات تو سنتے ہیں
تم سے اچھے تو یہ آنسو ہیں
جو سدا آنکھوں میں رہتے ہیں
تم سے اچھی تو تمہاری یاد ہے
جو بھولتی ہی نہیں
مگر پھر بھی دل کہتا ہے
کہ تمہارے جیسا کوئی بھی نہیں
اس جہاں میں تمہیں بھی نہیں

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے وصی شاہ کی غزل

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو
تم ہتھیلی کو مرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں مرے نام کا کاجل کر دو
اس کے سائے میں مرے خواب دہک اٹھیں گے
مرے چہرے پہ مہکتا ہوا آنچل کر دو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کے برسو مجھ پر
اس قدر برسو میری روح میں جل تھل کر دو

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک غزل

باندھ لیں ہاتھ پہ سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے تعویذ بنا لیں تم کو
پھر تمہیں روز سنواریں بڑھتا دیکھیں
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو
کیا عجب خواہش اٹھتی ہیں ہمارے دل میں
کر کے منا سا ہاتھوں میں اچھالیں تم کو
کبھی خوابوں کی طرح آنکھ کے پردے میں رہو
کبھی خواہش کی طرح دل میں بلائیں تم کو
اس قدر ٹوٹ کے تم پہ ہمیں پیار آتا ہے
اپنی بانہوں میں بھرے مار ہی ڈالیں تم کو

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

سوچ نگر کے باسیو
مت مرا دل پریشان کرو
وہ لوٹ نہیں آئے گا
مت دل میں چراغ جلایا کرو
وہ آیا بھی تو
دہلیز سے لوٹ جائے گا
جب بھی مرے نگر آئے گا
مرا دل بھی اب تو ہے
قید و بند پنجرے میں
وقت کی فصیل کا
لگا ہے تالا سا
وہ لوٹ نہیں آئے گا
مت چراغ امید جلایا کرو

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

اسے اپنے قرار کی فکر تھی
وہ جو میرا واقف حال تھا
وہ جو اس کی صبح عروج تھی
وہ ہی میرا وقت زوال تھا
میری بات کیسے وہ مانتا
میرا حال کیسے وہ جانتا
وہ تو خود منزل کے سفر میں تھا
اسے روکنا بھی محال تھا
کہاں جاؤ گے مجھے چھوڑ کر
میں پوچھ پوچھ کر تھک گئی
وہ جواب مجھے نہ دے سکا
وہ تو خود سراپا سوال تھا
کیا اس کا بیت حسن تھا
کیا اس کا رنگ جمال تھا
وہ ستارہ کہاں کھو گیا
جو اپنی مثال آپ تھا
وہ ملا تو صدیوں بعد بھی
میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

اسٹیم رائس ود ھ ٹماٹو چکن

اشیاء

مرغی کا گوشت ابال لیں	ایک کپ
گاجر	ایک سے دو عدد
ہری مرچیں چوپ کرلیں	دو عدد
پیاز	ایک عدد
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
چائنز نمک	ایک چائے کا چمچہ
یخنی	آدھا کپ
کارن فلور	آدھا کپ
(پانی میں گھول کر پیسٹ بنالیں)	
تیل	آدھا کپ
چاول ابال لیں	ایک کپ

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں گوشت ڈال کر فرائی کریں، دو منٹ بعد اس میں گاجر، ہری مرچیں، پیاز ڈال دیں اور تین سے چار منٹ تک فرائی کریں، اب اس میں یخنی نمک، چائنز نمک اور ٹماٹو کیچپ ڈال کر دو منٹ تک پکائیں، اب کارن فلور کا پیسٹ ڈالیں اور چمچے سے مکس کرتے ہوئے گریوی بنالیں، ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

مرغ انڈہ پلاؤ

اشیاء

مرغی دھو کر صاف کرلیں	آدھا کپ
لہسن کے جوے	چھ عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
چھوٹی الائچی	چار عدد
بڑی الائچی	دو عدد
لونگ	چھ عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
ثابت دھنیا	دو ٹکڑے
ثابت سیاہ مرچیں	دو چائے کے چمچے
ثابت زیرہ	دو چائے کے چمچے
تیز پات	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	چار عدد
(دو پیاز کے بڑے ٹکڑے اور دو پیاز کے سلائس کاٹ لیں)	
انڈے ابال لیں	چھ عدد
چاول صاف کر کے بھگو دیں	ایک کلو
ہری مرچیں	چار عدد
ٹماٹو پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
دہی	چار کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت
پیاز تلی ہوئی	گارنشنگ کے لئے
ادرک، لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے

ترکیب

ململ کے سفید کپڑے میں تین عدد لونگ اور چھوٹی الائچی، بڑی الائچی، ثابت دھنیا، ایک

چائے کا چمچ ثابت سیاہ مرچیں، ایک کھانے کا چمچ زیرہ، تیز پات، پیاز کے ٹکڑے، ادرک، لہسن کے جوے اور دار چینی ڈال کر پوٹلی بنا لیں، ایک پتیلی میں پانی میں نمک، مرغی کا گوشت اور تیار کی ہوئی پوٹلی ڈال کر ابالیں، (پانی اتنا ڈالیں کہ گوشت گلنے کے بعد تین سے چار کپ یخنی باقی بچ جائے) اب گوشت کو نکال کر الگ رکھ لیں اور یخنی کو چھان کر الگ رکھ دیں۔

ایک پتیلی میں تیل گرم کریں، اس میں باقی بچا ہوا زیرہ، لونگ، الائچی اور ثابت سیاہ مرچیں ڈال کر چمچ چلائیں، اب اس میں سلائس کی ہوئی پیاز ڈال کر ساتھ فرائی کریں، دہی، ٹماٹو پیسٹ، ہری مرچیں، نمک، لال مرچ کٹی ہوئی، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ادرک، لہسن کا پیسٹ اور ابلا ہوا گوشت ڈال کر بھونیں، تیل الگ ہو جائے تو اس میں چاول ڈال کر چمچ چلائیں اور الگ رکھی ہوئی یخنی ڈال کر تیز آنچ پر ابال آنے تک پکائیں، پانی خشک ہونے لگے تو آنچ دھیمی کر کے دم لگا دیں، سرونگ ڈش میں نکال کر تلی ہوئی پیاز چھڑکیں اور ابلے ہوئے انڈے رکھیں، مزے دار مرغ انڈا پلاؤ تیار ہے، رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

چکن بریانی مسالا

اشیاء

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
پیاز چوپ کر لیں	دو عدد
دہی	ایک کپ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی کپ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
ہرا مسالا	آدھا کپ
زرد رنگ	ایک چٹکی
نمک	حسب ذائقہ
سونف پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
چاول ابال لیں	آدھا کپ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
لیموں	دو عدد
آلو بخارے	چار عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

تیل گرم میں پیاز ڈال کر فرائی کریں، اس کے بعد اس میں گوشت، لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر فرائی کر لیں، اب اس میں نمک، کٹی ہوئی لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر ڈال کر بھونیں، اب دہی، گرم مسالا پاؤڈر، سونف، آلو بخارا، زیرہ پاؤڈر ڈال کر پکائیں، سوس پین میں چاول گوشت، ہرا مسالا، لیموں، زرد رنگ اور کیوڑہ ڈال کر دم پر رکھیں، مزے دار چکن بریانی مسالا تیار ہے، رونگ ڈش میں نکال کر گارنش کر کے رائتے کے ساتھ سرو کریں۔



کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے پیارے پاکستان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین یارب العالمین۔

موسم ایک بار پھر بدلنے کو ہے بہار کی دستک پر قدرت کی جلوہ گری رنگوں میں ڈھل جائے گی، خزاں کے بعد بہار خوش آمیدی کا استعادہ ہے، وقت کے ساتھ تبدیلی فطرت کا قانون ہی نہیں امید کا پیغام بھی ہے۔

اندھیرے کتنے ہی گھیرے کیوں نہ ہوں حالات کتنے ہی دل شکن کیوں نہ ہوں دعا، کوشش، جدوجہد اور محنت ایک دن ضرور بار آور ہو گی، کیوں انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی، کٹھن حالات اور آزمائش بھی ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور کبھی قدرت ان کے ذریعے ہماری سوچ کو نکھارنے اور ہمیں کندن بنانے کا کام بھی لیتی ہے، بات صرف حوصلے اور یقین کی ہے کہ چمن میں خزاں کے بعد ہی پھول کھلتے ہیں۔

اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں آپ سے محبت کرتے ہیں، آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اور چلتے چلتے درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہیں کہ ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی میں ہی پنہاں ہے۔

یہ پہلا خط ہمیں شازیہ رحیم کا کوٹ ادو سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

فروری کا شمارہ اپنی سابقہ روایت کو توڑتے ہوئے اس مرتبہ جلد مل گیا صد شکر، سرورق بہت خوب، سردار طاہر محمود صاحب کی باتیں دل کو اچھی لگیں، اسلامیات کی روشنی سے منور ہو کر انشاء نامہ پڑھا جو ہمیشہ کی طرح پسند آیا۔

سب سے پہلے میں بات کروں گی بشریٰ سیال کے ناولٹ ”ہمی رقصم“ کی زبردست بشریٰ آپی آپ کمال لکھ رہی ہیں آپ کا یہ ناولٹ بے حد اچھا ہے ہر کردار پر آپ کی محنت اور خاص توجہ نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا کریں اور حنا میں ہم یونہی آپ کی تحریریں پڑھتے رہیں آمین۔

تحسین اختر ایک طویل عرصے بعد حنا میں جلوہ گر ہوئیں ”شہر دل کے راستے“ سجائے ہوئے، زبردست، تحسین آپ کی تحریر بھی دلچسپی سے بھرپور ہے، مکمل ناول کی طرف بڑھے تو فرحت انصاری کی ”محبت خوش گماں ہے“ کا نعرہ بلند کرتی ہوئی ملی، تحریر دلچسپ تھی مگر یہ کیا آگے باقی آئندہ دیکھ کر بلبلا اٹھے، فوزیہ آپی یہ سب کیا ہے؟ ناولٹ دو عدد اور دونوں کے اینڈ پہ باقی آگے ماہ اور مکمل ناول بھی ”اگلے ماہ“ دو سلسلے وار ناول تو ہیں ہی، سارا حنا ہی اب اگلے ماہ سے سجا نظر آ رہا ہے، ایسا کیوں؟

”من میت“ ریحانہ آفتاب کی تحریر بھی

اچھی تھی، شبانہ شوکت نے بے حد احساس موضوع پر قلم اٹھایا اور نبھایا بھی، بس ناول کا عنوان کچھ پسند نہیں آیا، افسانوں میں فصیحہ آصف کی ''تنہائی'' اور فلک ارم ذاکر کی ''تیرے ہجر کے پھول'' اچھی کوشش تھی جبکہ سیما بنت عاصم کی تحریر میں کچھ نہیں تھا، حنا میں سیما کی تحریریں اکثر ہی ہلکی پڑھنے کو ملتی ہیں جبکہ اور ماہناموں میں تو وہ ٹھیک ٹھاک لکھتی ہیں؟ سونیا چوہدری کا ویلنٹائن ڈے پر لکھا افسانہ بے حد پسند آیا۔

سلسلے وار ناول میں ''دل گزیدہ'' ام مریم اس تحریر میں اپنا سابقہ انداز برقرار نہیں رکھ پا رہیں جو ان کے حنا میں شائع ہونے والے سابقہ سلسلے وار ناول ہے، رومانس پہ لکھنا اور خوب لکھنا، مریم کا پلس پوائنٹ ہے جو اس تحریر میں ہمیں کہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ پلیز مریم جی آپ اسی انداز میں لکھیں جو آپ کا انداز ہے۔

''پربت کے اس پار کہیں'' میں اللہ اللہ کر کے عیشہ کے گھر بھی کوئی خوشی کی کرن جگمگائی، اگلی قسط کا انتظار ہے، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ، رنگ حنا، حنا کی محفل، حنا کا دستر خوان، میری ڈائری سے اور کس قیامت کے یہ نامے، ہر سلسلہ ہی اپنی اپنی جگہ بہترین ہے۔

فوزیہ آپی پلیز مدیحہ تبسم، طیبہ ہاشمی، عالی ناز ان سب کو کہیں ڈھونڈ کر حنا میں حاضر کریں طویل عرصہ ہو گیا ان کی کسی تحریر کو پڑھے ہوئے۔

شازیہ رحیم خوش آمدید دس سال کے طویل عرصے کے بعد حنا کی محفل میں لوٹنے پر، ضروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہیں، ام مریم کے ناول کے متعلق آپ کا شکوہ بجا ہے مگر آپ ذرا ناول کے نام پر بھی غور کریں ''دل گزیدہ'' مریم سے شکوہ خود بخود ختم ہو جائے گا، جن مصنفین کو آپ نے پکارا یقیناً وہ اپنی مصروفیات میں ٹائم نکال کر حنا میں اپنی تحریروں کے ساتھ حاضر ہوں گی آپ کے ساتھ ساتھ ہم بھی ان سب کو مس کر رہے ہیں خصوصاً عالی ناز، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

ندا علی عباس: ہماری پیاری پیاری سی ناراض ناراض سی مصنفہ کافی غصے میں لگ رہی ہیں، آیئے دیکھتے ہیں کیا کہہ رہی ہیں۔

آپی آپ سے ایک نہیں بلکہ پوری دو شکایتیں کرنی ہیں پہلی تو یہ کہ حنا پچھلے تین چار ماہ سے بہت لیٹ مل رہا ہے کہاں دو تین تاریخ کو ملنے والا میگزین اب چودہ پندرہ کو ملتا ہے، پلیز ذرا جلدی بھیجا کریں ناں، دوسری شکایت، ستمبر میں میری پہلی کہانی شائع ہوئی مجھے خوشی ہوئی آپ کا بہت بہت شکریہ بٹ میں نے تین چار کہانیاں اور بھیجی ہوئی ہیں مگر دسمبر کے شمارے میں آپ نے ایک اور پرچے میں حنا ڈائجسٹ کا ایڈ دیا اس ایڈ میں میری کہانی اور نام بھی شامل تھا مگر جنوری کے شمارے میں میری کہانی غائب اور ایک اور رائٹر میری جگہ تھیں اب پھر وہی فروری کے ایڈ میں میرا نام اور کہانی موجود ہے مگر فروری کے شمارے میں نہیں لگی آپی کیوں؟ اگر کہانی شائع نہیں کرنی تو ایڈ میں نام تو مت دیا کریں خواہ مخواہ دل چھلانگیں مارتا ہے ہمیشہ میں دوسرے شماروں میں ایڈ دیکھ کر (جن میں میرا نام شامل ہو) میں سب کو آگاہ کر دیتی ہوں کہ میری کہانی لگی ہے ضرور پڑھنا مگر شمارہ ملتے ہی جو بے عزتی ہوتی ہے وہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی، پلیز اتنا تو میں جان گئی ہوں میری کہانیاں ناقابل اشاعت نہیں اگر ہوتی تو ایڈ میں تو بالکل بھی نام

نہ آتا پلیز آپی کوئی وجہ تو ہو گی ناں یہ سب کرنے کی۔

ندا علی عباس، اس محفل میں دل و جان سے خوش آمدید، تمہاری بہت سی تحریریں ہمارے پاس تیار اور محفوظ ہیں، جیسے جیسے باری آتی گئی شائع ہوتی رہیں گی، اس ماہ خوش ہو نہ ضرور بتانا، تمہارے نمبر پہ کال کی مگر ہمیشہ بند ہی ملا، رابطے میں رہا کرو غائب نہ ہو جایا کرو، فون پر انشاء اللہ جلد بات ہو گی شکریہ۔

لیلیٰ رنواز: بھکر سے لکھتی ہیں۔

ماہنامہ حنا مجھے بے حد پسند ہے اور مجھے حنا کو پڑھتے ہوئے صرف ایک سال ہی ہوا ہے لیکن بہت گہرا تعلق لگتا ہے حنا سے، جس کہانی نے خط لکھنے پر مجبور کیا وہ بشریٰ سیال کی ''می رقصم'' ہے، بشریٰ جی عروبہ کے ساتھ ظلم کی حد کر دی لیکن فارقلیط حسن سے اس کی شادی کروا کے سارے غموں کا مداوا بھی کر دیا عیسیٰ احمد کی قسمت میں عروبہ لکھی ہی نہیں ہے اور مجھے عیسیٰ احمد سے زیادہ فارقلیط حسن پسند ہے، ام مریم کا ''دل گزیدہ'' بھی مجھے بہت پسند ہے، لیکن شانزے مجھے بالکل پسند نہیں ہے منیب چوہدری نے حمدان کے لئے ایک بہت غلط فیصلہ کیا، قدر کے لئے یقیناً سلیمان قدر کے والد نے اچھا فیصلہ کیا ہو گا، علی شیر کسی طرح بھی قدر کے قابل نہیں ہے مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے ''پربت کے اس پار کہیں'' میں نہیں پڑھتی کیونکہ مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی شاید وہ بہت پہلے سے شروع ہے اس لئے باقی سلسلے بھی مجھے بہت پسند ہیں۔

لیلیٰ رنواز اس محفل میں خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

نجم: ڈیرہ غازی سے اس محفل میں رونق افروز ہوئی ہیں اور وہ سے لکھتی ہیں۔

اس دفعہ کا شمارہ کافی تنگ و دو کے بعد ملا، ایک نظر میں ہی ٹائٹل پسند آ گیا، تھوڑا الگ سا تھا، جلدی سے ''کس قیامت کے یہ نامے'' پر جا پہنچے، جہاں اپنا خط موجود پا کر اطمینان ہوا وہی فوزیہ آپی آپ کا یہ کہنا کہ۔

''آپ کی تحریریں اچھی ہیں، انشاء اللہ جلد شائع ہوں گی۔''

سیروں خون بڑھا گیا آپی میں بے حد خوش ہوں، آپ کی رائے میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے تھینک یو فوزیہ آپی۔

اور جہاں تک بات ہے نام کی تو آپ کی رائے سر آنکھوں پر، اب سے میں ایس کے جھنگی کے نام کی بجائے ''سعدیہ انجم'' کے نام سے لکھوں گی، اب باقی شمارے کی طرف آتے ہیں، سب سے پہلے ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھیں، پڑھ کر ایک دفعہ پھر نجانے کتنی معصوم ''زینب'' یاد آ گئیں، اللہ ہمارے پیارے وطن کو ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔

23 مارچ کی بھی آمد آمد ہے، یوم پاکستان کی سب کو مبارک باد ہو۔

''پیارے نبی کی پیاری باتیں'' میں سود کے متعلق تفصیل بیان کریں، پلیز۔

کہانیوں میں اس دفعہ سب سے پہلے نایاب جیلانی کی ''پربت کے اس پار کہیں'' سے کیا بہت اچھی تحریر ہے، اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے، ام مریم کی ''دل گزیدہ'' ہمیشہ کی طرح پسند آئی، ویلڈن ام مریم، آپ بہت اچھی رائٹر ہیں، مکمل ناول میں ''من میت'' ریحانہ آفتاب کا اے ون تھا، آریان کا گفٹ دینے کا انداز بے حد پسند آیا، فرحت انصاری نے بھی لاجواب لکھا، میرے خیال میں یہ ایک بہترین کہانی ہے،



سٹارٹ خوب ہے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے، بلاشبہ دوسروں کے لئے کھودے گئے گڑھے میں کھودنے والا ہی گرتا ہے، انسان کا بویا ہی اس کے آگے آتا ہے، منزہ جیسی عورت ہمارے معاشرے کو گرہن لگا رہی ہے، تیسرا ناول شبانہ شوکت کا ہے بے حد معذرت بالکل اچھا نہیں لگا۔

ہاں جوان کے ناول پر اسکیچ تھا وہ خوب تھا، افسانوں میں سب نے ہی بہتر لکھا خاص کر بیما بنت عاصم نے البتہ ''ویلنٹائن ڈے'' نے بور کیا، باقی شمارہ زیر مطالعہ ہے۔

سادہ انجم خوش رہو، فروری کے شمارے کے لئے آپ کی محبتیں اور پسندیدگی ہمارا قیمتی سرمایہ، آپ کی پسندیدگی مصنفین کو ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے، پیارے نبی کی پیاری باتوں کے سلسلے میں آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ جلد پوری کریں گے، پی ایس ایل میں جو بھی جیتے جیت تو ہماری ہی ہے، بس یہ سوچ کر دیکھیے گا ان میچز کو، اپنی رائے سے آگاہ کرتے رہیے گا ہم منتظر رہے تے شکریہ۔

فریدہ جاوید فری: لاہور سے تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

فروری کا حنا ملا پڑھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے ناول اور افسانے بے حد معیاری تھے، بس پتہ نہیں میں نے اس میں کیوں لکھنا چھوڑ دیا اس وجہ سے کہ اس کے خطوط بہت ہی کم ہوتے تھے۔

سب سے پہلے تو میں نے حنا میں لکھنا شروع کیا تھا پھر دوسرے رسالوں میں انٹری دی جنوری کے شمارے میں میں نے ایک عدد غزل بھیجی تھی شاید میرا خط لیٹ ہو گیا تھا اب تبصرہ اور شاعری بھیج رہی ہوں، آپ مجھ سے ناراض مت ہویئے گا مجھے تو آپ بہت پیاری ہو فصیحہ آصف کا افسانہ تنہائی پڑھا بے حد اچھی تحریر تھی مزا آ گیا پڑھ کر وہ تو لکھتی ہی اتنا اچھا ہیں، مبارک ہو فصیحہ جی وہ تو میری بہت اچھی دوست ہیں، مکمل ناول ''من میت'' ریحانہ جی نے کیا کمال کا لکھا تھا ان کے اور میگزین میں بھی بہت اچھا لکھتی ہیں اور دونوں مکمل ناول بھی اچھے لگے، افسانوں میں ''ہجر کے پھول'' اور ''بے نشاں'' بھی بہترین تھے بیمار بھی بہت رہی ہوں اب ذرا ٹھیک ہوں، اب اس میں ریگولر لکھا کروں گی۔

فریدہ جی کیسی ہیں آپ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت کاملہ عطا کرے آمین، جی مجھے بہت اچھے سے یاد ہے آپ کا شماران قارئین میں سے ہے جو بہت پرانے ہیں اور جب بھی ان کو ٹائم ملتا ہے وہ حنا کی محفل میں آتے ضرور ہیں، فریدہ جاوید فری اور فریدہ خانم کو ہم نے ہمیشہ یاد رکھا، فروری کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی شاعری محفوظ ہے انشاء اللہ اگلے ماہ شائع ہوگی، اپنا بہت سا خیال رکھیے گا شکریہ۔

☆☆☆